# مختصراً قرآن پاک کے علوم


مرتب

الفقیر اِلی اللہ تعالیٰ

**بلقیس اظہر**

جماعت عائشہؓ



ایڈیشن - I

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# مختصراً قرآن پاک کے علوم

مرتب:
الفقیر اِلی اللہ تعالیٰ
بلقیس اظہر
جماعت عائشہؓ

| نمبر شمار | فہرست مضامین | صفحہ نمبر |
|---|---|---|
| 1 | حقیقت قرآن | 4 |
| 2 | کلام الٰہی کی حقانیت | 6 |
| 3 | کلام الٰہی کی آفاقیت | 12 |
| 4 | حقیقی رہنما (قرآن پاک) | 13 |
| 5 | حقیقت وحی | 22 |
| 6 | تدوین قرآن | 25 |
| 7 | قرآن پاک کی چند خصوصیات | 27 |
| 8 | عمل بالقرآن | 29 |
| 9 | اعجاز قرآن | 31 |
| 10 | مسلمانوں پر قرآن پاک کے حقوق | 33 |
| 11 | غرائب القرآن | 35 |
| 12 | آداب قرآن | 36 |
| 13 | قرآن پاک کا ترتیل سے پڑھنا | 39 |
| 14 | تلاوت قرآن عزیز (حصہ اول) | 40 |
| 15 | تلاوت قرآن عزیز (حصہ دوئم) | 46 |
| 16 | فضائل قرآن | 48 |
| 17 | علم تفسیر قرآن | 57 |
| 18 | ناسخ ومنسوخ | 60 |
| 19 | قرآنی آیات (محکمات، متشابہات، مقطعات) | 62 |
| 20 | نصرانیوں کے عقائد | 63 |
| 21 | خاصہ | 65 |
| 22 | منافقت | 68 |
| 23 | لوازم نجات (سورہ العصر) | 75 |
| 24 | "متاع الغرور" (دھوکے کا سامان) | 82 |

24 قرآن پاک کی نظر میں امید کا مستحق کون؟ ..... 89
25 کتاب خداوندی اور شخصیات مقدسہ ..... 95
26 صاحب قرآن ..... 98
27 حدیث کیا ہے؟ (قرآن فہمی کے لیے حدیث کی ضرورت) ..... 104
28 قرآن مجید کی سچائی اور سائنس کے اعترافات ..... 107

# حقیقت قرآن

حقیقتیں دو طرح کی ہوتی ہیں:

1- خالق کی حقیقت
2- مخلوق کی حقیقت

## 1- خالق کی حقیقت:

خالق صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہے- اس کے سوا جو کچھ بھی ہے وہ مخلوق ہے-

## 2- مخلوق کی حقیقت:

ہم سب حضور پاک خاتم النبیین ﷺ، تمام انبیاء کرام علیہ السلام، تمام اہل بیت، تمام صحابہ کرامؓ، صالحین، زمین،، چاند تارے، سورج، چرند، پرند تمام نباتات مخلوق ہے-

اس تمام کائنات میں (دنیا میں) کوئی شے ایسی نہیں ہے جو ہم میں سے نہ ہو یعنی جو مخلوق نہ ہو- مخلوق کی جنس میں سے نہ ہو-

دوسری طرف یہ امر بھی ذہن میں رہے کہ کوئی ایسی حقیقت نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ اور ہمارے درمیان (مخلوق کے درمیان) مشترک ہو-

اب ایک حقیقت خالق ہے اور ایک حقیقت مخلوق ہے-

قرآن مجید ایک ایسی واحد حقیقت ہے جو مخلوق نہیں ہے یعنی قرآن مجید غیر مخلوق ہے اور قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے- اللہ تعالیٰ کا کلام ہونے کے ناطے یہ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے-

یاد رہے، **صفت ذات کا عین (اصل جوہر) بھی نہیں ہوتی اور ذات کا غیر بھی نہیں ہوتی- یعنی صفت ذات بھی نہیں ہے اور ذات سے جدا بھی نہیں ہے-**

اب چونکہ قرآن پاک اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور غیر مخلوق ہے-

قرآن پاک کا ذات الٰہی سے اس قدر گہرا تعلق ہے اور یہ باہم اتنے جڑے ہوئے ہیں کہ انہیں جدا نہیں کیا جا سکتا-

اب حقیقتوں کی ترتیب کچھ اس طرح سے ہوئی:

### خالق:

صرف ایک ذات رب تعالیٰ-

### غیر مخلوق:

صرف ایک واحد رب تعالیٰ کا کلام- جس کو رب سے جدا نہیں کیا جا سکتا-

### مخلوق:

اِس دنیا (اِس کائنات) کی ہر چیز-

یعنی قرآن پاک مخلوق سے اوپر کی چیز ہے- یہ ہم سے اعلیٰ اور ارفع ہے- اس لحاظ سے قرآن پاک کا ادب یہ تقاضا کرتا ہے ہم لوگ ہر وقت اسے سروں پر اٹھا کر رکھیں- (یعنی اس کی تعظیم اور عظمت کا خیال ہم ہمیشہ کریں)

## قرآن پاک اللہ تعالیٰ کی ایک صفت ہے:

بلا تشبیہ و بلا مثال اِس مسئلہ کو اِس طرح سمجھا یا جاتا ہے- ہم جو لباس پہنتے ہیں، یہ لباس ہماری صفت نہیں ہے۔ کیوں؟ اس لئے کہ ہم ہر روز اپنے لباس کو بدلتے ہیں اور جو بدلا جاتا ہے وہ صفت نہیں ہے۔ پس لباس ہماری ضروریات میں شامل ہے لیکن یہ ہماری صفت نہیں ہیں۔

## صفت کیا ہے؟

ہمارا رنگ، قد و قامت اور ہمارا مزاج ہماری صفات ہیں اور ہم ان کو اتار کر پھینک نہیں سکتے۔ لہٰذا جو نہ اتارا جا سکے اور نہ بدلا جا سکے، وہ صفت ہے۔

یعنی ہمارے رنگ، اوصاف اور مزاج کو ہماری ذات بھی قرار نہیں دیا جا سکتا اور ذات سے الگ کوئی چیز بھی نہیں کہا جا سکتا۔ گویا ذات اور صفت لازم وملزوم ہوتے ہیں۔ اور اس طرح جڑے ہوئے ہوتے ہیں کہ ہم اُن کو دیکھ بھی نہیں سکتے۔ مثلاً اگر کوئی اپنے مزاج کو اپنے سے الگ کر کے دیکھنا چاہے کہ اُس کے مزاج کا الگ وجود کیا ہے؟ تو اُسے کچھ نظر نہیں آئے گا۔ مثلاً غصیلی طبیعت والا اپنے غصہ کو اپنی ذات سے الگ کر کے نہیں دیکھ سکتا۔ ہاں جب غصّہ میں آئے گا تو اس پر ظاہر ہوگا اور ظاہر تب ہی ہوگا اگر وہ اس کے وجود (میں) کے اندر ہوگا۔

پس صفت ایسی چیز ہے جو ذات سے جدا نہیں ہو سکتی اور جدا کریں تو اُس کا وجود ہی نہیں رہتا۔

اب یہ واحد اللہ عزوجل کی شان ہے کہ اُس نے اپنی صفت کلام کو قرآن پاک کی صورت میں حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے صدقے اور وسیلے سے ہمیں عطا فرما دیا۔

لہٰذا کلام اللہ کو اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ دیکھیں۔ اس قرآن میں گم ہو جانا، اللہ تعالیٰ کی ذات میں گم ہو جانا ہے۔ اس سے جڑ جانا، اللہ تعالیٰ سے جڑ جانا ہے۔ اس کو دل اور من میں اتار لینا گویا اللہ تعالیٰ کو دل اور من میں اتار لینا ہے۔ کیونکہ اُس کی صفت کلام نے اُس سے جدا ہونا ہی نہیں ہے۔ گویا جہاں قرآن ہے، وہاں اللہ ہے۔

جس دل میں قرآن جائے گا، اُس دل میں اللہ بھی چلا جائے گا پھر اُس دل میں رحمت آجائے گی کیونکہ رحمت بھی اللہ تعالیٰ کی ایک صفت ہے۔ پھر یہ دل زندہ ہو جائے گا کیونکہ حیات بھی اللہ تعالیٰ کی ایک صفت ہے۔ یعنی جس دل میں اللہ سما گیا وہاں تجلیاتِ الٰہی بھی آجائیں گی اور اللہ تعالیٰ کی صفات کے انوار بھی آجائیں گے۔

اس لئے قرآن پاک سے پیار کریں۔ قرآن پاک کو پیار کرنے کا مطلب اللہ تعالیٰ کو پیار کرنا ہے۔ قرآن مجید سے محبت کرنے کا مطلب اللہ تعالیٰ سے محبت کرنا ہے۔ قرآن پاک کے قریب ہو جانے کا مطلب اللہ تعالیٰ کے قریب ہو جانا ہے۔ قرآن پاک کی معرفت کے حصول کا مطلب اللہ تعالیٰ کی معرفت کا حصول ہے۔

نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے خود ایک اصول بیان فرما دیا ہے ''تلاوتِ قرآن پاک کرنے والا اللہ کی قربت سے ہمکنار ہوتا ہے''۔

پس جو قرآن میں ڈوب جاتا ہے تو قرآن پاک چونکہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے لہٰذا قرآن پاک قاری کو اللہ تعالیٰ کی صحبت میں پہنچا دیتا ہے۔ قرآن پاک اللہ تعالیٰ کی صحبت کا ذریعہ ہے۔ قرآن پاک اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے۔ قرآن پاک اللہ تعالیٰ کی باتیں ہیں۔

حدیث قدسی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

ترجمہ: ''میں اپنے بندے کے گمان کے ساتھ ہوں، جیسا وہ گمان مجھ سے رکھے، اور میں اس کے ساتھ ہوں جب وہ میرا ذکر کرتا ہے، اگر وہ میرا دل میں ذکر کرتا ہے تو میں بھی دل میں اس کا ذکر کرتا ہوں، اور اگر وہ میرا ذکر لوگوں میں کرتا ہے تو میں ان لوگوں سے بہتر لوگوں میں اس کا ذکر کرتا ہوں، اور اگر وہ مجھ سے ایک بالشت نزدیک ہوتا ہے تو میں ایک ہاتھ اس کے قریب ہوتا ہوں، اور اگر وہ چل کر میرے پاس آتا ہے تو میں اس کی جانب دوڑ کر آتا ہوں''۔ (سنن ابن ماجہ، حدیث نمبر 3822)

اس بات میں حضرت علیؓ نے فرمایا تھا:

ترجمہ: ''جب میرا دل کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے باتیں کروں تو میں نماز پڑھنے لگتا ہوں اور جب میرا دل چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھ سے باتیں کرے تو میں قرآن پاک پڑھنے لگتا ہوں''۔

پس ہمیں چاہیئے کہ ہم قرآن مجید سے پیار کریں، محبت کے ساتھ پڑھیں، اس میں ڈوب کر پڑھیں۔ ڈوب کر پڑھنے کے لئے قرآن پاک کو ترجمہ کے ساتھ پڑھنا ہوگا۔ معانی اور مطالب سمجھ آئیں گے تب ہی ڈوب کر پڑھا جائے گا۔ یاد رکھیں اگر محض ورق گردانی کی جائے، نہ اس کو عملی طور پر اپنایا جائے تو یہ ایسا ہے جیسے کوئی کسی کو دیکھ کر گزر جائے۔

پس صحبت کتاب سے صاحب کتاب کی صحبت میسر آجاتی ہے۔

قرآن پاک کی تلاوت کرنے، اس کو سمجھ کر پڑھنے، اس پر غور وفکر کرنے یعنی اس کو سمجھ کر پڑھنے، پھر اس پر عمل کرنے اور اس کو آگے پہنچانے والے بندوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کتنا پیار کرتا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کے کتنے محبوب ہو جاتے ہیں اس کا اندازہ وشمار ہماری احاطہ عقل میں نہیں آسکتا۔

اس لئے تلاوت کرتے وقت یہ سمجھیں ہی نہیں بلکہ یقین کریں کہ ہم اللہ تعالیٰ کی صحبت میں بیٹھے ہوئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں قرآن پاک سے اچھی، پکی اور سچی محبت عطا فرمائے۔ (آمین)

**********

# کلام الٰہی کی حقانیت

## (مشرکین، شاعر، زبان دان اور فصاحت و بلاغت کے ماہرین کی زبانی)

حاکم و بیہقی نے بہ طریق عکرمہ حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ ولید بن مغیرہ رسول پاک خاتم النبیین ﷺ کی بارگاہ میں آیا تو حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے اسے قرآن پڑھ کر سنایا۔ ولید پر رقت طاری ہوگئی۔ یہ بات ابوجہل کو معلوم ہوگئی۔ ابوجہل اس کے پاس آیا اور کہا "اے چچا! قوم کا ارادہ ہے کہ تمہارے لئے مال جمع کرے"۔ ولید نے پوچھا "کس لئے؟" ابوجہل نے جواب دیا "تمہیں دینے کے لئے"۔ ولید نے کہا "تم یہ بات تو جانتے ہو کہ قریش میں سرمایہ اور دولت کے لحاظ سے میں کافی سرمایہ دار ہوں"۔ ابوجہل نے کہا "محمد خاتم النبیین ﷺ کے بارے میں تم کچھ مجھ کو بتاؤ تا کہ وہ قریش کو معلوم ہو اور وہ سب جان لیں کہ تم ان کے منکر ہو اور تم ان سے نفرت کرتے ہو"۔ ولید نے جواب دیا "میں کیا عرض کروں یہ ایک حقیقت ہے کہ زبان و ادب اور اس کی ثقافتوں اور نزاکتوں کو سمجھنے والا کوئی مجھ سے بہتر نہیں ہے اور میں اس کا اعتراف نہ کرنا نہ انصافی سمجھتا ہوں کہ محمد خاتم النبیین ﷺ جو کلام پڑھتے ہیں اس کے مقابلے میں کوئی دوسرا کلام نہیں رکھا جا سکتا۔ بلاشبہ وہ ایک عجیب نادر اور تیکھا کلام ہے اور وہ کلام تاثیر کے اعتبار سے سحر آفرین ہے۔" ابوجہل نے کہا "قوم اس بارے میں تمہارے خیالات جاننا چاہتی ہے"۔ ولید نے کہا "مجھے مہلت دو تا کہ میں کچھ سوچ سکوں"۔ چنانچہ ولید نے بعد میں کہا کہ "محمد خاتم النبیین ﷺ کے پاس جو کلام ہے وہ ان کا ذاتی نہیں ہے بلکہ القاء و الہام کے ذریعے سیکھا ہوا معلوم ہوتا ہے۔" ابن اسحاق اور بیہقی نے بطریق عکرمہ حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ (اس کے بعد) ولید مغیرہ اور قریش کے چند افراد جمع ہوئے۔ ولید ان میں سن رسیدہ تھا۔ اسی نے اجتماع سے خطاب کیا۔ اس نے کہا "زمانہ حج نزدیک ہے۔ میرا خیال ہے کہ مختلف علاقوں کے وفود تمہارے پاس آ کر محمد خاتم النبیین ﷺ کے بارے میں تم سے دریافت کریں گے۔ کیونکہ تمام لوگوں نے محمد خاتم النبیین ﷺ کے بارے میں کچھ نہ کچھ ضرور سن رکھا ہوگا۔ لہذا تم سب ایک رائے پر اتفاق کر لو کہ محمد خاتم النبیین ﷺ کے بارے میں تم نے لوگوں کو کیا بتانا ہے، تا کہ تمہاری باتوں میں تضاد نہ ہو۔" لوگوں نے کہا "اے عبدالشمس! آپ ہی مشورہ دیجئے کہ ہمیں کیا کہنا چاہیے"۔ اِس پر ولید کچھ دیر سوچتا رہا اور پھر اس نے کہا "میں تمہارے ہی خیالات سننا چاہتا ہوں۔" قریش نے کہا "ہم کہیں گے کہ وہ کاہن ہیں"۔ ولید نے کہا "وہ کاہن تو نہیں ہیں۔ تم نے کاہنوں کو دیکھا ہے اور ان کا کلام بھی سنا ہے۔ ان کا کلام کاہنوں کا سا بے معنی زمزمہ نہیں ہے۔" لوگوں نے کہا "ہم کہیں گے کہ وہ مجنوں (دیوانے) ہیں۔" ولید نے کہا "وہ حواس باختہ، پریشان خیال اور جذباتی نہیں ہیں۔ تم جانتے ہو کہ ہر مجنوں ایسا ہوتا ہے۔" لوگوں نے کہا "اے ولید ہم کہیں گے کہ وہ شاعر ہے۔" ولید نے کہا "وہ شاعر نہیں ہیں کیونکہ ہم میں سے یہاں پر اصناف شعر سے بہت سے لوگ واقف ہیں۔ محمد خاتم النبیین ﷺ کا کلام تو بے نظیر اور بے مثال ہے۔" لوگوں نے کہا "ہم کہیں گے کہ وہ ساحر ہے۔" ولید نے کہا "وہ جادوگر بھی نہیں ہے۔ ہم میں سے ہر ایک نے ساحروں کو دیکھا ہے۔ ان کے انداز کلام میں تو جھاڑ پھونک اور گرہ بندی لازمی طور پر ہوتی ہے۔" لوگوں نے کہا "اے عبدالشمس! اب تم ہی بتاؤ کہ ہم لوگوں کو کیا بتائیں کہ محمد خاتم النبیین ﷺ کا کلام کیسا کلام ہے؟" ولید نے کہنا شروع کیا "واللہ ان کے کلام میں تو عجیب حلاوت ہے۔ اس میں تازگی اور لذت ہے۔ تو تم اگر بیان کردہ باتوں میں سے جو کچھ بھی کہو گے تمہیں جھوٹا ہی سمجھا جائے گا۔ بہرحال قرین عقل یہ ہے کہ تم ساحر کہو اور بتاؤ کہ یہ ساحر لوگوں کے درمیان جدائی ڈالتا ہے اور لوگوں کو باپوں سے، بیویوں سے اور بھائیوں سے کاٹ دیتا ہے۔"

پس لوگوں نے اس کی رائے سے اتفاق کیا اور اجتماع سے رخصت ہو گئے۔ اور جب حج کا زمانہ آیا تو ہر طرف سے لوگ آ کر بیت اللہ کے طواف کے لئے جمع ہونے لگے۔ اب مشرکین قریش ان کو برگشتہ کرنے کے لئے ان کے اجتماعات اور ان کے دارالاقامتوں (گھروں میں جہاں وہ مقیم تھے) آنے جانے لگے۔ جو بھی ان کے پاس آتا وہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے بارے میں اسے ڈراتے اور ان سے بچنے کی ترغیب دیتے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے ولید بن مغیرہ کے بارے میں سورہ مدثر، آیت نمبر 11 تا آیت نمبر 26 نازل فرمائی:

ترجمہ: "مجھ کو اور اس شخص کو رہنے دو جس کو میں نے اکیلا پیدا کیا۔ اور اس کو میں نے کثرت سے مال دیا۔ اور پاس رہنے والے بیٹے اور سب طرح کا سامان اس کے لئے مہیا کر دیا۔ پھر بھی اس بات کی ہوس رکھتا ہے کہ اسے اور زیادہ دوں۔ ہرگز نہیں۔ وہ ہماری آیتوں کا مخالف ہوا۔ میں عنقریب اس کو دوزخ کے پہاڑ پر چڑھاؤں گا۔ اس نے سوچا، پھر ایک بات تجویز کی۔ سو اس پر خدا کی مار ہو۔ کیسی بات تجویز کی۔ پھر اس پر خدا کی مار ہو۔ کیسی بات تجویز کی۔ پھر دیکھا پھر منہ بنایا اور زیادہ

منہ بنایا۔ پھر منہ پھیرا۔ اور تکبر کا مظاہرہ کیا۔ پھر بولا کہ یہ تو جادو ہے، منقول۔ بس یہ تو آدمی کا کلام ہے۔ میں اس کو جلد ہی دوزخ میں داخل کردوں گا۔"

نیز حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے بارے میں جنہوں نے اس جھوٹے پروپیگنڈے میں ولید کو اپنا قائد اور پیشوا بنالیا تھا، یہ وہ لوگ تھے جو لوگوں کو اپنے پاس بٹھاتے اور رسول پاک خاتم النبیین ﷺ کے بارے میں عجیب عجیب باتیں لوگوں سے کرتے۔ ان کو بھی جہنم کی وعید سنائی گئی۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک، سورۃ الحج، آیت نمبر 91-92 میں فرمایا:

ترجمہ: "جنہوں نے کلام الہیٰ کو تکے، بوٹی کرلیا (ٹکڑے ٹکڑے کردیا) تو تمہارے رب کی قسم ہم ضرور ان سے پوچھیں گے۔" (کچھ کا کچھ بتادیا۔ اصلیت چھپادی)

راوی حدیث حضرت ابن عباسؓ کا کہنا ہے کہ حج سے فراغت کے بعد جب لوگ اپنے اپنے علاقوں اور قبائل میں واپس آئے تو چپہ چپہ میں رسول مکی خاتم النبیین ﷺ اور آپ خاتم النبیین ﷺ کا چرچہ ہوگیا۔ اور اس طرح تمام اطرافِ عرب کے رہنے والے لوگ ذات نبی خاتم النبیین ﷺ اور دعوت نبی خاتم النبیین ﷺ سے واقف ہوگئے۔

ابونعیم نے بہ طریق عوفی حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ ولید بن مغیرہ سیدنا حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پاس آیا۔ اور اس نے قرآن کے بارے میں پوچھا۔ جب حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اس کو سنایا تو وہ اٹھ کر قریش کے پاس آیا اور کہا "اے قریش! آج جو کلام ابن ابی کبشہ سناتا ہے وہ بہت ہی عجیب ہے۔ وہ شعر ہے نہ سحر۔ اور نہ ہی بے معنی گفتگو ہے۔ یقیناً وہ کلام اللہ کا ہی کلام ہے۔"

ابن اسحاق، بیہقی اور ابونعیم نے ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ نضر بن حارث نے کھڑے ہوکر کہا "اے قریشی بھائیو! تم ایک ایسی مشکل میں گرفتار ہوگئے ہو، ایسی الجھن سے دوچار ہو جو اس سے پہلے کبھی نہ تھی (یعنی اس جیسی الجھن سے کبھی دوچار نہیں ہوئے تھے)۔ جب محمد خاتم النبیین ﷺ جوان تھے تو وہ تمہارے اندر سب سے زیادہ پسند کیے جاتے تھے۔ اور سب سے زیادہ صادق القول اور امانت دار سمجھے جاتے تھے۔ اور جب وہ مزید جوان ہوئے، ان کی عادات میں مزید پختگی اور ان کی خوبیوں میں متانت کا نکھار آگیا۔ اور جب وہ خدا کا پیغام تمہارے پاس لے کر آئے تو پھر جسے تم پہلے "جامع صفات" کہا کرتے تھے، اس کو اب "ساحر" کہنے لگے۔ حالانکہ سحر سے ان کو کیا نسبت؟ تم ان کو کاہن کہنے لگے۔ حالانکہ کہانت سے ان کو کیا سروکار؟ تم ان کو مجنوں کہنے لگے حالانکہ جنوں سے ان کو کیا علاقہ؟ پس اے برادرانِ قریش انصاف کرو اور اپنے رویہ پر نظرِ ثانی کرو۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے ہم پر یہ احسان عظیم فرمایا ہے کہ تمام عالم کو چھوڑ کر ہمارے ہی اندر سے ایک نبی کو اٹھایا ہے"۔

ابن ابی شیبہ، بیہقی اور ابونعیم نے حضرت جابرؓ سے روایت کیا ہے کہ جماعت قریش نے ابوجہل بن حکم سے کہا محمد خاتم النبیین ﷺ کی دعوتِ دین عوامی تحریک کی صورت اختیار کرتی جاری ہے۔ تم کسی ایسے شخص کو منتخب کرو جو سحر، کہانت اور شعر سے بخوبی واقف ہو۔ وہ محمد خاتم النبیین ﷺ کے پاس جائے اور ان کے عزائم اور ان کی اغراض کے بارے میں ان سے گفتگو کرکے ہمیں اطلاع دے۔ اس پر عتبہ نے کہا کہ میں سحر، کہانت (نجومی) اور شعر کی حقیقتوں سے بخوبی واقف ہوں۔ لہٰذا وہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی خدمت میں آیا اور کہا "اے محمد خاتم النبیین ﷺ! آپ بہتر ہیں یا ہاشم؟" آپ خاتم النبیین ﷺ خاموش رہے۔ اس نے پھر کہا "اے محمد خاتم النبیین ﷺ! آپ بہتر ہیں یا عبدالمطلب؟" آپ خاتم النبیین ﷺ خاموش رہے۔ اُس نے پھر کہا "اے محمد خاتم النبیین ﷺ! آپ بہتر ہیں یا عبداللہ؟" حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ پھر عتبہ نے کہا "پھر کس لئے ہمارے اسلاف کو گمراہ اور ہمارے معبودوں کو برا کہتے ہو؟ اے محمد خاتم النبیین ﷺ! اگر آپ خاتم النبیین ﷺ کو حکومت و ریاست کی خواہش ہے تو ہم آپ خاتم النبیین ﷺ کے لئے جھنڈا بلند کرتے ہیں۔ آپ خاتم النبیین ﷺ کو سردار بنالیتے ہیں۔ اگر جنسی میلان ہے تو 10 ایسی عورتوں سے آپ خاتم النبیین ﷺ کی شادی کروادیتے ہیں جو آپ خاتم النبیین ﷺ کو محبوب ہوں۔ اگر دولت اور سرمایا کی ضرورت ہے تو ہم آپ خاتم النبیین ﷺ کی خدمت میں دولت کے ڈھیر کردیتے ہیں۔ اتنا، جو آپ خاتم النبیین ﷺ کی ضرورت سے زیادہ اور آپ خاتم النبیین ﷺ کی آئندہ نسلوں تک لئے کافی ہوگا۔" ان تمام باتوں پر بھی آپ خاتم النبیین ﷺ خاموش رہے۔ آپ خاتم النبیین ﷺ نے کوئی جواب نہ دیا۔ جب آپ خاتم النبیین ﷺ نے سمجھ لیا کہ عتبہ اب اپنا سلسلہ کلام ختم کرچکا ہے تو پھر آپ خاتم النبیین ﷺ نے سورہ حٰمٓ السجدہ کی آیت نمبر 1 سے آیت نمبر 13 تک تلاوت فرمائی:

ترجمہ: "اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بڑا مہربان اور رحم کرنے والا ہے"۔

"یہ (قرآن پاک) اتارا ہے بڑے رحم والے مہربان کا۔ یہ ایک کتاب ہے جس کی آیات مفصل فرمائی گئی ہیں۔ عربی زبان میں، قرآن دانش مندوں کے لئے

خوشخبری دیتا ہے۔اور ڈر سناتا ہے (یعنی اللہ کے دوستوں کو خوشخبری اور اللہ کے دشمنوں کو عذاب کا) تو ان میں اکثر نے منہ پھیرا کہ (جیسے) وہ سنتے ہی نہیں۔اور بولے ہمارے دل غلاف میں ہیں اس بات سے جس کی طرف تم ہمیں بلاتے ہو (یعنی تمہاری باتیں ہماری عقل وشعور میں نہیں آتیں)۔اور ہمارے کانوں میں پردہ، ٹینٹ (روئی) ہے۔اور ہمارے اور تمہارے درمیان روک ہے۔تو تم اپنا کام کرو، ہم اپنا کام کرتے ہیں۔تم فرماؤ، آدمی ہونے میں تو میں تم جیسا ہوں (یعنی میں بشری صورت میں تمہارے سامنے ہوں، تم جیسا ہوں۔پھر تمہیں میری باتیں سمجھ کیوں نہیں آتیں؟) مجھے وحی ہوتی ہے کہ تمہارا ایک ہی معبود ہے تو تم اس کے حضور سیدھے رہو (اس کی اطاعت کرو) اور اس سے معافی مانگو (اپنے فساد، عقیدہ اور عمل کی)۔اور خرابی ہے شرک والوں کو، وہ جو زکوٰۃ نہیں دیتے اور آخرت کے منکر ہیں۔بے شک جو ایمان لائے اور اچھے کام کیئے، ان کے لئے بے انتہا ثواب ہے۔تم فرماؤ کیا تم لوگ اس کا انکار کر رہے ہو جس نے دو دن میں زمین بنائی؟ (یہ اشارہ ہے کہ چاہے تو کن سے فیکون کر دیتا اور ایک لمحہ سے بھی کم میں بنا دیتا)۔اور اس کا ہمسر ٹھہراتے ہو (یعنی شریک کرتے ہو)۔وہ سارے جہانوں کا رب ہے۔اور زمین میں اس نے ڈالے بھاری بوجھ (یعنی پہاڑ)۔اور زمین میں برکت رکھی (یعنی دریا) نہر، درخت، پھول، پھل اور جانور، قسم قسم کے حیوانات اور اس (زمین) میں اس کے بسنے والوں کے لئے روزیاں مقرر کیں۔یہ سب ملا کر چار دن میں (یعنی دو دن میں زمین کی پیدائش اور دو دن میں یہ سب کچھ) ٹھیک جواب پوچھنے والوں کو۔پھر آسمان کی طرف قصد فرمایا اور وہ دھواں تھا (یعنی بخارات بلند ہو رہے تھے) تو اس نے آسمان سے (دھویں سے) اور زمین سے فرمایا کہ دونوں حاضر ہو جاؤ۔خوشی سے یا چاہے ناخوشی سے۔دونوں نے عرض کیا کہ ہم رغبت کے ساتھ حاضر ہوئے۔تو انہیں (آسمانوں کو) سات آسمان کر دیا دو دن میں (یہ کل چھ دن ہوئے ان میں سب سے پہلا دن جمعہ ہے)۔اور ہر آسمان میں اسی کے کام کے احکام بھیجے۔اور ہم نے نیچے کے آسمان کو (آسمانِ دنیا کو) چراغوں سے (یعنی روشن ستاروں سے) آراستہ کیا۔اور نگہبانی کے لئے (شیاطین سے نگہبانی کا انتظام کیا)۔یہ (کلام) اس عزت والے، علم والے کا بھیجا ہوا ہے۔اب بھی اگر وہ منہ پھیریں تو تم فرماؤ کہ میں تمہیں ڈراتا ہوں ایک کڑک سے جیسی کڑک عاد اور ثمود پر آئی تھی۔"

جب حضور پاک خاتم النبیین ﷺ یہاں تک پہنچے تو عتبہ میں مجالِ سماعت نہ رہی۔اُس نے قسم دے کر آپ خاتم النبیین ﷺ کو آگے پڑھنے سے روک دیا۔اور رحم کی بھیک مانگ کر کہنے لگا کہ اس کو ایسے عذاب سے دور رکھیں۔وہ عاد وثمود کی کڑک والی تباہی کو جانتا تھا۔پھر عتبہ یہاں سے اٹھ کر نہ اپنے گھر گیا اور نہ ہی ان لوگوں کے پاس پہنچا۔اس پر ابوجہل نے قریش کے لوگوں سے کہا "اے گروہ قریش! عتبہ ہمیں کہیں پر نظر نہیں آ رہا ہے۔شاید وہ محمد خاتم النبیین ﷺ پر مائل ہو گیا ہے۔یا شاید اسے کوئی حاجت درپیش ہے۔"

پھر یہ تمام لوگ ابوجہل کے ساتھ مل کر عتبہ کے گھر آئے۔عتبہ اس وقت تک گھر پہنچ گیا تھا۔ابوجہل نے کہا "عتبہ ہمارا خیال ہے تو کسی طمع کا شکار ہو کر محمد خاتم النبیین ﷺ کی طرف مائل ہو گیا ہے۔اگر تجھے مالی اعانت کی ضرورت ہے تو ہم اس کو پورا کرنے کے لئے تیار ہیں تاکہ تُو پھر محمد خاتم النبیین ﷺ سے بے نیاز ہو جائے۔"

یہ سن کر عتبہ غضبناک ہو گیا۔قسم کھا کر بولا "میں محمد خاتم النبیین ﷺ سے کبھی بات نہ کرونگا۔تمہیں معلوم ہے کہ میں سب سے زیادہ مالدار ہوں۔اس وجہ سے میں تم سے کسی قسم کی، یا کسی سے بھی کسی قسم کی مدد کا طالب نہیں ہوں۔ ہاں سنو! جب میں محمد خاتم النبیین ﷺ کے پاس گیا تو انہوں نے ایسے کلام کے ساتھ جواب دیا کہ خدا کی قسم نہ تو وہ سحر ہے نہ کہانت (نجوم)۔انہوں نے میرے جواب میں پڑھا بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۔۔۔صٰعِقَۃِ عَادٍ وَّثَمُوۡدَ ۔ اس کے بعد میں نے ان سے التجا کی اور انہیں آگے پڑھنے سے روک دیا۔پھر میں نے ان سے رحم کی بھیک مانگی تاکہ وہ اس عذاب میں مجھے مبتلا نہ کریں جو عاد وثمود پر آیا تھا۔اور یہ تو تم جانتے ہی ہو کہ محمد خاتم النبیین ﷺ جو کچھ فرماتے ہیں وہ جھوٹ نہیں ہوتا۔لہٰذا میں ڈرتا ہوں کہ کہیں تم پر عذاب نازل نہ ہو جائے۔میرا کہا مانو تو ان کو ان کے حال پر چھوڑ دو۔اور ان سے کسی قسم کا تعرض (اعتراض) نہ کرو۔اگر وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے تو ان کا ملک اور ان کی عزت اور تمہارا ملک تمہاری عزت ہوگی۔"

بیہقی، ابن اسحاق نے زہریؒ سے روایت کیا ہے کہ ابوجہل، ابوسفیان اور اخنس بن شریق ایک شب رسول خاتم النبیین ﷺ کا کلام سننے کی نیت سے روانہ ہوئے۔حضور پاک خاتم النبیین ﷺ اس وقت مصروفِ نماز تھے۔یہ تینوں اشخاص اندھیرے میں اپنے اپنے زاویئے سے بیٹھ کر حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی تلاوت سنتے رہے اور پھر کچھ اس طرح لذت اندوز اور متاثر ہوئے کہ رات گزرتے خبر نہ ہوئی۔پوری رات گزر گئی۔طلوعِ فجر پر جب جانے لگے، تینوں نے ایک دوسرے کو دیکھا اور سب پر کلام الٰہی اثر انداز ہوا اور انفعال (متاثر ہو گیا)، ہیبت طاری ہو گئی۔یہ حضرات مسلسل تین راتوں میں اسی طرح کلام الٰہی (قرآن پاک) سنتے

رہے اور پھر اپنے گھروں کو لوٹ گئے۔ اس کے بعد اخنس، ابوسفیان کے گھر آیا۔ اور کہا کہ اس کلام کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟ ابوسفیان نے جواب دیا "میں اس کلام کو اور اس کی تاثیر کو محسوس کرتا ہوں۔"

اس کے بعد اخنس ابوجہل کے پاس گیا اور کہا "اے ابوالحکم اس کلام کے بارے میں جو آپ نے محمد خاتم النبیین ﷺ کی زبانی سنا آپ کی کیا رائے ہے"؟ ابوجہل نے کہا "اے اخنس میں نے کیا سنا ہے اسے چھوڑو، اسے سنو جو اب میں بتا رہا ہوں۔ وہ بات یہ ہے کہ ہم اور بنوعبدمناف مقام شرف کے حاصل کرنے میں ہمیشہ دست وگریبان رہے ہیں۔ ہم اور بنی عبدمناف شرف (بڑائی اور عزت) میں ہمیشہ جھگڑا کرتے تھے۔ اگر انہوں نے کھانا کھلایا تو ہم نے بھی کھانا کھلایا۔ انہوں نے لوگوں کو سواریاں دیں تو ہم نے بھی لوگوں کو سواریاں فراہم کیں۔ انہوں نے لوگوں کو مال دیا تو ہم نے بھی لوگوں کو مال دیا۔ یہاں تک کہ ہمارے اور ان کے درمیان برابری جاری رہی۔ اور اس دوڑ میں ہم اور وہ برابر رہے۔ تو بنی عبدمناف نے از روئے فخر کہا کہ ہم میں ایک نبی ہوگا۔ جس پر آسمان سے وحی نازل ہوگی۔ تو اب اگر ہم نے اس نبی کو پایا ہے تو خدا کی قسم اس پر کبھی ایمان نہ لائیں گے۔ اور ہم اس کی کبھی تصدیق نہ کریں گے۔" اخنس ابوجہل کی یہ باتیں سن کر اٹھ کھڑا ہوا۔ اخنس نے اسلام قبول کرلیا۔ لیکن وہ منافق رہا۔ بظاہر اسلام کے ساتھ اور اندر سے اسلام کا منکر۔

بیہقی نے مغیرہ بن شعبہ سے روایت کیا ہے کہ سب سے پہلا دن جب میں نے رسول پاک خاتم النبیین ﷺ کی شانِ رسالت کو پہچانا، وہ دن تھا کہ میں اور ابوجہل شہر مکہ کی ایک گلی میں جا رہے تھے۔ ہماری ملاقات حضور پاک خاتم النبیین ﷺ سے ہوگئی۔ آپ خاتم النبیین ﷺ نے ابوجہل سے فرمایا "ابوالحکم! اللہ اور رسول کی طرف آؤ۔" ابوجہل نے جواب دیا "محمد! کیا تم ہمارے معبودوں کو برا کہنے سے باز نہ آؤ گے؟ جو کچھ تم کہتے ہو اگر میں اس کو حق جانتا تو ضرور تمہارا اتباع کرتا۔" اس کے بعد آپ خاتم النبیین ﷺ تشریف لے گئے۔ آپ خاتم النبیین ﷺ کے جانے کے بعد ابوجہل نے مجھ سے کہا "میں جانتا ہوں کہ یہ سچے ہیں۔ لیکن یہ قصیٰ کی اولاد میں سے ہیں۔ قصیٰ کے لوگوں نے کہا ہم غلاف کعبہ چڑھاتے ہیں (یعنی کعبہ پر غلاف چڑھانا اور اسکے انتظامات کرنا)۔ ہم مشاورت کے لئے ندوہ کو منظم رکھتے ہیں (ندوہ یعنی دارلمشاورت، جس کا انتظام قریش کے سپرد تھا)۔ ہمارا لواء ہے (یعنی قومی پرچم اٹھانے والے بھی وہی تھے)۔ ہم میں سقایہ ہے (یعنی حاجیوں کو پانی پلانے کی خدمت بھی ان کے سپرد تھی)۔ پھر انہوں نے کہا کہ ہم میں اللہ کا نبی (خاتم النبیین ﷺ) ہوگا۔ میں نے کہا ہم چاروں باتوں کو تسلیم کرتے ہیں لیکن اللہ کی قسم ہم پانچویں دعویٰ کو ہرگز نہ مانیں گے (یعنی وہ جان گئے تھے کہ بنی عبدمناف کا یہ دعویٰ بھی سچ ہے لیکن جان بوجھ کر نہ مانے)۔"

مسلم نے حضرت ابوذر غفاریؓ سے روایات کیا ہے کہ میرا بھائی انیس مکہ گیا تھا۔ اس نے آکر مجھے بتایا کہ "میں نے حرم میں ایک شخص سے ملاقات کی۔ جو کہتا ہے کہ مجھے اللہ نے بھیجا ہے۔" میں نے پوچھا "لوگ اس کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟" انہوں نے جواب دیا "لوگ اس کو ساحر، کاہن اور شاعر کہتے ہیں۔" انیس شعر وادب میں پاکیزہ ذوق رکھتا تھا۔ دنیائے عرب اس کی اس حیثیت کو تسلیم کرتی تھی۔ نیز وہ بڑا سمجھدار، فہم وادراک والا شخص تھا۔ لہذا اس نے خود اس کا تاثر لیا (کہ وہ کیسے شخص ہیں)۔ پھر اس نے کہا "میں نے کاہنوں کو بہت قریب سے دیکھا ہے۔ وہ کاہن نہیں ہیں۔ میں نے ان کا کلام بھی سنا ہے۔ وہ کلام جو ان پر نازل ہوا ہے، ادب وشعر کے اصناف میں سے کسی صنف سے تعلق نہیں رکھتا۔ اس وجہ سے میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ وہ سچے ہیں۔ بدگو لوگ متعصب اور جھوٹے ہیں۔"

ابونعیم نے زہری سے روایت کیا ہے کہ اسعد بن زرارہ نے بیعت عقبہ کے دن حضرت عباسؓ سے کہا "ہم نے قریب وبعید اور ذی رحم رشتہ کو چھوڑ دیا اور ہم گواہی دیتے ہیں کہ محمد رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ اللہ عزوجل کے بھیجے ہوئے ہیں۔ وہ دروغ گو نہیں ہیں اور یہ کہ جو کلام آپ خاتم النبیین ﷺ لائے ہیں اس کے مشابہ کسی بشر کا کلام نہیں ہوسکتا۔"

ابونعیم نے بہ طریق ابن اسحاق روایت کیا ہے کہ انہوں نے کہا کہ بنی سلمہ کے ایک شخص نے بیان کیا کہ جب میرے قبیلے کے لوگ اسلام لائے تو عمرو بن الجموح نے اپنے بیٹے سے کہا کہ تو نے جو کلام سنا ہے اس میں سے کچھ مجھے سناؤ۔ تو بیٹے نے عمرو کو الحمدللہ رب العالمین سے صراط مستقیم تک پڑھ کر سنایا۔ اس پر عمرو نے حیرت سے کہا: "کس قدر حسین وجمیل کلام ہے۔"

ابن سعد نے شعبی وزہریؒ وغیرہ سے روایت کیا کہ رسول پاک خاتم النبیین ﷺ کی خدمت میں قیس سلیمی آیا اور اس نے رسول پاک خاتم النبیین ﷺ سے کلام الٰہی سننے کی درخواست کی۔ پھر اس نے کلام الٰہی سننے کے بعد کچھ سوالات کئے۔ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے اس کے سوالات کے جوابات دیئے۔ اس کے بعد وہ اسلام لے آیا۔ اور پھر بنوسلیم سے واپس جا کر کہا: "اے لوگو! میں نے روم وایران کا ادب لطیف، عرب شعراء کی تخلیقات، کاہنوں کی کہانت اور حمیر کے

مقالات اور کلام کو سنا ہے۔لیکن ان سب کا کلام محمد خاتم النبیین ﷺ کے کلام کی حکمت وحسن سے قطعاً مناسبت نہیں رکھتا۔لہذا میرا مشورہ قبول کرو تو رسول پاک خاتم النبیین ﷺ کی اطاعت میں خود کو دے دو اور ان پر نازل کردہ کلام سے استفادہ کرو۔"

پھر بنی سلیم کے لوگ فتح مکہ کے سال نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔انہوں نے اسلام قبول کیا۔ایک قول کے مطابق وہ ایک ہزار لوگ تھے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ "قرآن کریم اس کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔" (مفہوم: سورہ الانعام، آیت نمبر 4-سورہ یٰس، آیت نمبر 46)

اہل عرب فصیح وبلیغ، انشا پرداز اور شاعر تھے۔اور ان کو اپنی اس صفت پر بڑا غرور گھمنڈ تھا۔لیکن وہ قرآن پاک کے مقابلہ میں کوئی ایک سورۃ نہ بنا سکے۔انہوں نے اللہ تعالیٰ کے نور کو بجھانے کی ہر ممکن کوشش کی لیکن وہ سارے زبان آور عاجز ہی رہے۔

کلام الٰہی میں (قرآن پاک کی) ایک بات یہ بھی ہے مخالفوں اور منکروں پر اس کے سنتے وقت ایک خوف اور ایک ہیبت طاری ہو جاتی ہے۔

حضور پاک خاتم النبیین ﷺ مغرب کی نماز جہری میں سورۃ طور کی آیت نمبر 37-35 تلاوت فرما رہے تھے:

ترجمہ:" کیا یہ لوگ بغیر کسی خالق کے خود بخود پیدا ہو گئے ہیں؟ یا یہ خود اپنے خالق ہیں۔یا انہوں نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے؟ بلکہ یہ لوگ یقین نہیں لاتے۔کیا ان لوگوں کے پاس تمہارے رب کے خزانے ہیں؟ یا یہ لوگ خود حاکم ہیں؟ "

حضرت جبیرؓ فرماتے ہیں "اس کلام الٰہی کو سن کر ایسا محسوس ہوتا تھا کہ شاید میرا دل پارہ پارہ ہو جائے گا اور یہی موقعہ تھا کہ اسلام کی صداقت میرے دل میں جاگزیں ہو گئی"۔

مشرکین عرب میں نزول قرآن کے وقت بڑے بڑے خطیب ماہرین زبان اور زبردست بلیغ وفصیح کاہن موجود تھے۔اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید، سورۃ بنی اسرائیل، آیت نمبر 88 میں ارشاد فرمایا:

ترجمہ: "اے نبی کہہ دیجئے کہ اگر انسان اور جن مل کر بھی اس قرآن کی مثل لانے کی کوشش کریں تو اس کی مثل نہ لا سکیں گے۔اگرچہ وہ ایک دوسرے کی آپس میں مدد کریں۔"مزید فرمایا: (سورہ طور، آیت نمبر 34)

ترجمہ:"تو قرآن کی مانند ایک ہی بات (آیت) لے آؤ اگر تم سچے ہو۔"

کلام الٰہی (قرآن پاک) نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کا ایک معجزہ نہیں بلکہ یہ رہتی دنیا تک معجزوں کا مجموعہ ہے۔

امام بخاری نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا:"انبیاء کرام علیہ السلام میں سے ہر نبی کو جو شے (کتاب وشریعت) دی گئی وہ اس دور کے انسانوں کے لئے اور ان کے حال کے مطابق تھی۔بلاشبہ مجھے وہ چیز دی گئی ہے (قرآن) جو وحی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے میری طرف بھیجا ہے میں امید رکھتا ہوں کہ میری اتباع کرنے والے ان سے زیادہ ہوں گے"۔

علماء کرام نے اس حدیث کا یہ مطلب کیا ہے کہ تمام انبیاء کرام علیہ السلام کو جتنے بھی معجزات دئے گئے تھے۔وہ ان کے زمانے کے ختم ہونے کے بعد خود بخود ختم ہو گئے۔اور ہر نبی کو عطا کردہ معجزات کا مشاہدہ اسی نبی کی امت نے کیا (جو اس کے زمانے میں موجود تھی) لیکن قرآن پاک کے معجزات قیامت تک قائم رہنے والے ہیں۔اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ خاتم النبیین ﷺ کو تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔اور آپ خاتم النبیین ﷺ کی شریعت کو قیامت تک کے لئے بھیجا گیا ہے۔اب تک کوئی زمانہ ایسا نہیں گزرا کہ جس کی بابت قرآن پاک نے کوئی خبر دی ہو کہ آئندہ ایسا ہو گا اور وہ خبر ویسے ہی واقع نہ ہوئی ہو۔(یعنی قرآنی خبروں کے مطابق واقعات ظہور میں آتے رہتے ہیں) اور انشاء اللہ آئندہ بھی ایسا ہی ہوتا رہے گا۔

بعض علماء نے حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے ارشاد مبارک کے یہ معنی بیان کئے ہیں کہ سابقہ انبیاء کرام علیہ السلام کے معجزات حسّی تھے وہ نگاہوں سے مشاہدہ میں آئے۔جیسے حضرت موسیٰ کا عصا مبارک، حضرت صالح کی اونٹنی وغیرہ جبکہ قرآن پاک کے معجزات نگاہوں سے نہیں بلکہ بصیرت سے مشاہدہ کئے جا سکتے ہیں۔صرف صاحب بصیرت ہی اس کلام الٰہی کے اعجاز کو جان سکتے ہیں۔پس جو لوگ قرآن شریف کا مطالعہ بصیرت سے کرتے ہیں، جو غور کرتے اور تدبر کرتے ہیں۔وہ اس کلام الٰہی کا، اس کے لانے والے کا اتباع بھی بصیرت سے کرتے ہیں۔

نبی کریم خاتم النبیین ﷺ پر نبوت ختم ہوگئی ہے۔آپ خاتم النبیین ﷺ ہیں اس لئے جولوگ بصیرت سے اتباع کرتے رہیں گے۔روزمحشران کی تعداد دوسرے لوگوں سے زیادہ ہوگی۔

ابونعیم نے بہ طریق یوسف بن عبداللہ بن سلام سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا میں نے جتنی کتابیں پڑھی ہیں (کتب سماوی) ان میں سے ہرایک میں یہ تھا:''ایک علم صاحب علم کے ساتھ اتارا جائے گا۔اس صاحب علم کے ساتھ اللہ ہوگا۔اوراس علم کواللہ تعالیٰ تمام لوگوں اورتمام قوموں پر غالب فرمائے گا''۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا:

''انسانوں کی پیدائش سے پہلے (ایک ہزارسال قبل) اللہ تعالیٰ نے سورۃ یٰس اورسورۃ طٰہٰ کی خودتلاوت فرمائی-تمام فرشتے اس کلام کوسن کر سکتے میں آ گئے۔آسمانوں اور زمین پر سناٹا چھا گیا-جب تلاوت مبارکہ ختم ہوئی تو فرشتوں نے کہا **''کیا شان ہوگی اس امت کی جس پر یہ کلام اتارا جائے گا؟ کیسے ہوں گے وہ لوگ جو اس کلام کی تلاوت کریں گے؟ کتنے خوش قسمت ہوں گے وہ لوگ جو خالق کائنات کے اس کلام کو پڑھا کریں گے؟ کیسے ہوں گے وہ لوگ جو اس کلام کو اپنے سینوں میں محفوظ کریں گے؟ کتنے خوش قسمت ہوں گے وہ لوگ جن کے سینے خالق کائنات کے کلام کے امین ہوں گے''**؟ (رواہ الدارمی ومحمد بن اسحاق بن خزیمہ فی کتاب التوحید، باب فی فَضْلِ سُورَۃ طٰہٰ ویٰس)

تو اللہ تعالیٰ کا یہ کلام جس کی حقانیت پر مشرکین مکہ، کافر، کاہن، بت پرست، نجومی سب یقین رکھتے تھے۔جس کے اعلیٰ اورارفع ہونے پر فرشتوں کو حیرت وسکتہ ہوا۔وہ کلام آج امت محمدی خاتم النبیین ﷺ کے ہاتھوں میں ہے۔لیکن آج کے اس قرب قیامت کے دور میں شیطان نے بڑی ہی خوبصورتی سے اس کی اصلیت کو چھپا کر لوگوں کو اتنا سمجھا دیا ہے کہ بس اس کو پڑھ لینا کافی ہے اس کو سمجھنے کی ضرورت میں اپنا ٹائم ضائع نہ کرو۔کیونکہ اس طرح پھر فلاں فلاں علوم (دنیاوی علوم) کو کس وقت سیکھا جائے گا؟

آج دنیا بھر کے علوم سیکھنے کا وقت ہم کسی نہ کسی طریقے سے نکال ہی لیتے ہیں۔لیکن کلام الٰہی کا صرف ناظرہ پڑھنا ہی کافی سمجھتے ہیں۔ہمارے لئے ہماری پوری شریعت کلام الٰہی میں بھیجی گئی ہے اس لئے جب تک اس کے معنی اور مطلب کو نہ سمجھیں گے اس وقت تک مقصد زندگی واضح نہیں ہوگا۔اور جب اس دنیا میں آنے کا مقصد ہی ہم نہ سمجھ پائے تو زندگی گزارنا صرف اور صرف چوپایوں کی طرح زندگی گزارنا ہوگا۔پڑھے لکھے چوپائے جو اگلی زندگی کے لئے کچھ نہ لے جاسکیں گے۔

اللہ ہمیں معاف فرمائے اورہم سب کو دین کی سمجھ اورفہم عطا فرمائے-(آمین)

**********

# کلام الٰہی کی آفاقیت

حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ کی بعثت سے قبل مذہب کا تصور یہ تھا کہ "مذہب دنیاوی زندگی کے ساتھ ایک ضمیمہ کی سی حیثیت رکھتا ہے"، اور اس کا زیادہ تر تعلق اُخروی زندگی سے ہے گویا مذہب کا تعلق اس وقت اس رشتہ سے تھا جو انسان اور اس کے معبود کے درمیان ہے۔ جس شخص کو نجات کے بلند مراتب حاصل کرنا ہوں وہ دنیاوی زندگی کے تمام شعبوں سے بے نیاز ہو کر صرف مذہب کا ہو کر رہ جائے اور جس شخص کو صرف نجات مطلوب ہو، اس کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ مذہب کو دنیاوی زندگی کے ساتھ بطور ضمیمہ لگائے رکھے۔ مذہب کا یہ تصور رکھنے والے گویا مذہب اور دنیا کو الگ الگ چیزیں سمجھتے ہیں۔

قرآن مجید نے انسان کو یہ تصور دیا ہے کہ دین اور دنیا دو مختلف چیزیں نہیں ہیں۔ دین اور دنیا کے لئے قرآن پاک فلاح و بہبود کے راستے متعین کرتا ہے، اور اُخروی زندگی میں نجات حاصل کرنے کے ذرائع فراہم کرتا ہے۔ قرآن مجید تمام بنی نوع انسانوں کے لئے راہ ہدایت ہے اور اس سے ہر انسان استفادہ حاصل کر سکتا ہے۔ یہ کسی خاص فرقہ، گروہ، قوم یا نسل کے لئے مخصوص نہیں ہے بلکہ اس میں اصول و قواعد و قوانین پیش کئے گئے ہیں۔ جن پر عمل کر کے انسان اپنی اس دنیا کی زندگی اور آخرت کی زندگی میں کامیابی اور کامرانی حاصل کر سکتا ہے۔ قرآن تمام دنیا کے لوگوں کو دعوت دیتا ہے کہ وہ اس کے دستور العمل کو اپنا کر خوش حال اور کامیاب زندگی بسر کریں۔

قرآن مجید انسانی زندگی کے تمام شعبوں پر حاوی ہے۔ یہ وہ نظریہ حیات ہے جو انسانی زندگی کے ہر مسئلے کا تصفیہ کرتا ہے۔ قرآن انسان پر واضح کرتا ہے کہ انسان پر اللہ تعالیٰ کے کیا حقوق ہیں؟ خود اس کے اپنے نفس پر کیا حقوق ہیں؟ ماں باپ، بیوی بچے، عزیز و اقارب، رشتہ دار، پڑوسی، ہم مذہب، غیر مذہب، دشمنوں کے، دوستوں کے، ساری بنی نوع انسان کے، حتیٰ کہ کائنات کی ہر چیز اور ہر قوت کے کیا حقوق ہیں؟۔ قرآن مجید ان تمام حقوق کے درمیان کامل توازن اور عدل قائم کرتا ہے۔

قرآن مجید تمام روئے زمین پر بسنے والوں کو بتاتا ہے کہ اس زمین اور پوری کائنات کا اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی مالک نہیں ہے۔ مالک حقیقی صرف اسی کی ذات ہے جس نے تمام مخلوقات کو پیدا کیا، وہی مقتدار اعلیٰ ہے۔ اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کی نیابت کے (خلافت کے) فرائض صرف وہی ادا کر سکتا ہے جو اعمال و کردار میں سب سے بہتر اور برتر ہو۔ اور جس کو اللہ تعالیٰ اپنا نمائندہ یعنی نبی یا رسول بنا کر بھیجے۔ اللہ تعالیٰ اپنے احکام اس نبی یا رسول کے ذریعے انسانوں تک پہنچاتا ہے۔ سب سے آخری نبی حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ ہیں، جن پر وحی کے ذریعے قرآن پاک کی صورت میں اللہ تعالیٰ نے انسان کی بہتری کے لئے اپنے احکام نازل فرمائے۔ لہٰذا ہر انسان کا فرض ہے کہ وہ اپنی بہتری کے لئے ان احکام پر عمل کرے۔

المختصر یہ کہ قرآن کا نظام زندگی کا لائحہ عمل فراہم کرتا ہے۔ یہ انسانوں کے لئے صحیفہ ہدایت ہے، قرآن بنی نوع انسان کو عقل و بصیرت سے کام لینے اور ذہن و بصیرت کو صرف کرنے کی دعوت دیتا ہے۔ اس کی تعلیم ابدی اور عالمگیری ہے، اس کی آفاقیت اس کی ابدیت کی دلیل ہے۔

فرمان الٰہی ہے (سورۃ القلم، آیت نمبر 52)

وَمَا هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝

ترجمہ: "درحقیقت یہ (قرآن) تو تمام جہان والوں کے لیے سراسر نصیحت ہی ہے"۔

**********

# حقیقی رہنما (قرآن پاک)

قرآن ہر شخص کے لئے رہنما ہے اس کا استاد اور مربّی ہے۔ اس لئے اس کو سمجھنے کی بڑی اہمیت ہے ورنہ اس کی حیثیت ایک مقدس دستاویز سے زیادہ نہیں ہوگی۔ دل و دماغ کو قرآن کے مطابق کھولنے میں ذاتی کوششوں کی اہمیت خود قرآن نے وضاحت سے بیان کردی ہے: (سورۃ محمد، آیت نمبر 24)

اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُھَا

ترجمہ: ''کیا ان لوگوں نے قرآن پر غور نہیں کیا یا ان کے دلوں پر قفل چڑھے ہوئے ہیں؟''

اس لئے قرآن پر غور و فکر کے لئے تدبُّر و تفکر کی دعوت قرآن کے ہر صفحے پر موجود ہے۔ ''تم سنتے کیوں نہیں؟'' ''تم سوچتے کیوں نہیں؟'' ''تم عقل سے کام کیوں نہیں لیتے؟'' ''تم تدبر کیوں نہیں کرتے؟''

اگر یہ دعوت ہر اُس انسان کے لئے نہیں جو سننے، دیکھنے اور سوچنے کی صلاحیت رکھتے ہیں تو پھر یہ دعوت کس کے لئے ہے؟

سورۃ ص، آیت نمبر 29 میں فرمان الٰہی ہے:

کِتٰب'' اَنْزَلْنٰهُ اِلَیْکَ مُبٰرَک'' لِّیَدَّبَّرُوْٓا اٰیٰتِهٖ وَلِیَتَذَکَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ

ترجمہ: ''یہ ایک بڑی برکت والی کتاب ہے جو اے نبی خاتم النبیین ﷺ ہم نے تمہاری طرف نازل کی ہے تاکہ یہ لوگ اس کی آیات پر غور کریں اور عقل و فکر رکھنے والے اس سے سبق لیں''۔

پھر ان لوگوں کو حیوانات سے بدتر قرار دیا ہے جو اپنی آنکھوں، کانوں اور قلوب کو دیکھنے، سننے اور غور فکر کرنے لے لئے استعمال نہیں کرتے۔

سورۃ الاعراف، آیت نمبر 179 میں فرمان الٰہی ہے:

لَھُمْ قُلُوْبٌ لَّا یَفْقَھُوْنَ بِھَا وَ لَھُمْ اَعْیُنٌ لَّا یُبْصِرُوْنَ بِھَا وَ لَھُمْ اٰذَانٌ لَّا یَسْمَعُوْنَ بِھَا اُولٰٓئِکَ کَالْاَنْعَامِ بَلْ ھُمْ اَضَلُّ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْغٰفِلُوْنَ

ترجمہ: ''ان کے پاس دِل ہیں مگر وہ ان سے سوچتے نہیں ، ان کے پاس کان ہیں مگر وہ ان سے سنتے نہیں ۔ان کے پاس آنکھیں ہیں مگر وہ ان سے دیکھتے نہیں۔ یہ جانوروں کی طرح ہیں بلکہ یہ جانوروں سے بھی گئے گزرے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو غفلت میں ڈوبے ہوئے ہیں ۔''

اس لئے جب تک ہم قرآن کے معنی نہ سمجھیں جب تک یہ جاننے کی کوشش نہ کریں کہ اللہ ہم سے کیا کہہ رہا ہے اور یہ جاننے کی ذاتی طور پر کوشش نہ کریں، ہم قرآن کے حقیقی خزانے اور عظیم برکت کو حاصل کر ہی نہیں سکتے۔

☆ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے نزدیک قرآن پاک کو سمجھنا ایمان کی علامت ہے۔

☆ایک دفعہ حضرت انس بن مالکؓ نے کہا'' اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص قرآن پڑھتا ہے لیکن قرآن اس پر لعنت کرتا ہے کیونکہ وہ اسے سمجھتا ہی نہیں، بے دھیانی سے پڑھے جاتا ہے''۔

☆ حضرت علیؓ کا قول ہے ''جس نے قرآن پاک کے پڑھتے ہوئے غور نہ کیا جائے اس کے پڑھنے میں کوئی خیر نہیں''۔

☆ابوسلیمان دارائی کہتے ہیں کہ ''میں ایک آیت تلاوت کرتا ہوں اور 5،4 راتیں اس کے ساتھ بسر کرتا ہوں۔ اگلی آیت پر اس وقت تک نہیں آتا جب تک کہ زیرِ غور آیت پر اپنا تدبر مکمل نہیں کر لیتا۔''

ظاہر ہے کہ اگر قرآن پاک ہر شخص کے لیے راہ ہدایت ہے تو جس طرح ایک عالم فاضل اس سے ہدایت پانے کا استحقاق رکھتا ہے، اسی طرح ایک عام بندہ بھی ہدایت کا مستحق ہے۔ اساتذہ یا کتابیں نہ ہوں تب بھی اس کا مفہوم واضح طور پر سمجھ آنا چاہیے۔ لیکن اس کو سمجھنے کے لئے اجتماعی طور پر یا انفرادی طور پر ہر سیکھنے والے کو اس پر وقت لگانا چاہئے تاکہ اس کا فہم حاصل ہو سکے۔ اور جان سکیں کہ ہمارا رب اب ہم سے کیا کہہ رہا ہے؟ کن باتوں کو کرنے کا حکم دے رہا ہے؟ کن باتوں سے روک رہا ہے ؟ کن لوگوں کو پسند فرما رہا ہے اور کن لوگوں کو ناپسند فرما رہا ہے؟

ہم قرآن پاک میں تذکر اور تدبر کرنے کو کہہ رہے ہیں۔ تزکر اور تدبر کیا ہے؟

## فہم قرآن:

### قرآن پاک کو سمجھنا

اللہ تعالیٰ قرآن پاک سورۃ ص، آیت نمبر 29 میں فرماتا ہے:

کِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ

ترجمہ: ''(اے محمد خاتم النبیین ﷺ) یہ مبارک کتاب تم پر اسی لئے اتاری گئے ہے تا کہ لوگ اس کی آیات پر غور کریں اور عقل وفکر رکھنے والے اس سے سبق حاصل کریں۔''

### فہم کے درجات:

ہم قرآن کے مطالبے کو قرآن کی درج ذیل آیت کے مطابق دو درجوں میں تقسیم کرتے ہیں۔تذکر اور تدبر۔

## 1) تذکر:

### تذکر کیا ہے؟

قرآن پاک میں لفظ تذکر کثرت سے استعمال ہوا ہے۔اس کا مختلف طرح سے ترجمہ کیا گیا ہے۔مثلاً متنبہ ہونا،نصیحت پانا، باور کرنا،سبق حاصل کرنا،دل پر اثر لینا۔ تذکر کرنے سے وہ عمل مراد لیا جاسکتا ہے جس میں ہم قرآن پاک کے پیغام اور اس کی تعلیمات کو گرفت میں لینے کی کوشش کرتے ہیں۔تا کہ ہم اس کا مطلب اور اس کا تقاضہ جان سکیں۔اور اس کے مطابق عمل کرنے کا عزم ہو اور پھر آخیر میں یہ متعین کیا جائے کہ اس سے انسانیت کو کیا پیغام پہنچانا ہے؟

**''تذکر'' فہم کی ایسی قسم ہے جسے اپنی اصل نوعیت کے حوالے سے حصول علم کے اعلیٰ درجے کی حاجت نہیں ہے۔**

ہمیں ہر لفظ کے معنی معلوم نہ ہوں لیکن مجموعی پیغام خصوصاً وہ پیغام جو ہمارے لئے ہے کہ زندگی کیسے گزاری جائے؟ واضح اور روشن ہو کر سامنے آجائے۔

قرآن پاک کو سب سے پہلے سننے والوں نے اس کو سب سے زیادہ سمجھا اور اس سے سب سے زیادہ فائدہ اٹھایا۔یہ لوگ تاجر، کاشت کار،گلہ بان،شتر سوار اور بدو تھے۔یہ لوگ تفاسیر،لغت اور صرف ونحو کو نہ جانتے تھے، نہ انہیں فلسفہ،تاریخ،جغرافیہ،عمرانیات اور فطری علوم پر دسترس حاصل تھی۔مگر اس کے باوجود یہ لوگ قرآن سمجھنے میں سب سے زیادہ کامیاب تھے۔اس لئے کہ انہوں نے قرآن کے پیغام کو دل سے قبول کیا تھا اور زندگیوں کو قرآن کے مطابق ڈھال لیا تھا۔انہوں نے آیات پر غور کیا اور عمل کیا۔اور اس لئے فہم کی یہ قسم ہر اس شخص کو کامیاب بنا دیتی ہے جو اس کی کم از کم ضروری شرائط پوری کرتا ہے،اس کو سمجھنے کی کوشش کرتا ہے۔جبکہ باری تعالیٰ خود قرآن میں واضح طور پر اعلان کرتا ہے کہ اسے سمجھنا آسان ہے، اگر کوئی صرف سمجھ کر پڑھے اور غور کرے۔

یہ وہ بات ہے یا یہ وہ تذکر ہے جس کی طرف قرآن ہر دیکھنے والے سننے والے اور سوچنے والے کو دعوت دیتا ہے۔مندرجہ ذیل آیات اس مفہوم میں ہیں:

سورۃ قمر، آیت نمبر 17

**ترجمہ:** ''ہم نے اس قرآن کو نصیحت کے لئے آسان ذریعہ بنا دیا ہے پھر کیا ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا؟''

سورۃ دُخان، آیت نمبر 58

**ترجمہ:** ''ہم نے اس کتاب کو تمہاری زبان میں سہل بنا دیا ہے تا کہ یہ لوگ نصیحت حاصل کریں''۔

سورۃ زمر، آیت نمبر 27

**ترجمہ:** ''ہم نے اس قرآن میں لوگوں کو طرح طرح کی مثالیں دیں تا کہ یہ ہوش میں آجائیں۔''

سورۃ ق، آیت نمبر 37

**ترجمہ:** ''اس تاریخ میں عبرت کا سبق ہے ہر اس شخص کے لئے جو دل رکھتا ہو توجہ سے سننے والا ہو۔''

**''تذکر''** قرآن کا اصل اور بنیادی مقصد ہے۔یہ فہم کی کوئی نچلی سطح نہیں ہے بلکہ یہ انسان کی آسان اور ذاتی کوشش ہے۔اس ذاتی کوشش سے ایسے جو ہر حاصل ہوتے ہیں جو کبھی ختم نہیں ہوتے۔لیکن یہ جو ہر کوشش کرنے والوں کو حاصل ہوتے ہیں۔

## 2) تدبُّر:

### تدبر کیا ہے؟

فہم کا دوسرا درجہ تدبر ہے۔ اِس کا مطلب یہ ہے کہ ہم ہر لفظ، ہر آیت اور سورۃ کے مکمل معنی معلوم کرنے کی کوشش کریں۔ اہم لفظ اور تشبیہات اور مثالوں میں پنہاں مکمل معنی دریافت کریں۔ مرکزی موضوعات کا تعین کریں۔ شانِ نزول، تاریخی پس منظر، اور ترجمہ و معنی۔ یعنی لُغت کی باریکیوں میں جائیں۔ اس کے ساتھ ساتھ مختلف تفاسیر کا تقابلی مطالعہ کریں۔ پھر یہ کہ ہم بندوں، اپنے رب، دوسرے انسان، خود اپنے آپ اور اردگرد کی دنیا سے تعلق رکھنے کے تمام قوائد وضوابط کو سمجھیں۔ اس طرح کے مطالعہ کے لئے قرآن پاک کے مختلف علوم کا وسیع اور گہرا علم درکار ہوگا۔

### اجتماعی مطالعہ:

فہم قرآن کی جستجو میں ضروری ہے کہ ہم حق کے متلاشی دوسرے افراد کے ہمراہ شریکِ سفر بن جائیں۔

یہ تو ضروری ہے کہ ہم انفرادی طور پر قرآن مجید کا مطالعہ کرتے رہیں , لیکن اگر ہم قرآن پاک کے مفہوم اور مطالب کی تلاش اور جستجو کرنے والے دوسرے اہل ایمان کے ساتھ مل کر اجتماعی مطالعہ کرتے ہیں تو قرآن پاک سے استفسار کرنے کے ثمرات دگنے ہوجاتے ہیں۔ جس طرح باہمی رفاقت میں ہم قرآن کے زیر سایہ زندگی بسر کرتے ہیں، اسی طرح باہمی رفاقت میں قرآن پاک کے تقاضے پورے کرنے کا مرحلہ بھی آسانی سے طے ہوجاتا ہے۔ ویسے بھی قرآن پاک کا تخاطب خصوصیت کے ساتھ اجتماعیت یا جماعت سے ہے۔

نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے نزول قرآن کے ساتھ ہی ایک اپنی جماعت قائم کرنے کی کوشش شروع کردی تھی۔ جس کا مرکز اور غور قرآن پاک ہو۔

**اقراء** کے حکم کے ساتھ ہی **قُم فَانذِر** (اٹھو اور ڈراؤ) کا حکم بھی نازل ہوگیا تھا۔

اسی طرح جہاں یہ حکم نازل ہوا: ''اے نبی (خاتم النبیین ﷺ)! تمہارے رب کی کتاب میں سے جو کچھ تم پر وحی کیا گیا ہے اس کی تلاوت کرو (پڑھو اور پڑھاؤ)''۔

(سورۃ الکہف، آیت نمبر 27) تو سورۃ الکہف کی آیت نمبر 28 میں یہ حکم بھی نازل ہوا:

**ترجمہ:** ''اور اپنے آپ کو (اپنے دل کو) ان لوگوں کے پاس بیٹھنے کا پابند کیجئے جو اپنے رب کی رضا کے طلبگار بن کر صبح وشام اسے پکارتے ہیں اور ان سے ہرگز نگاہ نہ پھیریئے''۔

قرآن پاک کی یہ آیت واضح اور موثر انداز میں قرآن پاک کی تلاوت اور ایک متحد اور مربوط گروہ (معاشرہ) قائم کرنے کے درمیان ربط قائم کررہی ہے۔ قرآن پاک کی دعوت کو سارے انسانوں تک پہنچانے کا تقاضہ بھی یہی مطالبہ کرتا ہے کہ قرآن کو اجتماعی طور پر پڑھا اور سمجھا جائے۔

### حدیث:

### نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا:

ترجمہ: ''جو لوگ اللہ کے گھروں میں جمع ہوتے ہیں، قرآن مجید کی تلاوت کرنے اور اس کو ایک دوسرے کے ساتھ مل کر پڑھنے اور پڑھانے کے لئے، ان پر برکت نازل ہوتی ہے۔ رحمت ان کے گھیر لیتی ہے۔ فرشتے ان پر سایہ کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنی محفل میں (فرشتوں) سے اُن کا ذکر کرتا ہے''۔ (مسلم شریف)

### تلاوت:

قرآن کے پڑھنے کے عمل کو تلاوت کہا جاتا ہے۔ کوئی ایک لفظ تلاوت کا مکمل معنی بیان نہیں کرسکتا۔

**بنیادی طور پر تلاوت کا مفہوم یہ ہے:** پیچھے، قریب ہی حرکت کرنا، آگے بڑھنا، ایک ترتیب میں بہنا، تلاش میں جانا، کسی نمونے کو اپنا رہنما، استاد اور قائد ماننا، کسی کو صاحب اختیار تسلیم کرنا، کسی مقصد کو اپنانا، کسی بات پر عمل کرنا، کسی کے پیچھے چلنا، زندگی کے کسی راستے کو اختیار کرنا، کسی سلسلہ فکر کو سمجھنا اور اس کا اتباع کرنا یا اُس کے پیچھے پیچھے چلنا۔

اس لئے جو لوگ قرآن پر ایمان کا دعویٰ کرتے ہیں وہ اس سے اپنا تعلق پڑھنے، سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کے حوالے سے قائم کرتے ہیں۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ تلاوت ایک ایسا عمل ہے جس میں ہماری پوری شخصیت روح، جسم، دل، دماغ اور زبان سب حصہ لیتے ہیں۔ یعنی ہمارا پورا وجود اس

میں شریک ہوتا ہے یعنی قرآن پاک کے تلاوت کرتے وقت جسم، دماغ، عقل واحساس کی تمیز ختم ہوجاتی ہے۔ یہ سب ایک ہوجاتے ہیں۔

زبان تلاوت کرتی ہے، ہونٹوں سے الفاظ ادا ہوتے ہیں، ذہن غور وفکر کرتا ہے، دل اثر قبول کرتا ہے، روح جذب کرتی ہے، آنکھیں آنسو بہاتی ہیں ،دل لرزتا ہے، کھال کانپتی ہے اور پھر یہ کھال دل کی طرح نرم ہوجاتی ہے۔ دونوں کا الگ الگ وجود نہیں رہتا۔ حتیٰ کہ ہمارے بال بھی کھڑے ہوجاتے ہیں۔

اس بارے میں قرآن پاک میں سورۃ زمر، آیت نمبر 23-22 میں فرمان الہیٰ ہے :

**ترجمہ:** ''وہ اپنے رب کی طرف سے ایک روشنی پر چل رہا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت ہے، اس سے وہ جسے چاہتا ہے راہ راست پر لے آتا ہے۔''

قرآن پاک کی اس طرح تلاوت، جیسا کہ تلاوت کرنے کا حق ہے آسان کام نہیں ہے۔ مگر یہ بہت مشکل یا ناممکن بھی نہیں ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو قرآن پاک ہم جیسے عام لوگوں کے لئے نہ ہوتا۔ مگر ظاہر ہے اس میں دل ودماغ کو، جذبہ وعقل کو اور جسم وروح کو کچھ مشقت پیش آتی ہے۔

**قرآن کی دنیا میں اٹھنے والا ہر قدم اور قرآن کے ساتھ گزرنے والا ہر لمحہ ہمیں ایک عظیم الشان بلندی کی طرف لے جائے گا۔ اور پھر ہم اس طاقت اور اُس گرفت میں آجائیں گے جو قرآن میں زندگی کی طرح دوڑتا ہے۔**

**حدیث:**

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص ؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا:

''قرآن کے ساتھی سے کہا جائے گا تلاوت کرو اور بلندی کی طرف جاؤ، اتنی ہی سہولت سے جتنی سہولت سے تم دنیا میں قرآن پاک کی تلاوت کرتے تھے۔ تمہارا آخری مسکن وہ بلندی ہے جہاں تم آخری آیت کی تلاوت کے وقت پہنچ جاؤ گے''۔ (ابوداؤد، ترمذی، احمد، نسائی)

ہمیں تلاوت قرآن کی برکتیں اور مسرّتیں مکمل طور پر اس وقت حاصل ہوں گی جب ہم اس کام میں اپنے قلب کو مکمل طور پر شامل کرلیں گے۔

قرآنی لغت میں قلب ہمارے جسم کا صرف ایک لوتھڑا نہیں بلکہ ہمارے احساسات، جذبات، محرکات، تمناؤں، آرزوؤں، یادوں اور توجہات کا مرکز ہے۔

قرآن پاک میں ہمیں صاف بتادیا گیا ہے کہ ہم درحقیقت دل کے معاملات کے لئے جواب دہ ہوں گے۔ جو اللہ کے حضور قلبِ سلیم لے کر آئے گا، وہ نجات کا مستحق قرار پائے گا۔

قرآن پاک میں سورۃ بقرہ، آیت نمبر 225 میں فرمان الہیٰ ہے:

**ترجمہ:** ''جو بے معنی قسمیں تم کھاتے ہو (یعنی بلا ارادہ کھالیا کرتے ہو) اس پر اللہ تعالیٰ گرفت نہیں کرے گا۔ مگر جو قسمیں تم سچے دل سے کھاتے ہو۔ اس کی باز پرس وہ ضرور کرے گا''۔

سورۃ الشعراء، آیت نمبر 88، 89 میں فرمان الٰہی ہے:

**ترجمہ:** ''جس دن نہ مال کوئی فائدہ دے گا نہ اولاد، بجائے اس کے کہ کوئی شخص قلب سلیم لئے ہوئے اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہو''۔

جب انسان تلاوت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ سے بات چیت کررہا ہوتا ہے۔ قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ یہ اللہ اور انسان کے درمیان ایک مکالمہ ہے۔ یہ مکالمہ مختلف شکلیں اختیار کرتا ہے۔ یہ مکالمہ واضح بھی ہوسکتا ہے اور مفہوم میں چھپا ہوا (خفی) بھی کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی جواب مضمر (چھپا ہوا) ہو۔

یہ مضمر بات چیت کس طرح ہوتی ہے؟ رسولِ پاک خاتم النبیین ﷺ نے ایک حدیثِ قدسی میں نہایت خوبصورت مثال دی ہے۔

**اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:**

''میں نے نماز کو اپنے اور بندے کے درمیان دو حصوں میں تقسیم کردیا ہے۔ نصف میرے لئے اور نصف اس (بندے) کے لئے۔ میرا بندہ وہ پائے گا جو مانگے گا۔

جب بندہ کہتا ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ اللہ فرماتا ہے میرے بندے نے میری تعریف کی۔

جب بندہ کہتا ہے الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ اللہ فرماتا ہے میرے بندے نے میری عظمت بیان کی۔

جب بندہ کہتا ہے مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے بندے نے میری شان بیان کی۔ یہ میرا حصہ ہے۔

جب بندہ کہتا ہے اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یہ میرے اور میرے بندے کے درمیان ہے، یہ جو مانگے گا اسے دیا جائے گا۔

جب بندہ کہتا ہے اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ اللہ فرماتا ہے یہ میرے بندے کا حصہ ہے۔ میرے بندے کو وہ ملے گا جو اس نے مانگا''۔ (مسلم، ترمذی، احمد)

## ترتیل:

تلاوتِ قرآن ترتیل کے ساتھ کی جائے۔

ہماری زبان کا کوئی ایک لفظ ترتیل کا مکمل مفہوم ادا نہیں کرسکتا۔ عربی زبان میں اس کا مطلب ہے کسی قسم کی جلدی کے بغیر، واضح طور پر، سکون سے نپے تلے لہجے میں، غور و فکر کے ساتھ۔ جس میں زبان، دل اور اعضائے جسمانی سب مکمل طور پر ہم آہنگ ہوں۔

یہ تلاوتِ قرآن کا وہ مطلوب طریقہ ہے جس کی ہدایت اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول خاتم النبیین ﷺ کو بالکل ابتدا میں اس وقت دی جب انہیں رات کا بیشتر حصہ نماز میں کھڑے ہوکر قرآن پڑھنے کا حکم دیا گیا: (سورۃ المزمّل، آیت نمبر 4)

وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلاً

دل کو قرآن پاک کی تلاوت سے جوڑنے اور قوت اور زور پیدا کرنے میں ترتیل کا اہم حصہ ہے۔ ترتیل میں نہ صرف سکون اور جسم و روح کی ہم آہنگی شامل ہے بلکہ ساتھ ہی بعض الفاظ اور آیات کی بار بار تلاوت کی تحریک ہوتی ہے۔ اور جب دل کسی خاص آیت میں جذب ہوکر یک جان ہوتا ہے تو بار بار پڑھتے ہوئے ہر دفعہ ایک نیا ذائقہ اور لطف محسوس ہوتا ہے۔

رسولِ پاک خاتم النبیین ﷺ کے بارے میں روایت ہے کہ آپ خاتم النبیین ﷺ نے ایک بار بِسْمِ اللہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ 20 مرتبہ دہرائی۔ (احیاء العلوم۔ امام غزالیؒ)۔

حدیث پاک ہے کہ ایک دفعہ حضور خاتم النبیین ﷺ پوری رات یہ آیت بار بار پڑھتے رہے: (سورۃ المائدہ، آیت نمبر 118)

اِنْ تُعَذِّبْھُمْ فَاِنَّھُمْ عِبَادُکَ ۚ وَاِنْ تَغْفِرْ لَھُمْ فَاِنَّکَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ

**ترجمہ:** '' اگر آپ (اللہ تعالیٰ) انہیں سزا دیں تو وہ آپ کے بندے ہیں اور اگر آپ انہیں معاف کردیں تو آپ غالب اور دانا ہیں''۔

قرآن پاک کے مطالعے کا آغاز کرتے ہوئے، اختتام پر اور درمیان میں بھی جن الفاظ میں چاہیں اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتے رہیں۔

قرآن پاک سے تعلق کا انحصار کئی عناصر پر ہوتا ہے۔

### 1۔ ایمان:

قرآن کی طرف اس گہرے اور مضبوط تعلق کے ساتھ آئیں جسے ایمان کہتے ہیں۔ پس کہ یہ قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو ہمارا خالق اور مالک ہے۔ اور یہ کہ اس کو پڑھنے یعنی تلاوت کرنے سے ہمارا مقصد اس سے ہدایت لینا ہے۔

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْہِ مِنْ رَّبِّہٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ط کُلٌّ اٰمَنَ بِاللہِ

**ترجمہ:** ''یہ رسول اس ہدایت پر ایمان لائے ہیں، جو ان کے رب کی طرف سے ان پر نازل کی گئی ہے، اور جو لوگ ان کے ماننے والے ہیں۔ انہوں نے ہی اس ہدایت کو دل سے تسلیم کرلیا ہے۔'' (سورۃ بقرہ، آیت نمبر 285)

اس لئے ہمیں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ قرآن پاک کا ہر لفظ جو ہم تلاوت کرتے ہیں، سن رہے ہیں یا سمجھنے کی کوشش کررہے ہیں اسے اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے ہی نازل کیا ہے۔

قرآن پاک میں اللہ عزوجل فرماتا ہے: (سورۃ انفال آیت نمبر 2)

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اِذَا ذُکِرَ اللہُ وَجِلَتْ قُلُوْبُھُمْ وَاِذَا تُلِیَتْ عَلَیْھِمْ اٰیٰتُہٗ زَادَتْھُمْ اِیْمَانًا

**ترجمہ:** ''سچے ایمان والے لوگ تو وہ ہیں جن کے دل اللہ کے ذکر سن کر لرز جاتا ہے اور جب اللہ کی آیات ان کے سامنے پڑھی جاتی ہیں تو ان کا ایمان بڑھ جاتا ہے۔''

## 2۔اخلاصِ نیت:

قرآن پاک کو صرف اس نیت سے پڑھا جائے کہ اس سے میں نے اپنے مالک کی رضا حاصل کرنی ہے۔اپنے مالک کے قریب جانا ہے۔اپنے مالک سے ہدایت کا طلب گار رہونا ہے۔

یعنی قرآن پاک کو اپنی ذات کے لئے، نام، عزت، شہرت، حیثیّت یا مال و دولت جیسی دنیاوی چیزیں کمانے کے لئے استعمال نہ کیا جائے۔

**حدیث:**

نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''اگر کوئی قرآن کا مطالعہ روزی حاصل کرنے لئے کرے تو قیامت کے روز وہ اس طرح اٹھایا جائے گا کہ اس کے چہرے پر گوشت نہیں صرف ہڈیاں ہوں گی۔'' (بیہقی)

**حدیث:**

نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''جو شخص دنیا میں تعریف و تحسین کے لئے قرآن سیکھتا ہے اور اس کی تلاوت یا تدریس کرتا ہے وہ آگ میں ڈالا جائے گا۔''(مسلم)

## 3۔شکر اور حمدِ الٰہی:

ہمیشہ اسی شکر گذاری سے رہنا چاہئے کہ ہمارے مالک اور خالق نے قرآن پاک جیسی کتنی بڑی نعمت سے ہمیں نوازا ہے۔

قرآن پاک سورۃ الاعراف، آیت نمبر 43 میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے (ہمیں سکھاتا ہے):

**ترجمہ:** '' تعریف اس اللہ ہی کی ہے جس نے ہمیں یہ راستہ دکھایا۔(ورنہ) ہم خود تو یہ راہ پانے والے نہ تھے۔اگر اللہ تعالیٰ ہماری راہنمائی نہ فرماتا''۔

قرآن پاک ہمارے لئے اتنی بڑی نعمت ہے کہ اگر ہمارے جسم کا ہر بال زبان بن جائے اور ہمارے جسم کا ہر قطرۂ خوں مسرّت کا آنسو بن جائے۔تب بھی ہم مالک کائنات کی اس عظیم فیاضی کا حق ادا نہیں کر سکتے کہ اس نے ہمیں قرآن جیسی نعمت سے نوازا ہے۔

## 4۔قبولیت کا یقین اور بھروسہ:

قلب اور ذہن کے بہت سے امراض ہیں۔یہ قرآن پاک کے پیغام کو قبول کرنے اور اس کے آگے سرِ تسلیم خم کرنے میں رکاوٹ ہوتے ہیں۔ان سب کو قرآن پاک میں بیان کر دیا گیا ہے۔

حسد، تعصب، نفسیاتی خواہشات اور ان سب سے بڑھ کر تکبر (غرور)۔دوسرے قرآن کے کسی حصے کو ماننا اور کسی کو نہ ماننا بھی پورے قرآن کو مسترد کرنے مترادف ہے۔

قرآن پاک کی سورۃ الاعراف، آیت نمبر 40 میں فرمان الٰہی ہے:

**ترجمہ:** '' یقین جانو، جن لوگوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا اور ان کے مقابلے میں سرکشی کی ہے، ان کے لئے آسمان کے دروازے ہرگز نہ کھولے جائیں گے۔ان کا جنت میں جانا اتنا ہی ناممکن ہے جتنا سوئی کے ناکے سے اونٹ کا گزرنا۔''

## 5۔رکاوٹیں اور مشکلات:

قرآن پاک ہمیں خود بتا رہا ہے کہ جونہی ہم قرآن پاک کے پڑھنے کا آغاز کریں گے، شیطان ہر ممکن رکاوٹ اور مشکل پیدا کرے گا۔لیکن ہمیں یہ بات ہمیشہ یاد رکھنی چاہیے کہ **قرآن اللہ تعالیٰ کی طرف جانے والے صراطِ مستقیم کا واحد راہنما ہے۔**

ایک سادہ سی مثال ہے، روزانہ تلاوت قرآن کرنا اور 2 آیات ترجمہ سے پڑھ لینا کتنا آسان لگتا ہے۔لیکن کوشش کر کے دیکھیں انداہ ہو جائے گا کہ یہ کتنا مشکل کام ہے۔وقت گزر جاتا ہے، دوسرے اہم کام یاد آجائے ہیں اور پھر اپنے دل کو یہ بات سمجھا لیتے ہیں کہ چلو آج برکت کے لئے صرف تلاوت کر لی جائے۔

ان ہی خطرات سے بچنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں فرمایا ہے: (سورۃ النحل، آیت نمبر 98 )

فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

**ترجمہ:** ''جب تم قرآن پاک پڑھنے لگو تو شیطان سے اللہ کی پناہ مانگو یعنی اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ

الرَّجِیۡمِ پڑھ لیا کرو''۔

قرآن پاک سورۃ الاعراف، آیت نمبر 17-16 میں اللہ تعالیٰ نے بتا دیا ہے کہ قرآن پاک پڑھنے کے ارادے کے ساتھ ہی شیطان رکاوٹ بن جاتا ہے۔

**ترجمہ:** '' (شیطان نے اللہ سے کہا) اچھا تو جس طرح تو نے مجھے گمراہی میں مبتلا کیا ہے میں بھی اب تیری سیدھی راہ پر ان لوگوں کی گھات میں لگا رہوں گا ،آگے اور پیچھے، دائیں اور بائیں ہر طرف سے ان کو گھیروں گا۔ تو ان میں سے اکثر کو شکر گزار نہ پائے گا۔''

## 6۔ اعتماد اور بھروسہ:

اللہ تعالیٰ کی ذات پر پورا بھروسہ رکھیں۔ اور قرآن کی طرف جاتے ہوئے عجز و انکسار اور اللہ تعالیٰ پر مکمل اعتماد اور بھروسے کے احساس کے ساتھ ہر قدم پر اس کی مدد اور سہارے کو طلب کرتے ہوئے توکل، حمد اور شکر کے احساسات کے ساتھ زبان اور قلب کو ہم آہنگ کر کے تلاوت کا آغاز کرنا چاہیے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ قرآن پاک کی 114 سورتوں میں سے ایک کے سوا تمام سورتوں کے آغاز میں موجود ہے۔ اس کے ساتھ ہی قرآن پاک، سورۃ آل عمران، آیت نمبر 8 کی دعا بھی کرتے جائیں:

رَبَّنَا لَا تُزِغۡ قُلُوۡبَنَا بَعۡدَ اِذۡ ہَدَیۡتَنَا وَ ہَبۡ لَنَا مِنۡ لَّدُنۡکَ رَحۡمَۃً ۚ اِنَّکَ اَنۡتَ الۡوَہَّابُ

**ترجمہ:** ''پروردگار! جب تو ہمیں سیدھا راستے پر لگا چکا، تو پھر کبھی ہمارے دلوں کو کجی میں مبتلا نہ کرنا۔ ہمیں اپنے خزانے سے رحمت عطا فرما، کہ تو ہی فیض حقیقی ہے۔''

یاد رکھیں، ہم اللہ کی کتاب قرآن پاک کے بارے میں کتنا ہی اعلیٰ علمی معیار حاصل کریں۔ ہم قرآن کے مکمل اور حقیقی معانی اور دریافت کرنے میں اس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتے جب تک ہم قرآن پاک کی اطاعت نہ کریں۔ اس کے کہنے کے مطابق عمل نہ کریں۔

قرآن پاک سورۃ مائدہ آیت نمبر 66 میں فرمان الٰہی ہے:

وَ لَوۡ اَنَّہُمۡ اَقَامُوا التَّوۡرٰىۃَ وَ الۡاِنۡجِیۡلَ وَ مَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡہِمۡ مِّنۡ رَّبِّہِمۡ لَاَکَلُوۡا مِنۡ فَوۡقِہِمۡ وَ مِنۡ تَحۡتِ اَرۡجُلِہِمۡ ؕ

ترجمہ: ''کاش انہوں نے تورات، انجیل اور دوسری کتابوں کو قائم کیا ہوتا۔ جو ان کے رب کی طرف سے ان کے پاس بھیجی گئی تھیں۔ (وہ لوگ) ایسا کرتے تو ان کے لئے اوپر سے رزق برستا اور نیچے سے ابلتا۔''

یعنی قرآن پاک کی پیروی کرنے سے، اس پر عمل کرنے سے، اسکے معنی سامنے آتے ہیں جنہیں ہم محض غور و فکر سے ہرگز نہیں پا سکتے۔ لیکن فہم قرآن کی اِن تمام تدابیر کے باوجود آدمی قرآن پاک کی روح سے پوری طرح آشنا نہیں ہو سکتا جب تک عملاً وہ کام نہ کرے جس کے لئے قرآن آیا ہے۔ یہ محض نظریات اور خیالات کی کتاب نہیں ہے کہ اس کو پڑھنے ہی سے ساری باتیں سمجھ آ جائیں۔ یہ دنیا کے عام تصوّرِ مذہب کے مطابق نری مذہبی کتاب ہی نہیں ہے کہ مدرسوں اور خانقاہوں میں اس کے سارے رموز حل کر لئے جائیں۔ یہ ایک دعوت اور تحریک کی کتاب ہے۔ اس نے آتے ہی ایک خاموش طبع اور نیک نیت انسان کو کو گوشہ عزلت سے نکال کر اللہ تعالیٰ کی بھری ہوئی دنیا کے مقابلے میں لا کھڑا کیا۔ باطل کے خلاف اس سے آواز اٹھوائی اور وقت کے علمبردارانِ کفر و فسق و ذلالت سے اس کو لڑا دیا۔ گھر گھر سے ایک ایک سعید روح اور پاکیزہ نفس کو کھینچ کھینچ کر لائی اور داعیٔ حق کے جھنڈے تلے ان سب کو اکھٹا کر دیا۔ گوشے گوشے سے ایک فتنہ جو اور فساد پرور کو بھڑکا کر اٹھایا اور حامیان حق سے ان کی جنگ کروائی۔ ایک فرد واحد کی پکار سے اپنا کام شروع کر کے خلافت الٰہیہ کے قیام تک پورے 23 سال یہی کتاب اس عظیم الشان تحریک کی راہنمائی کرتی رہی۔ اور حق و باطل کی اس طویل کشمکش کے دوران ایک ایک منزل اور ایک ایک مرحلہ پر اسی نے تخریب کے ڈھنگ اور تعمیر کے نقشے بتائے۔

اسی لئے ہمیں اللہ تعالیٰ سے ہر وقت دعا کرتے رہنا چاہئے کہ اے اللہ ہماری آنکھیں کھول دیں کہ ہمیں حق حق نظر آئے اور باطل باطل نظر آئے۔ ہمیں روشنی عطا کر کہ ہم تیرے راستے کو پہچان سکیں۔ مجھے قرآن پاک کے نقشہ کو سمجھنے اور اس کے مطابق زندگی بسر کرنے کی توفیق عطا فرما۔ قرآن پاک کو میرے دل کی بہار، میرے سینے کا نور، میرے غم کا مداوا اور میری فکر و پریشانی کا علاج بنا دے۔ درج ذیل دعا عموماً اس وقت کی جاتی ہے جب کوئی شخص قرآن پاک کی تلاوت مکمل کرتا ہے لیکن اس کا مضمون اتنا جامع ہے کہ وقتاً فوقتاً اللہ تعالیٰ کو ان الفاظ سے پکارنا باعث برکت ہے۔

اَللّٰھُمَّ ارۡحَمۡنِیۡ بِالۡقُرۡاٰنِ الۡعَظِیۡمِ وَ اجۡعَلۡہُ لِیۡۤ اِمَامًا وَّ نُوۡرًا وَّ ھُدًی وَّ رَحۡمَۃً ہ اَللّٰھُمَّ ذَکِّرۡنِیۡ مِنۡہُ مَا نَسِیۡتُ وَ عَلِّمۡنِیۡ مِنۡہُ مَا جَھِلۡتُ وَ ارۡزُقۡنِیۡ تِلَاوَتَہٗ اٰنَآءَ الَّیۡلِ وَ اٰنَآءَ النَّھَارِ وَ اجۡعَلۡہُ لِیۡ حُجَّۃً یَّا رَبَّ الۡعٰلَمِیۡنَ ہ

**ترجمہ:** ''اے اللہ مجھے قرآن عظیم کی طفیل اپنی رحمت سے سرفراز فرما۔اس کو میرے لئے قائد، روشن اور ہدایت بنادے'' اے میرے اللہ میں اس میں سے جو بھول گیا ہوں وہ مجھے یاد کرادے اور جو پھر میں نہیں جانتا اس کے ذریعے مجھے اس کا علم عطا فرمادے۔اور مجھے (دن اور رات میں)۔دن رات کے تمام اوقات میں۔اس کی تلاوت کی توفیق عطا فرما۔اے دونوں جہاں کے پالنے والے اس قران کو میرے حق میں دلیل بنادے۔''

## نبی خاتم النبیین ﷺ خاص خاص مواقع پر کیا پڑھتے تھے۔

### 1۔سورہ حشر کی آخری تین آیات:

اگر کوئی صبح اس کی تلاوت کرے گا تو شام تک 70 ہزار فرشتے اس کے لئے دعائے مغفرت کی دعا کرتے ہیں۔اور وہ اگر شام کو تلاوت کرے گا تو صبح تک اسی طرح کرتے رہیں گے۔(ترمذی)

### 2۔سونے سے قبل یا دوران شب:

**حدیث:** آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''رات کو سونے سے قبل آیت الکرسی کی تلاوت کرو۔ایک محافظ ساتھ رہے گا۔اور صبح تک شیطان تمہارے قریب نہیں آئے گا۔'' (صحیح بخاری)

یہ قران پاک کی عظیم آیت ہے۔

نبی کریم خاتم النبیین ﷺ جب بستر پر جاتے تو دونوں ہاتھ قریب لاکر سورۃ اخلاص، سورہ فلق اور سورہ الناس پڑھ کر ہاتھوں پر پھونکتے۔پھر آپ خاتم النبیین ﷺ جہاں تک ممکن ہوتا اپنا ہاتھ اپنے جسم پر پھیرتے سر، چہرہ، اور جسم کے سامنے کے حصے پر، ایسا تین مرتبہ فرماتے۔(حضرت عائشہؓ، بخاری، مسلم)

### 3۔سورہ بقرہ کی آخری دو آیات:

سورہ بقرہ کی آخری دو آیات رات کو پڑھنے والوں کے لئے کافی ہوجاتی ہیں۔(بخاری، مسلم)

دنیا میں کوئی ایسی خیر نہیں جو اس میں شامل نہ ہو۔

### 4-سورہ الدخان:

سورہ الدخان صبح کے وقت پڑھنے سے 70 ہزار فرشتے (دن میں) اس کے لئے مغفرت کی دعا کرتے ہیں۔(ابو ہریرہ، ترمذی)

### 5۔سورہ السجدہ اور سورہ الملک:

آپ خاتم النبیین ﷺ جب تک سورہ السجدہ اور سورہ الملک پڑھ نہ لیتے رات کو سوتے نہ تھے۔(احمد، ترمذی)

## نبی خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا:

(1) ''سورہ فاتحہ قرآن عظیم ہے''۔(بخاری)

ایک فرشتہ نے رسول خاتم النبیین ﷺ سے کہا ''ان دو نوروں پر خوشیاں منایئے جو آپ خاتم النبیین ﷺ کو دئے گئے ہیں اور آپ خاتم النبیین ﷺ سے پہلے کے رسول کو نہیں دیئے گئے۔**سورہ فاتحہ اور سورہ بقرہ کی آخری دو آیات**''۔(مسلم)

آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا'' اس خدا کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اس طرح کی کوئی چیز نہ تورات میں، نہ انجیل میں اور نہ زبور میں ہے اور نہ قرآن میں نازل کی گئی''۔(ترمذی شریف)

(2) آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا: ''پناہ تلاش کرنے والا ان جیسی دو چیزوں سے بہتر چیز کی پناہ تلاش نہیں کرسکتا''۔(ابوداؤد)

(3) آپ خاتم النبیین ﷺ نے پوچھا ''کیا تم میں سے کوئی ایک رات میں تہائی قرآن نہیں پڑھ سکتا''۔پھر فرمایا ''سورہ اخلاص پڑھا کرو۔اس ہستی کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے (زندگی ہے) یہ ایک تہائی قرآن پڑھنے کی مترادف ہے''۔(بخاری، مسلم)

آپ خاتم النبیین ﷺ نے ایک شخص کے بارے میں جو ہر نماز میں سورہ اخلاص اِس لئے پڑھتا تھا کہ اس میں رحمٰن کی شان ہے، فرمایا ''اُسے بتادو کہ اللہ اس سے محبت کرتا ہے''۔(بخاری، مسلم)

(4) سورہ الکافرون اور سورہ النصر: یہ قرآن کے جوتھائی کے برابر ہے۔ (ترمذی)

(5) سورہ الزلزال: یہ نصف قرآن کے برابر ہے (ترمذی)

(6) سورہ التکاثر: آپ خاتم النبیین ﷺ نے ایک مرتبہ صحابہ کرامؓ سے پوچھا ''کیا تم میں سے کوئی ایک ہزار آیت کی تلاوت کرسکتا ہے''؟ پھر خود فرمایا ''کیا تم میں سے کوئی سورہ التکاثر کی تلاوت نہیں کرسکتا''؟ (مشکوۃ المصابیح)

(7) سورہ کہف: آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''جو سورہ کہف کی پہلی دس آیات کو حفظ کرتا ہے اور ان پر عمل کرتا ہے وہ دجال سے محفوظ رکھا جائے گا''۔ (ابو داؤد، مسلم)

آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''جو شخص جمعہ کے دن سورہ کہف کی تلاوت کرے گا اس کے لئے اگلے جمعہ تک روشنی رہے گی''۔ (مستدرک الحاکم، بیہقی)

(8) سورہ یٰسین: نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا '' ہر چیز کا دل ہوتا ہے، قرآن کا دل سورہ یٰسین ہے۔ جو اسے پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لئے قرآن پاک کی دس مرتبہ تلاوت لکھ دیتا ہے''۔ (ترمذی)

(9) سورہ فتح: نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''میں سورج کے نیچے کی چیز سے بھی زیادہ اسے پسند کرتا ہوں''۔ (بخاری)

(10) سورہ الملک: آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا '' 30 آیات کی یہ سورہ آدمی کے حق میں مداخلت کرتی ہے حتی کہ اسے معاف کردیا جائے''۔ (احمد، ترمذی، ابوداؤد)

## استغفار کی تین قرآنی دعائیں

1- سورہ البقرہ، آیت نمبر 286

لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفۡسًا اِلَّا وُسۡعَہَا لَہَا مَا کَسَبَتۡ وَ عَلَیۡہَا مَا اکۡتَسَبَتۡ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذۡنَاۤ اِنۡ نَّسِیۡنَاۤ اَوۡ اَخۡطَاۡنَا رَبَّنَا وَ لَا تَحۡمِلۡ عَلَیۡنَاۤ اِصۡرًا کَمَا حَمَلۡتَہٗ عَلَی الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِنَا رَبَّنَا وَ لَا تُحَمِّلۡنَا مَا لَا طَاقَۃَ لَنَا بِہٖ وَ اعۡفُ عَنَّا وَ اغۡفِرۡ لَنَا وَ ارۡحَمۡنَا اَنۡتَ مَوۡلٰىنَا فَانۡصُرۡنَا عَلَی الۡقَوۡمِ الۡکٰفِرِیۡنَ

ترجمہ: ''اے ہمارے رب! اگر ہم بھول یا چوک جائیں تو ہم سے مواخذہ نہ فرمانا- اے ہمارے رب! اور ہم پر بھاری بوجھ نہ رکھ جیسا تو نے ہم سے پہلی امتوں پر رکھا تھا، اے ہمارے رب! اور ہم پر وہ بوجھ نہ ڈال جس کی ہمیں سہار (برداشت) نہ ہو اور ہمیں معاف فرمادے اور بخش دے اور ہم پر رحم فرما- تو ہمارا مولیٰ ہے۔ تو کافروں کے مقابلے میں ہماری مدد فرما''

2- سورۃ المومنون، آیت نمبر 118

وَ قُلۡ رَّبِّ اغۡفِرۡ وَ ارۡحَمۡ وَ اَنۡتَ خَیۡرُ الرّٰحِمِیۡنَ

**ترجمہ:** ''اور کہو کہ اے میرے رب تو بخش دے اور رحم کر اور تو سب مہربانوں سے بہتر مہربانی کرنے والا ہے۔''

3- سورۃ آل عمران، آیت نمبر 193

رَبَّنَا فَاغۡفِرۡ لَنَا ذُنُوۡبَنَا وَ کَفِّرۡ عَنَّا سَیِّاٰتِنَا وَ تَوَفَّنَا مَعَ الۡاَبۡرَارِ

**ترجمہ:** ''یا الٰہی اب تو ہمارے گناہ معاف فرمادے اور ہماری برائیاں ہم سے دور کردے اور ہماری موت نیکوں کے ساتھ کرنا''

**********

# حقیقت وحی

## وحی:

وحی کے معنی ہیں اشارہ کرنا، پیامبر بھیجنا۔ اللہ تعالیٰ کا کسی کے دل میں کچھ ڈالنا، الہام کرنا۔

شرعی اصطلاح میں وحی سے مراد اللہ تعالی کا وہ پیغام جو کسی نبی یا رسول پر نازل ہو بالفاظ دیگر وحی اس علم کا نام ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے برگزیدہ بندوں پر انسانوں کی ہدایت و معرفت کے لئے منکشف کرتا ہے۔

## وحی کے اہم نکات:

1۔ وحی اللہ کا پیغام ہے۔

2۔ وحی صرف نبیوں اور رسولوں پر نازل ہوتی ہے۔

3۔ وحی سے جو علم حاصل ہوتا ہے وہ عام طور پر ان اشیاء سے متعلق ہوتا ہے جو ظاہری حواس سے مخفی ہیں۔

4۔ وحی سے حاصل ہونے والے علم کا ذریعہ عام ذرائع سے مختلف ہوتا ہے۔

5۔ وحی میں ادارک حسی ہوتا ہے نہ استدلال منطقی۔ بلکہ نبی ایک ناقابل بیان پیرائے میں اچانک نئے حقائق سے آشنا ہو جاتا ہے۔

6۔ وحی کے ذریعے حاصل ہونے والا علم معاشرتی زندگی سے بے تعلق نہیں ہوتا بلکہ وہ زندگی ہی کی ہدایت اور شرح کے لئے ہوتا ہے۔

## وحی کی صورتیں:

اللہ کے کسی بندے سے ہم کلام ہونے کی تین صورتیں ہو سکتی ہیں:

1۔ اللہ تعالیٰ فرشتے کے ذریعے سے کلام فرمائے مگر فرشتہ مجسم ہو کر آنکھوں کے سامنے نہ آئے بلکہ براہ راست نبی کے دل پر نزول کرے اور نبی کو دل ہی سے فرشتے اور اس کی آواز کا ادارک ہو جائے۔

اس طریق وحی میں رسول پاک خاتم النبیین ﷺ کو پہلے ایک گھنٹی کی سی آواز سنائی دیتی تھی اور پھر حضرت جبرائیل علیہ السلام وحی الٰہی کے ساتھ آپ خاتم النبیین ﷺ کے قلب مبارک پر نزول فرماتے تھے۔

2۔ اللہ تعالیٰ بلا واسطہ روحانی پردے کے پیچھے سے کلام فرمائے اور نبی کی قوت سامعہ کلام سے براہ راست لطف اندوز ہو۔ لیکن آنکھوں کے آگے تجلیات حائل رہیں۔ حضرت موسیٰؑ سے طور سینا پر اسی انداز کی وحی میں کلام ہوا۔ رسول پاک خاتم النبیین ﷺ کے ساتھ بھی معراج کی شب اسی انداز میں کلام ہوا۔

3۔ یہ کہ فرشتہ مجسم ہو کر نبی کے سامنے آ کر اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچائے۔ جیسے ایک آدمی دوسرے آدمی سے خطاب کرتا ہے۔ اسی صورت میں آنکھیں فرشتے کو اس کی ظاہری صورت میں دیکھ سکتی ہیں کان اس کی آواز کو سن سکتے ہیں بلکہ پاس بیٹھنے والے بھی سن سکتے ہیں۔ جیسے حضرت جبرائیل علیہ السلام انسانی روپ میں آپ خاتم النبیین ﷺ کو قرآن پاک وحی فرمایا کرتے تھے۔

## اقسام وحی:

وحی کی دو قسمیں ہیں: 1- وحی متلو 2- وحی غیر متلو

## وحی متلو:

یہ وحی قرآن مجید کے نام سے کتابی صورت میں موجود ہے جس کی تلاوت کی جاتی ہے۔

## وحی غیر متلو:

ایسی وحی جس کی تلاوت نہیں کی جاتی غیر متلو کہلاتی ہے۔ رسول پاک خاتم النبیین ﷺ پر قرآن پاک کے علاوہ جو باتیں منکشف ہوتی تھیں وہ بھی وحی کا درجہ رکھتی ہیں۔

جیسا کہ رسول پاک خاتم النبیین ﷺ نے خود فرمایا" مجھے قرآن دیا گیا ہے اور اس کی مثل ایک اور چیز بھی دی گئی ہے(یعنی سنت) " -(سنن ابی داؤد، جلد4، حدیث نمبر 4604)

یہ چیز وحی غیر متلو ہے۔ جسے سنت کا نام دیا گیا ہے۔ وحی متلو یعنی قرآن مجید۔

## نزول قرآن:

قرآن مجید رسول پاک خاتم النبیین ﷺ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بذریعہ وحی نازل ہوا اور اسی کا ذریعہ حضرت جبرائیل علیہ السلام ہوئے۔

## وحی کی شدت

حضور پاک خاتم النبیین ﷺ پر جب وحی نازل ہوتی تو اُس کی شدت اور ثقالت (وزن) کا یہ عالم ہوتا تھا کہ آپ خاتم النبیین ﷺ کی جبین اقدس پسینہ سے تر ہو جاتی تھی۔ چہرہ مبارک سرخ ہو جاتا تھا۔ آپ خاتم النبیین ﷺ اونٹنی پر جا رہے ہوتے اور وحی نازل ہوتی تو اونٹنی بوجھ سے بیٹھنے لگتی۔ حضرت زید بن ثابتؓ کا بیان ہے کہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کا سر مبارک میری ران پر تھا اور اس حالت میں آیت کا ایک ٹکڑا نازل ہوا۔ غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ (سورۃ النساء، آیت نمبر 95)

تو میری ران پر اتنا بوجھ پڑا کہ میرا خیال ہو گیا کہ میری ران کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے۔ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ غارِ حرا سے تشریف لاتے تو قلب اقدس دھڑکتا ہوتا، سردی محسوس فرماتے تو چادر اُوڑھا دینے کا حکم دیتے۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ وحی کس قدر شدید اور ثقیل ہے اور اس کے تحمل اور برداشت کے لیے کیسے مطمئن قلب کی ضرورت ہے۔ قرآن پاک میں سورۃ المزمل آیت نمبر 5 میں وحی کو "قولاً ثقیلاً " کہا ہے۔

جس کو اللہ تعالیٰ قول ثقیل فرماتے۔ اِس کے وزن وشدت کا کیا ٹھکانا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: (سورۃ حشر، آیت نمبر 21)

ترجمہ: ''اگر ہم یہ قرآن کسی پہاڑ پر اتارتے تو ضرور تو اسے دیکھتا خوف الٰہی سے پاش پاش ہوتا''۔ (اللہ کے خوف سے اللہ اکبر)

جس وحی سے پہاڑ پارہ پارہ ہو جائیں۔ جس کی شدت وثقالت کو پہاڑ جیسی سخت چیز برداشت نہ کر سکے مگر یہ صرف اور صرف حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کا ہی مرتبہ اور مقام ہے کہ وحی جیسی پُرجلال چیز کو حضور اقدس خاتم النبیین ﷺ کے قلب اطہر نے برداشت کر لیا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ نبی کے قوائے بشریت پہاڑ کو ریزہ ریزہ کر دینے والی چیز کو برداشت کر لیتے ہیں۔ اس لیے نبی اور غیر نبی میں بہت فرق ہوتا ہے۔

## پہلی وحی:

دعوت نبوت سے قبل رسول پاک خاتم النبیین ﷺ عبادت ریاضت کے لئے غار حرا (جو مکہ سے تین میل کے فاصلے پر ہے) میں تشریف لے جایا کرتے تھے۔ ایک دن آپ خاتم النبیین ﷺ غار حرا میں یادالٰہی میں مصروف تھے کہ فرشتہ نازل ہوا، جس نے کہا اقراء (پڑھ) آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''ما انا بقاری'' (میں پڑھا ہوا نہیں ہوں) فرشتے نے آپ خاتم النبیین ﷺ کو زور سے بھینچا اور پھر کہا ''اقراء'' آپ خاتم النبیین ﷺ نے پھر یہی فرمایا فرشتے نے آپ کو تین بار بھینچا اور تیسری مرتبہ آپ خاتم النبیین ﷺ سے پڑھنے کی فرمائش کی،

اقراء باسم ربک الذی خلق۔۔۔۔(سورہ العلق) آپ خاتم النبیین ﷺ نے پڑھنا شروع کر دیا۔

## انقطاع وحی:

پہلی وحی کے نازل ہونے کے بعد کچھ عرصے کے لئے وحی رک گئی، اس عرصے کو ''فترت الوحی'' کہتے ہیں۔ وحی کے منقطع رہنے کے بارے میں اختلاف ہے۔ تاریخی واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عرصہ چھ ماہ سے زیادہ نہ تھا۔ حضرت ابن عباسؓ کی روایت میں ''ایاما'' کا لفظ آیا ہے یعنی وحی چند دن رکی رہی۔

علماء اکرام کے نزدیک انقطاع وحی میں مندرجہ ذیل مصلحتیں تھیں،

1۔ وحی کی شدت ایسی تھی کہ دوبارہ فوراً وحی آنے سے جسمانی قوت اس شدت اور جلال کا مقابلہ نہ کر سکتی تھی۔

2۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ مکالمہ ومخاطبہ میں ایک ایسا سرور ہوتا ہے، جس پر دنیا کی تمام چیزیں قربان کی جا سکتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس لذت اور سرور کا اشتیاق بڑھانے کے لئے عارضی طور پر وحی روک دی۔

3۔ مخاطبین وحی یہ سمجھ لیں کہ محمد خاتم النبیین ﷺ اپنی طرف سے باتیں نہیں گھڑتے بلکہ قادر مطلق سے تعلیم پا کر لوگوں کے سامنے بیان کرتے ہیں۔

## وحی کا اجراء :

انقطاع وحی کے کچھ عرصے کے بعد وحی کا سلسلہ برابر جاری ہوگیا۔اور یہ سلسلہ 22 سال 2 ماہ اور 22 دن رہا حتیٰ کہ قرآن مجید مکمل ہوگیا۔آیتوں کی تعداد کے لحاظ سے قرآن مجید مختلف حیثیتوں میں نازل ہوتا رہا ہے،جس واقعہ یا ضرورت کے پیش نظر کوئی سورۃ یا آیت نازل ہوئی اس واقعہ کو مفسرین کی اصطلاح میں شان نزول کہا جاتا ہے۔

## نزول وحی کی مدت:

تمام قرآن کریم ایک دم نازل نہیں ہوا بلکہ حسبِ ضرورت اور وقتاً فوقتاً تھوڑا تھوڑا نازل ہوتا رہا۔اول نزول شب قدر میں ہوا۔شب قدر رمضان المبارک کی آخری راتوں میں سے ایک رات ہے۔(ایک طاق رات)۔غار حرا میں سب سے پہلی وحی سورہ اقراء کی پانچ آیتیں ہیں۔اِس کے بعد قرآن مجید وصال اقدس سے کچھ دن پہلے تک نازل ہوتا رہا۔بہ اعتبار نزول قرآن مجید کی سورۃ البقرۃ،آیت نمبر 281 آخری آیت ہے:

وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝

ترجمہ:"اور اُس دن سے ڈرتے رہو جس روز اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔اور پھر ہر شخص کو جو اُس نے کمایا پورا پورا دیا جائے گا اور کسی پر ظلم نہ کیا جائے گا"۔

اس حساب سے 40 برس کی عمر سے لیکر 63 سال تک کل 23 برس نزول وحی کے ہیں۔یعنی تکمیل قرآن کی کل مدت 23 سال ہے۔

## نزول ملائکہ و جبریل امین:

حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی خدمت میں ملائکہ کی آمد کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔حضرت جبرائیل امین علیہ السلام عموماً انسانی شکل اختیار کر کے آتے تھے۔ایک صحابی حضرت دحیہؓ کی شکل میں اور کبھی کسی گاؤں کے دیہاتی کے روپ میں۔ (بخاری)

## حضرت جبرائیل امین علیہ السلام۔

حضرت آدم علیہ السلام کی خدمت میں بارہ مرتبہ تشریف لائے۔

حضرت ادریس علیہ السلام کی خدمت میں چار مرتبہ تشریف لائے۔

حضرت نوح علیہ السلام کی خدمت میں پچاس مرتبہ تشریف لائے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خدمت میں بیالیس مرتبہ تشریف لائے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں چار سو مرتبہ تشریف لائے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں دس مرتبہ تشریف لائے۔

اور حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ کی خدمت اقدس میں چوبیس ہزار مرتبہ بازیابی کا شرف حاصل ہوا۔(سبحان اللہ)

**********

# تدوین قرآن

تدوین قرآن تین ادوار پر مشتمل ہے:

1۔ پہلا دور عہد رسالت خاتم النبیین ﷺ

2۔ دوسرا دور عہد صدیقیؓ

3۔ تیسرا دور عہد عثمانیؓ

## 1) عہد رسالت خاتم النبیین ﷺ:

رسول پاک خاتم النبیین ﷺ پر جب کوئی آیت نازل ہوتی تو آپ اس کو لکھوانے کا بندوبست کرتے، اس مقصد کے لئے آپ خاتم النبیین ﷺ نے بہت سے کاتب مقرر کر رکھے تھے۔ کاتبین وحی کی تعداد 26 یا 42 تھی۔ خلفائے راشدین کے اسمائے گرامی کاتبین وحی میں سرفہرست ہیں۔

ان دنوں سامان کتابت کا فقدان تھا لکھنے کے لئے کھجور کے چوڑے پتے، شانے کی ہڈی، چٹانوں کے پتھر، اور ہرن کی جھلی وغیرہ سے کام لیا جاتا تھا۔ پھر آپ خاتم النبیین ﷺ اس تحریر کو مسلمانوں میں پھیلاتے تھے۔ وہ اسے نقل کر کے اپنے پاس رکھتے اور اکثر صحابہؓ اس کو زبانی یاد کر لیتے تھے۔ مخصوص کاتبین وحی کے علاوہ بہت سے صحابہؓ نے اپنے طور پر قرآن مجید لکھ لیا تھا۔

حضرت عمرو بن العاصؓ کا بیان ہے "میں نے عہد نبوی خاتم النبیین ﷺ میں ہی سارا قرآن جمع کر لیا تھا۔ آپ خاتم النبیین ﷺ کی وفات تک قرآن پاک کا کوئی حصہ ایسا نہ تھا جو تحریری طور پر مسلمانوں کے پاس موجود نہ ہو۔ البتہ یہ ایک کتابی صورت میں موجود نہ تھا بلکہ اس کے اجزا منتشر تھے"۔

## ترتیب سورہ مبارک و آیات مبارک:

قرآن پاک اس ترتیب سے نازل نہیں ہوا تھا جو ترتیب قرآنی صورت میں آج موجود ہے۔ بلکہ یہ آیات کی صورت میں مختلف وقتوں میں نازل ہوتا رہا۔ اللہ تعالیٰ نے رسول پاک خاتم النبیین ﷺ کو قرآن کی ترتیب سے آگاہ کر دیا تو آپ خاتم النبیین ﷺ نے صحابہ اکرامؓ کو اس ترتیب سے آگاہ کر دیا۔ جونہی کوئی آیت نازل ہوتی آپ خاتم النبیین ﷺ صحابہ اکرامؓ سے فرماتے "فلاں آیت کو فلاں سورت میں لکھو"۔ چنانچہ جمع و ترتیب کا کام حیات نبوی خاتم النبیین ﷺ میں ہی طے پا گیا تھا۔ قرآن پاک کی موجودہ ترتیب اسی وقت سے چلی آ رہی ہے۔

## 2۔ دور صدیقیؓ:

رسول پاک خاتم النبیین ﷺ کی وفات کے بعد حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں مسلمہ کذاب کے خلاف جنگ یمامہ میں بارہ سو کے قریب صحابہؓ شہید ہو گئے۔ جن میں سے 700 حافظ قرآن اور 70 کے قریب قاری تھے۔ اس طرح حفظ قرآن کو ایک ناقابل تلافی نقصان پہنچا۔ حضرت عمرؓ نے حفاظ صحابہ اکرامؓ کی شہادت کا یہ عالم دیکھ کر حضرت ابوبکر صدیقؓ سے عرض کیا کہ اگر یہی عالم رہا تو عین ممکن ہے کہ قرآن پاک کے بہت سے اجزا کھو جائیں، لہٰذا بہتر یہ ہوگا کہ قرآن کو ایک مرتب کتاب کی صورت میں جمع کر دیا جائے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت زید بن ثابتؓ کو قرآن پاک جمع کرنے پر مامور فرمایا، جو عہد رسالت میں کاتب وحی رہ چکے تھے۔ چنانچہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے حکم سے حضرت زیدؓ کے پاس وہ تمام نوشتے لائے گئے جو حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے خاص اہتمام سے لکھوائے تھے۔ اس طرح دیگر صحابہ اکرامؓ کے پاس قرآن پاک کے جو مسودے تھے وہ سب بھی اکٹھے کر لئے گئے۔ حضرت زیدؓ آیت کو لکھنے سے پہلے ان تحریروں اور مجموعوں میں اسے تلاش کرتے پھر حفاظ قرآن کی یاداشت سے مقابلہ کر کے اسے لکھتے۔ اس کے لئے حضرت زیدؓ نے ایک مرتبہ فرمایا تھا "اگر حضرت ابوبکر صدیقؓ مجھے ایک پہاڑ کو اکھاڑ کر دوسری جگہ منتقل کرنے کو کہتے تو وہ میرے لئے قرآن پاک کو جمع کرنے کے کام سے آسان ہوتا"۔ حضرت زیدؓ نے کمال احتیاط سے قرآن پاک کا جو نسخہ تیار کیا وہ ترتیب و تہذیب بلکہ ہر لحاظ سے وہی قرآن تھا جو حضور پاک خاتم النبیین ﷺ پر نازل ہوا تھا۔ اسے **مصحف** کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

حضرت زیدؓ کا بنایا ہوا یہ قرآن پاک حضرت ابوبکر صدیقؓ کی تحویل میں رہا، پھر ان کے جانشین

حضرت عمرؓ کی حفاظت میں آ گیا۔ حضرت عمرؓ کے بعد یہ نسخہ ان کی صاحبزادی ام المومنین حضرت حفصہؓ کے سپرد کر دیا گیا۔

**دور عثمانیؓ:**

رسول پاک خاتم النبیین ﷺ خاندان قریش سے تعلق رکھتے تھے، اس لئے آپ خاتم النبیین ﷺ قریشی لب ولہجہ میں قرآن پاک پڑھا کرتے تھے۔ جب مختلف قبائل کے لوگ حلقہ بگوش اسلام ہوئے تو انہوں نے اپنے اپنے لب ولہجہ میں قرآن پاک کو پڑھنا شروع کر دیا۔ حضرت عثمانؓ کے عہد میں جب اسلام دور دور تک پھیل گیا، تو غیر عرب مسلمانوں کو عربوں کی شاگردی کرنا پڑی۔ عربوں میں قرات کا اختلاف تھا۔ اس لئے نومسلموں میں بھی اس کا اثر نمودار ہوا۔

ایک واقعہ یوں ہوا کہ حضرت حذیفہ بن یمانؓ آرمینہ میں سپاہ سالاری کے فرائض سرانجام دے رہے تھے کہ انہوں نے دیکھا کہ بعض مسلمان اپنی قرات کو صحیح تصور کر کے دوسروں کی قرات کو غلط کہہ رہے ہیں۔ اور اس سے کچھ بعید نہ تھا کہ فتنہ برپا ہو جائے، چنانچہ 25ھ میں جب حضرت حذیفہؓ حج کرنے گئے تو انہوں نے یہ ماجرہ حضرت عثمانؓ کو کہہ سنایا۔ حضرت عثمانؓ نے حضرت علیؓ اور بعض دوسرے صحابہ اکرامؓ سے مشورہ کیا تو سب نے یک زبان ہو کر کہا ''امت کو ایک قرات پر جمع کرنا چاہئے''۔ چونکہ ابتداء میں قرآن قریشی لہجہ میں پڑھا جاتا تھا۔ لہٰذا اختلاف کو رفع کرنے اور یکسانیت کو برقرار رکھنے کے لئے اب بھی قریشی لہجہ ہی اختیار کرنا چاہئے۔

حضرت عثمانؓ نے حضرت حفصہؓ کے ہاں سے حضرت ابوبکر صدیقؓ والا نسخہ قرآن منگوا کر حضرت زید بن ثابتؓ اور دیگر صحابہ اکرامؓ کا ایک بورڈ بنایا اور انہیں حکم دیا کہ وہ اس کی نقلیں تیار کریں۔ قریشی لہجہ کے مطابق نقاط اور اعراب لگائے گئے اور قرآن پاک کی نقول تیار کی گئیں، اور ہر صوبہ کے مرکز میں ایک نسخہ بھیج دیا گیا۔

حضرت عثمانؓ نے ایک نسخہ اپنے پاس رکھا جو **مصحف الامام** کے نام سے مشہور ہوا۔ حضرت عثمانؓ نے قرآن پاک کے جو نسخے باہر بھیجے تو ہر نسخہ کے ساتھ شہر میں ایک قاری بھی بھیجا تا کہ لوگ اس کے لہجے کے مطابق تلاوت کریں، اور اپنے لئے قرآن پاک کی نقول بھی تیار کر لیں۔ اس کے بعد حضرت عثمانؓ نے دیگر صحابہ اکرامؓ کے مشورے سے یہ فرمان جاری کیا کہ جہاں کہیں الگ الگ قراتوں میں لکھے ہوئے نسخے ہوں انہیں تلف کر دیا جائے۔ تا کہ اختلاف کا کوئی امکان باقی نہ رہے، یہ کام 30ھ میں انجام پذیر ہوا، دین کی اس خدمت کی وجہ سے حضرت عثمانؓ **جامع القرآن** کہلاتے ہیں۔

**********

# قرآن پاک کی چند خصوصیات

حدیث پاک ہے:

حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا:

اِنَّ اللہَ یَرۡفَعُ بِهٰذَا الۡكِتَابِ اَقۡوَامًا وَّیَضَعُ بِهٖ آخِرِیۡنَ

ترجمہ:"بلاشبہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کے ذریعے بہت سی قوموں کو عزت و سربلندی عطا فرماتا ہے، اور بہت سے لوگوں کو (جو اس پر عمل نہیں کرتے) ذلیل و خوار کرتا ہے"۔(مسند احمد، جلد 8، حدیث نمبر 8326)

**خصوصیات:**

1۔ قرآن پاک رب تعالیٰ کا امر ہے یہ مخلوق نہیں ہے، یہ ہمیشہ کے لئے زندہ معجزہ ہے۔
2۔ امر ربی کے مطابق اس کی ایک اپنی شخصیت اور روح ہے۔
3۔ اس کی آیات سے اللہ تعالیٰ کا نور نکلتا ہے۔
4۔ یہ اس سے دوستی کرتا ہے جو اس سے دوستی کرتا ہے۔
5۔ جو اسے مضبوطی سے پکڑ لیتا ہے یہ اسے دنیا و آخرت میں کامیاب کر دیتا ہے۔
6۔ اپنی ترتیب میں یہ مانند ایک مضبوط زنجیر کے ہے جس کی ہر آیت اس زنجیر کی کڑی ہے۔
7۔ ہر آیت الگ الگ بھی ہے اپنے معنی میں مکمل ہے اور اگر اکھٹا دیکھا جائے تو ایک وحدت میں بھی مربوط ہیں۔
8۔ قرآن پاک کی مثال ایک بلند و بالا سیڑھی کی سی ہے جس کا ایک سرا زمین پر اور دوسرا عرش بریں پر ہے۔ آیات اس کے زینے ہیں پڑھتے جائیں اور چڑھتے جائیں۔
9۔ یہی صراط مستقیم ہے جنت اسی کے راستے کی ایک منزل کا نام ہے۔
10۔ قرآن پاک انسانوں کے لئے زماں اور مکاں کے ہر دور میں رہنمائی ہے
11۔ دنیاوی زندگی میں اس کے اصول اور احکام پر چل کر انسان کامیاب ترین دنیا و آخرت کو پالیتا ہے۔
12۔ یہ عالم قبر یعنی برزخ میں بھی روڈ میپ ہے (Road Map) اور جنت میں اس کے معنی دلچسپ ترین موضوع گفتگو ہوں گے۔
13۔ کلام پاک ہو بہو اسی شکل میں ہم تک پہنچا ہے، جس شکل میں وحی الٰہی کے مطابق سرور کائنات خاتم النبیین ﷺ نے اسے ترتیب دیا، اور یہ ترتیب بذات خود ایک حسابی معجزہ ہے۔
14۔ قرآن پاک ہمارے پاس اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا ایک نقشہ ہے۔
15۔ اللہ کے دربار میں کلام الٰہی سے بڑھ کر تقرب کسی اور چیز سے نہیں ہوسکتا۔
16۔ قرآن پاک کو پڑھنا، اسے یاد کرنا، اس پر عمل کرنا، غرض اس کی ہر چیز ہی قابل افتخار ہے۔
17۔ تمام اذکار افضل ذکر ہیں اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے کلام کو اوروں کے کلام پر وہی فضیلت حاصل ہے جو اللہ تعالیٰ کو تمام مخلوق پر فضیلت حاصل ہے۔
18۔ قرآن پاک کے متعلق اس حقیقت کو یاد رکھنا چاہئے کہ یہ دنیا اور آخرت کی کامیابی کی سند ہے۔
19۔ قرآن پاک اللہ تعالیٰ تک رسائی کا ذریعہ ہے۔

حضرت علیؓ کا فرمان ہے:

ترجمہ:"جب میرا دل چاہتا ہے میں اللہ سے باتیں کروں تو میں نماز پڑھنے لگتا ہوں اور جب میرا دل چاہتا ہے کہ اللہ مجھ سے باتیں کرے تو میں قرآن پاک پڑھنے لگتا ہوں"۔

20۔ قرآن پاک 23 سال کے عرصے میں نازل ہوا اس لئے اس کے پڑھنے میں بے صبری کا اظہار غیر مناسب ہے، دراصل قرآن پاک کو مکمل کرنا مقصود نہیں ہونا چاہئے۔ بلکہ اس کو سمجھنا مقصود ہونا چاہئے۔اس لئے ایک ایک آیت کو اچھی طرح سمجھ کر پڑھا جائے تا کہ اچھی طرح معلوم ہو جائے کہ رب العالمین ہم سے کیا چاہتا ہے۔اور اس کے ساتھ ساتھ ہمیں اپنی حالت کا بھی موازنہ کرتے رہنا چاہئے کہ ہماری زندگی کہاں تک دستور قرآن پاک کے مطابق ہے؟ اور کہاں کہاں اصلاح طلب ہے؟ پھر جہاں کمی نظر آئے اسے دور کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔کلام اللہ کی اس طرح تلاوت کرنے والا کسی حد تک کلام اللہ کا حق ادا کرتا ہے اس کے بعد پھر دنیا میں اطمینان کی زندگی اور آخرت میں کامیابی کا ضامن خود قرآن پاک ہے۔قرآن پاک کے ایسے ہی شیدائیوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے خوف اور غم سے آزادی کا وعدہ فرمایا ہے۔سورۃ البقرہ، آیت نمبر 62 میں ارشاد ہے۔

وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝

ترجمہ: ''اور نہ ان کو کوئی خوف ہوگا اور نہ ہی وہ غمگین ہوں گے''۔

21۔ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا:

الْقُرْآنُ لَكَ حُجَّةٌ لَكَ اَوْ عَلَيْكَ ۝

ترجمہ: ''قرآن یا تو تمہارے حق میں حجت بنے گا یا تو تمہارے خلاف''۔(صحیح مسلم، جلد نمبر 1 حدیث نمبر 534- سنن نسائی، جلد نمبر 2 حدیث نمبر 2439)

22۔ پس قرآن اشرف الکتاب ہے، اشرف الانبیاء پر نازل ہوئی، اشرف الملائکہ کے ذریعے نازل ہوئی، اشرف الارض پر نازل ہوئی۔اشرف الیل میں نازل ہوئی، اشرف الاشہود (مہینہ) میں نازل ہوئی، اور اشرف الاعمال کے لئے نازل ہوئی۔

انسان مخلوق ہے اور قرآن پاک مخلوق نہیں ہے، یہ خالق کے اندر سے نکل کر آیا ہے اس لئے یہ مخلوق (انسان) کبھی بھی کسی طرح بھی نہ تو قرآن پاک کی خصوصیات سے کماحقہ واقف ہو سکتی ہے اور نہ بیان کر سکتی ہے۔ویسے بھی عام انسانوں کی ذہنی سطح کے لئے قرآن پاک کے آداب، قرآن پاک کی خصوصیات، قرآن پاک کی تلاوت، قرآن پاک کے حقوق اور فضائل قرآن پاک جو کچھ تھوڑے بہت یہاں پر بیان کئے گئے ہیں، انسان اپنی اس مختصر سی زندگی میں اگر ان کا لحاظ رکھتے ہوئے قرآن پاک کو سمجھے اور اس پر عمل کرنے کی کوشش کرے تو یہ قرآن اسے صراط مستقیم اور قرب الٰہی تک ضرور پہنچا دے گا۔

عربوں کی گمراہی اور ظلمت کے زمانے میں قرآن مجید نے انہیں ہر قسم کی بدی اور گمراہی سے نجات دلا کر ان کو با اخلاق بنایا، قرآن مجید اثر ڈالنے، یقین دلانے کی طاقت رکھنے، فصاحت و بلاغت اور تراکیب و بندش الفاظ میں بے نظیر ہے۔قرآن مجید مختلف اوقات (دکھ، سکھ) میں نازل ہوا ہے لیکن اختلاف سے پاک ہے۔

جن جن زبانوں میں الہامی کتابوں کا نزول ہوا، وہ ساری کتابیں آج مردہ ہو گئیں ہیں اس کے برعکس قرآن صرف قرآن ہے۔بول چال کی زندہ زبان میں زندہ کتاب کی حیثیت سے ہمارے سامنے ہے۔کسی اور کتاب نے عالمگیر ہونے کا دعویٰ نہیں کیا ہے۔صرف قرآن ہی ایک ایسی کتاب ہے جو قیامت تک کے لیے تمام بنی نوع انسان کی ہدایت کا دعویٰ کرتی ہے۔

قرآن پاک علم کا خزانہ ہے اس سے کتنے ہی کلام ابھرے، علم تفسیر، علم قراءت، علم حدیث، علم اصول حدیث، علم اسماء الرجال، علم فقہ، علم تصوف وغیرہ۔

اور بہت سے کلام کے لئے تمہید کا کام دیا مثلاً فلسفہ، سائنس وغیرہ، یہ مشاہدہ فطرت قدرت پر ابھارتا ہے۔

علامہ جلال الدین سیوطیؒ فرماتے ہیں قرآن کے الفاظ سے بڑھ کر فصیح زوردار، شیریں تر الفاظ مل ہی نہیں سکتے، اور اس کی ترکیب سے زیادہ اچھی ترکیب رکھنے والی اور تلاوت میں بہتر اور اعلیٰ ہمسر نثر میں یا نظم میں کوئی موجود نہیں۔

***************************

# عمل بالقرآن

حضور پاک خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

ترجمہ:۔''جو شخص قرآن پاک کی تفسیر میں اپنی رائے سے کچھ کہے اگر وہ صحیح ہو تب بھی اس نے خطا کی''۔(جامع ترمذی، جلد 3 حدیث نمبر 2952)

آج کل روشن خیال لوگ قرآن پاک کی ہر آیت میں سلف کے اقوال کو چھوڑ کر کوئی نئی بات پیدا کر رہے ہیں اور اپنی مرضی کے مطابق قرآن پاک کی عبادت کی تفسیر اردو تشریح کی طرح کر رہے ہیں۔

یاد رکھیں کہ:۔

بطن کلام پاک تک رسائی ہر شخص کو نہیں ہو سکتی۔

تفسیر کے لئے مندرجہ ذیل علوم پر مہارت ضروری ہے:۔

1-لغت:۔

2- نحو کا جاننا:۔ اس لئے کہ اعراب زیر زبر پیش کی تبدیلی سے معنی بالکل بدل جاتے ہیں اور اعراب کی معرفت نحو پر موقوف ہے۔

3-صرف کا جاننا:۔ اس لئے کہ صیغوں کے اختلاف سے معنی بدل جاتے ہیں۔

4-اشتقاق:۔ (کسی لفظ کا کسی لفظ سے نکلنا) کا جاننا ضروری ہے اس لئے کہ لفظ جبکہ دو مادوں سے مشتق ہو تو اس کے معنی مختلف ہونگے جیسے کہ ''مسح'' کا لفظ ہے اس کا اشتقاق ''مسح'' سے بھی ہے جس کے معنی چھونے اور تر ہاتھ کسی چیز پر پھیرنے کے ہیں۔اور ''مسحاحت'' سے بھی ہیں۔جس کے معنی پیمائش کے ہیں۔

5-علم معنی کا جاننا:۔ جس سے کلام کی ترتیب معنی کے اعتبار سے معلوم ہوتی ہے۔

6-علم بیان:۔ جس سے کلام کا ظہور وخفا، تشبیہ وکنایہ معلوم ہوتا ہے۔

7-علم بدیع:۔ جس سے کلام کی خوبیاں تعبیر کے اعتبار سے معلوم ہوں۔

8-علم قرات:۔ یہ جاننا اس لئے ضروری ہے کہ مختلف قراتوں کی وجہ سے مختلف معنی معلوم ہوتے ہیں۔

9-علم عقائد:۔ اس علم کا جاننا بھی ضروری ہے اس لئے کہ کلام پاک میں بعض آیات ایسی بھی ہیں۔جن کے ظاہری معنی کا اطلاق حق وسبحانہ وتقدس پر صحیح نہیں اس لئے ان میں تاویل کی ضرورت پڑے گی۔مثلاً

یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ

ترجمہ:''اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھ پر ہے''۔(سورۃ الفتح، آیت نمبر 10 )

10-اصول فقہ کا معلوم ہونا:۔ کیونکہ جزیات کے احاطہ سے کلیات پہچانے جاتے ہیں۔

11-اسباب نزول کا معلوم ہونا:۔ کیونکہ شان نزول سے آیات کے معنی زیادہ واضح ہو جاتے ہیں۔

12-ناسخ ومنسوخ کا معلوم ہونا:۔ تاکہ منسوخ شدہ احکامات سے الگ کر کے موجودہ احکامات بتائے جا سکیں۔

13- ان احادیث کا جاننا جو قرآن پاک مجمل Ambiguous آیات کے واقع ہوئی ہیں۔

14- ان سب کے بعد وہ علم وہبی ہے جو اللہ تعالیٰ کا خاص عطیہ ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے مخصوص بندوں کو عطا فرماتا ہے۔

اہل اصول کے مطابق شریعت پر عمل کرنے کے لئے اُن اصولوں کا جاننا ضروری ہے جو قرآن وحدیث اور اجماع سے ہیں اور چوتھے قیاس جو ان ہی سے مستنبط ہے۔

ابوداؤد شریف میں حضرت معاذ بن جبلؓ کا ارشاد ہے:

''تمھارے بعد فتنوں کا زمانہ آنے والا ہے کہ مال کی کثرت ہو جائے گی اور قرآن عام ہو جائے گا۔حتیٰ کہ اس کو مومن ومنافق مرد، عورت، چھوٹا، بڑا، غلام اور آزاد سب پڑھنے لگیں گے تو ایک کہنے والا کہے گا لوگ میری اتباع کیوں نہیں کرتے؟ حالانکہ میں نے قرآن

پڑھا ہے۔ یہ اس وقت تک میری اتباع نہیں کریں گے۔ جب تک کہ میں کوئی نئی بات نہ گھڑ دوں'' پھر حضرت معاذؓ نے فرمایا ''اپنے آپ کو نئی نئی بدعتوں سے بچاتے رہو۔ کیونکہ (ایسا کرنے میں) جو بدعت نکالی جائے گی وہ گمراہی ہوگی''۔

جو لوگ اس پر فخر کرتے ہیں کہ ہم نے دنیا میں قرآن کو پھیلا دیا وہ حدیث بالا کی روشنی میں۔ موجب ہلاکت اور فساد ہیں کیونکہ صحیح مسائل کا معلوم کرنا علوم قرآن کی واقفیت کے بغیر ہرگز جائز نہیں۔

بغیر حدیث کے قرآن پر عمل ممکن نہیں اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں (سورۃ النحل، آیت نمبر 44) میں فرماتا ہے۔

وَ اَنْزَلْنَا اِلَیْکَ الذِّکْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَانُزِّلَ اِلَیْھِمْ

ترجمہ: ''ہم نے آپ خاتم النبیین ﷺ کی طرف ذکر یعنی قرآن پاک نازل کیا تاکہ آپ لوگوں سے بیان کریں جو احکام ان کی طرف نازل کئے گئے ہیں''۔

دوسرے مقام پر (سورۃ البقرہ، آیت نمبر 129) میں حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی صفت بیان کرتے ہوئے فرمایا۔

وَ یُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ وَ الْحِکْمَتَہ

ترجمہ:۔ ''آپ خاتم النبیین ﷺ کو کتاب وحکمت کی تعلیم دینے کے لئے بھیجا گیا''۔

مندرجہ بالا دونوں آیات سے معلوم ہوا کہ قرآن کی آیات اور مضامین کی تشریح وہ ہی اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول ہے۔ جو اس کے بھیجے ہوئے ''معلم کتاب و حکمت'' یعنی حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی سمجھائی اور بتائی ہوئی ہو کیونکہ آپ خاتم النبیین ﷺ قرآن پاک سے مراد ربّانی سمجھانے کے لئے دنیا میں تشریف لائے۔ لہٰذا اب اگر کوئی اپنے ذہن سے قرآنی آیات کے نئے نئے معانی نکالے تو اس کی تشریح قابل قبول نہیں ہوگی۔ بلکہ گمراہی اور ضلالت ہوگی۔ قرآن پاک کی تشریح وہ ہی مقبول ہوگی جو حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمائی ہے۔ اِسی کا نام احادیث ہے۔ لہٰذا جو احادیث پر عمل کرے گا وہ ہی صحیح معنوں میں قرآن پر عمل کر رہا ہے اور یہ حقیقت ہے کہ حدیث کے بغیر قرآن پر عمل کرنا ناممکن ہے۔

***********************************

# اعجاز قرآن

قرآن پاک ایک ایسی کتاب ہے کہ دنیا کا کوئی انسان اس جیسی کتاب تصنیف کرنے سے عاجز ہے، بلکہ اس جیسی ایک آیت بھی نہیں پیش کرسکتا۔ آج تک کسی انسان نے نہ ایسی کتاب تخلیق کی ہے اور نہ قیامت تک کر سکے گا۔ کیونکہ کبھی بھی مخلوق کا کلام خالق کے کلام کی برابری نہیں کرسکتا۔

قرآن پاک مندرجہ ذیل خصوصیات کے لحاظ سے معجزہ ہے۔

## 1۔ بے مثل ہونے کے اعتبار سے:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ: ''اے محبوب آپ خاتم النبیین ﷺ کہہ دیں کہ اگر جن وانس مل کر بھی اس قرآن کی مثل یا سورت لانے کی کوشش کریں تو اس کی مثل نہ لاسکیں گے''۔

(سورۃ البقرہ، آیت نمبر 23 س- ورۃ ہود آیت نمبر 13 اور سورۃ یونس آیت نمبر 38)

قرآن پاک کے اس چیلنج کو آج تک کوئی قبول نہ کرسکا چونکہ یہ ایک ناممکن کام ہے، چنانچہ قرآن پاک بے مثل، بے نظیر ہونے کے اعتبار سے ایک معجزہ ہے۔

## 2۔ علمی لحاظ سے معجزہ:

قرآن پاک علمی لحاظ سے ایک بحر بے کنار ہے۔ آج تک کروڑوں علماء اکرام اس کی تشریح تفسیر کر چکے ہیں لیکن ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ ان کروڑوں علماء کے مجموعی علم نے قرآن پاک کا احاطہ کرلیا ہے۔ اس میں ہزاروں دقیق علوم ہیں یہ کہا جاسکتا ہے کہ قرآن پاک موجودہ دور تک مروجہ علوم کی تمام تر شاخوں کی اصل ہے۔

## 3۔ فصاحت اور بلاغت کے لحاظ سے معجزہ:

نزول قرآن کے دور میں عرب میں بے شمار شاعر اور خطیب موجود تھے، جنہیں اپنی فصاحت و بلاغت پر بڑا ناز تھا۔ لیکن قرآن پاک کے سامنے ان کی تمام فصاحتیں اور بلاغتیں غیر موثر ہوکر رہ گئیں۔ آج تک قرآن پاک کی فصاحت و بلاغت کا کوئی جواب پیدا نہیں ہوسکا اور نہ ہوسکے گا۔

## 4۔ غیب کی خبروں کے لحاظ سے معجزہ:

قرآن ایک بیّن دلیل ہے اور غیب کی خبریں بتاتا ہے اس لحاظ سے یہ ایک معجزہ ہے۔

## 5۔ تاثیر کے لحاظ سے معجزہ:

قرآن پاک کی تلاوت سننے والے پر ایک وجد طاری ہو جاتا ہے، قرآن پاک سننے والے کے رگ و جاں میں سرایت کر جاتا ہے۔ مخالفین اس کلام کو سحر (جادو) قرار دیتے تھے اور اس کی وجہ سے اپنے ساتھیوں کو قرآن سننے سے روکتے تھے، مبادا وہ اس جادو کے زیر اثر اسلام قبول نہ کرلیں۔

## 6۔ روحانی برکات کے لحاظ سے معجزہ:

نزول قرآن سے قبل عرب روحانی بیماریوں کا شکار رہتے تھے۔ ان کا وجود محض ایک غلیظ مادہ تھا، قرآن پاک نے اس غلیظ مادہ کو مقدس بنانے کے لئے اس میں نیکی کی روح پھونک دی۔

## 7۔ اسلوب کے لحاظ سے معجزہ:

قرآن پاک کا ایک معجزہ یہ بھی ہے کہ اگرچہ اس کا انداز بیان اور طرز اظہار ہر لحہ بدلتا رہتا ہے، لیکن اس کے معیار اور مقررہ اسلوب میں فرق نہیں آتا۔

## 8۔ نئے پن کے لحاظ سے معجزہ:

قرآن پاک کے جتنے بھی مطالب ہیں خواہ ان کا تعلق آیتوں اور نعمتوں سے ہو، خواہ واقعات اور مخاصمات سے کہیں بھی دو مقامات پر ایک انداز بیان اختیار نہیں کیا گیا۔ ایک ہی چیز کا جتنی بار ذکر کیا گیا ہے اتنے ہی انداز سے ہر معنی کو ہر نئے مقام پر ایک نیا لباس پہنایا گیا ہے۔

## 9۔ نفس مضمون کے لحاظ سے معجزہ:

قرآن پاک اپنے نفس مضمون کے لحاظ سے ایک معجزہ ہے۔

**10۔جمع تدوین کے اعتبار سے:**

جمع کے معنی حفظ کرنا اور سینے میں محفوظ کرنا، قرآن مجید کا یہ اعجاز ہے کہ یہ ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں حفاظ کے سینوں میں محفوظ ہے۔

**11۔حفاظت کے اعتبار سے:**

قرآن مجید کے علاوہ دنیا میں کوئی کتاب ایسی نہیں ہے جس کے بارے میں یہ کہا جا سکے کہ یہ ہمیشہ محفوظ رہے گی۔حتیٰ کہ قرآن پاک سے پہلے آنے والی آسمانی کتابیں بھی محفوظ نہ رہ سکیں، اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کو محفوظ رکھنے کی ذمہ داری خود لی ہے۔

**12۔تواتر کے اعتبار سے:**

قرآن پاک کا یہ اعجاز ہے کہ لاکھوں لوگ اس کو روز پڑھتے ہیں، اور مسلسل پڑھتے ہیں لیکن بوریت کا احساس نہیں ہوتا۔قرآن پاک کے علاوہ دنیا کی کوئی کتاب اس قدر تواتر سے نہیں پڑھی جاتی۔

**13۔سابقہ کتب کی تصدیق:**

قرآن کے علاوہ کسی کتاب کو یہ اعجاز حاصل نہیں ہوا، کہ وہ سابقہ کتب کی تصدیق کرے۔سابقہ کتب میں جو کچھ تھا قرآن نے ان کی تفصیل بیان کر دی۔قرآن پاک واحد کتاب ہے جس نے وحدت نسل انسانی کا پیغام دیا۔اور صرف قرآن پاک ہی وہ کتاب ہے جس نے اپنے اکمل ہونے کا دعویٰ کیا اور عالمگیریت کا دعویٰ کیا۔غرض قرآن پاک حفاظت کے اعتبار سے، تدوین کے اعتبار سے، تواتر کے اعتبار سے، عالمگیریت کے اعتبار سے، جامعیت کے اعتبار سے، علمیت کے اعتبار سے، عظمت کے اعتبار سے، کامیابی کے اعتبار سے واحد کتاب ہے۔جس کا کوئی ثانی نہیں اس لئے کہ یہ خالق کا کلام ہے۔اور کسی مخلوق کا کلام کسی بھی اعتبار سے خالق کے کلام کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

**********

# مسلمانوں پر قرآن پاک کے حقوق

قرآن پاک کے پانچ حقوق ہیں:

1۔ ایک یہ کہ اس کو مانے (ایمان، تعظیم)

2۔ ایک یہ کہ اس کو پڑھے (تلاوت، ترتیل)

3۔ ایک یہ کہ اس کو سمجھے (تذکر وتدبر)

4۔ ایک یہ کہ اس پر عمل کرے (حکم واقامت)

5۔ ایک یہ کہ اسے دوسروں تک پہنچانا (تبلیغ وتبین)

**1) پہلا حق:**

اسے مانے یعنی (ایمان لائے اور اس کی تعظیم کرے)

ماننے کا اصلی نام ایمان لانا ہے، اس کے دو پہلو ہیں،

اقرار باللسان

وتصدیق بالقلب

**1۔ اقرار باللسان:**

دائرہ اسلام میں داخل ہونے کی لازمی شرط ہے۔

**2۔ وتصدیق القلب:**

حقیقی ایمان کا لازمی جزو ہے، لیکن حقیقی ایمان اس وقت حاصل ہوتا ہے جب انسان کے قلب میں اسلام کی محبت اور دین کے تمام امور سما جائیں۔

**2) قرآن پاک کا دوسرا حق:**

اسے پڑھنا یعنی تلاوت وترتیل-

قرآن پاک کو پڑھنے کے لئے قرآن پاک میں تلاوت اور قرات دونوں لفظ آئے ہیں، لیکن قرآن پاک کے پڑھنے کے لئے اصل قرآنی اصطلاح تلاوت ہے۔ اس لئے کہ تلاوت کا لفظ صرف اور صرف آسمانی صحائف پڑھنے کے لئے خاص ہے، جبکہ قرات ہر چیز کے پڑھنے کے لئے عام ہے۔ قرآن پاک صرف ایک بار پڑھنے کی چیز نہیں بلکہ پڑھنے اور بار بار پڑھنے کی چیز ہے۔ ہمارے جسم کو زندہ رہنے کے لئے غذا کی ضرورت ہوتی ہے، ہمارا جسم، بدن اور روح پر مشتمل ہے۔ جسم یا بدن کے لئے مادی غذاؤں کی ضرورت ہوتی ہے اور روح کو زندہ رہنے کے لئے نوری غذا درکار ہوتی ہے۔ قرآن پاک تمام اذکار میں افضل ترین ذکر ہے اور یہ ہی روح کی غذا ہے۔

**تلاوت کے آداب:**

1۔ باوضو ہونا

2۔ قبلہ رُخ ہونا

3۔ دل کا قرآن اور صاحب قرآن دونوں کی عظمت سے مامور ہونا

4۔ حضور قلب اور رجوع اللہ کے ساتھ تلاوت کرنا

5۔ خالص طلب ہدایت کے لئے تلاوت کرنا

6۔ مسلسل تدبر اور تفکر کے ساتھ تلاوت کرنا

**3) قرآن پاک کا تیسرا حق:**

اسے سمجھنا اور غور وفکر کرنا یعنی تذکر وتدبر کرنا

جاننے اور پڑھنے کے بعد قرآن پاک کا تیسرا حق اسے سمجھنا ہے۔

''تذکر'' کے لئے قرآن پاک میں سورہ القمر آیت نمبر 17-22-40 میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے،

ترجمہ: ہم نے سیکھنے کے لئے قرآن پاک کو آسان کر دیا کوئی ہے جو اس کو سیکھے۔

یہ کہہ کر اللہ تعالیٰ نے انسان پر حجت تمام کر دی ہے۔ کہ خواہ کتنا ہی کم فہم انسان کیوں نہ ہو اگر وہ خلوص دل اور محبت سے قرآن پاک کو سمجھنا چاہے گا تو اس کا سادہ مفہوم وہ آسانی سے سمجھتا چلا جائے گا۔ فہم قرآن کا دوسرا مرتبہ تدبر ہے یعنی قرآن پاک کو گہرے غور و فکر کا موقع بنایا جائے۔

تذکر کے لحاظ سے قرآن پاک جتنا آسان ہے تدبر کے لحاظ سے اتنا ہی مشکل ہے، خواہ کتنا ہی اعلیٰ ترین استعداد کا مالک ہو، اور خواہ کتنی ہی محنت اور کاوش کیوں نہ کر لے ، اپنی عمر چاہے پوری کی پوری تدبر میں صرف کر دے یہ ممکن ہی نہیں ہو سکتا کہ کسی مرحلے پر پہنچ کر وہ سیر ہو جائے، اور وہ یہ خیال کر لے کہ اسے قرآن پاک کا فہم حاصل ہو گیا ہے۔ اس لئے نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا:

ترجمہ: ''یہ ایک ایسا خزانہ ہے جس کے عجائب کبھی بھی ختم نہیں ہوں گے اور جس پر غور و فکر سے انسان کبھی فارغ نہیں ہو سکتا''۔

## 4) قرآن پاک کا چوتھا حق:

عمل کرنا یعنی حکم و اقامت ماننے پڑھنے اور سمجھنے کے بعد قرآن پاک کا چوتھا حق مسلمان پر یہ ہے کہ اس پر عمل کرے۔ قرآن پاک کا مقصد نزول ہی صرف اور صرف یہ ہے اس پر عمل کیا جائے۔ اس کا جتنا علم انسان کو حاصل ہوا ہے وہ ساتھ ساتھ اپنے اعمال و افعال، عادات و اطوار، سیرت و کردار کا جزو بنا تا جائے۔ قرآن پاک کا یہ وہ حق ہے جو ہر مسلمان پر اس کی انفرادی حیثیت میں اور امت پر ان کی اجتماعی حیثیت میں عائد ہوتا ہے۔ اور جس کی ادائیگی کی فکر ہم میں سے ہر ایک کو انفرادی طور پر اور امت کو اجتماعی طور پر کرنی چاہئے۔

## 5) قرآن کا پانچواں حق:

اسے دوسروں تک پہنچانا یعنی تبلیغ و تبین، جاننے سمجھنے پڑھنے اور عمل کرنے کے بعد قرآن پاک کا ایک حق یہ بھی ہے کہ اسے دوسروں تک پہنچایا جائے۔ قرآن پاک کی اصطلاح میں اس کام کو تبلیغ کہا جاتا ہے۔ تبلیغ کے مدارج اور مراتب بہت سے ہیں۔ امت مسلمہ پر یہ ذمہ داری مجموعی طور پر عائد ہوتی ہے۔ کہ قرآن پاک کا متن اور اس کا مفہوم تمام دنیا تک پہنچا دیا جائے۔

غرض تبلیغ کا مطلب پہنچا دینا، اور تبین کا مطلب وضاحت کرنا۔ تبین (وضاحت کرنا) کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ ہر قوم کو اس کی آسان زبان اور آسان محاورے یعنی عام زبان اور سہل انداز سے قرآن پاک کا سرسری سا مفہوم واضح کر دیا جائے۔ عام زبان سے مراد اس قوم کی اپنی زبان ہے۔

تبین قرآن، قوم کی اپنی زبان میں زیادہ واضح اور بہتر طریقے سے ہو سکتی ہے۔ اس کا آخری درجہ یہ ہے کہ اس کتاب الٰہی کی علمی حکمت اور اس کے مضمرات اور مقدارات کو کھول کھول کر بیان کر دیا جائے۔ اور قرآن پاک کے حق کی ادائیگی کا اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ عالم اسلام میں جا بجا اکیڈمیاں اور یونیورسٹیاں قائم کی جائیں جن کا مرکزی موضوع قرآن پاک ہو۔ اس کے ذریعے اعلیٰ ترین علمی سطح پر قرآن مجید کی ہدایت کی وضاحت کی جائے۔

**********

# غرائب القرآن

## غرائب القرآن:

غرائب القرآن سے مراد ایسے الفاظ ہیں جو نسبتاً اجنبی اور غیر مانوس ہوتے ہیں، غرائب القرآن کی بنیاد دو چیزوں پر ہے۔

## لغت عرب:

غرائب قرآن کے معنی لغت عرب سے تلاش کئے جاتے ہیں۔

## سیاق وسباق:

جملہ کے سیاق وسباق اور دوسرے الفاظ کی مناسبت سے غرائب کے معنی متعین کئے جاتے ہیں۔

غرائب قرآن میں اختلاف اس لئے پیدا ہوتا ہے کیونکہ،

1۔ عربی کا ایک لفظ متعدد اور مختلف معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔

2۔ لوگوں (مفسرین) کی عقلوں کا معیار جدا جدا اور مختلف ہوتا ہے۔

جب مفسرین کسی خاص لفظ کے متعدد اور مختلف معنوں سے کسی ایک معنی کا تعین کرنا چاہتے ہیں تو وہ اپنی عقل کے اعتبار سے مختلف نتائج تک پہنچتے ہیں، لہذا انکے اقوال میں اختلاف پیدا ہوتا ہے۔

ایک انصاف پسند مفسر کو قرآن پاک کے غرائب الفاظ کی شرح کو دو حیثیتوں سے جانچنا چاہیئے۔

1۔ اہل عرب نے لفظ کو جتنے معنی میں استعمال کیا ہے ان سب پر غور کر کے دیکھنا چاہئے کہ ان میں سے کونسا لفظ زیادہ قابل ترجیح ہے۔

2۔ سیاق وسباق کے حوالے سے دیکھنا چاہئے کہ جملے میں کونسا معنی مناسب نظر آتا ہے۔

## غریب آیات:

شاہ ولی اللہؒ کے نزدیک غرائب آیات کی نشانی یوں ہے:

1۔ تذکیر الا باللہ کے ضمن میں غرائب آیات وہ ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کی صفات کا بڑا مجموعہ ہے، مثلاً آیت الکرسی، سورہ اخلاص، سورہ الحشر کی آخری آیات اور سورہ مومن کی پہلی آیات۔

2۔ تذکیر بایام اللہ میں غرائب آیات وہ ہوں گی جن میں کوئی قلیل الذکر قصہ بیان کیا گیا ہو یا کسی قصہ کو اس کی تفصیل سے ذکر کیا گیا ہو، یا کسی ایسے واقعے کو حصول عبرت کے متعدد پہلوؤں میں بیان کیا گیا ہو۔

3۔ تذکیر بالموت اور مابعد الموت کے ضمن میں غرائب آیات وہ ہیں جو کہ حیات قیامت کے لئے جامع ہو مثلاً سورہ الشّمس۔

4۔ علم احکام میں غرائب آیات وہ ہے جو حدود کے بیان اور وضع خاص کے تعلق پر مشتمل ہو مثلاً حدِ زنا میں سو دروں کا تعین۔

5۔ علم مخاصمہ میں غرائب آیات وہ ہیں جس میں جواب ایسے عجیب وغریب اسلوب پر بیان کیا جائے جو کہ شبہ کو نہایت کامل طریقے سے دور کر دے، یا اس میں فریق مقابل کے حال کو ایک واضح مثال سے بیان کیا گیا ہو۔

**********

# آداب قرآن

1۔ قرآن پاک پڑھنے سے پہلے وضو کرنا۔

2۔ قرآن پاک پڑھنے سے پہلے مسواک کرنا، اگر ہو سکے تو خوشبو لگانا۔

3۔ جس جگہ قرآن پاک پڑھا جائے وہاں تمباکو نوشی نہ کی جائے، یا ایسی جگہ نہ ہو جہاں بدبو آتی ہو۔

4۔ قرآن پاک کھولنے سے پہلے اور بند کرنے کے بعد چومنا۔

5۔ تلاوت سے پہلے تعوذ اور تسمیہ پڑھنا۔

6۔ تلاوت کے وقت پاؤں سمیٹ کر بیٹھنا۔

7۔ تلاوت کے وقت کپڑوں کا صاف ہونا۔

8۔ قرآن پاک اونچی جگہ رحل وغیرہ پر رکھ کر تلاوت کرنا۔

9۔ خوش الحانی سے تلاوت کرنا۔

10۔ معنی اور مطالب پر غور کرنا۔

11۔ ٹھہر ٹھہر کر تجوید اور قرات کے ساتھ تلاوت کرنا۔

12۔ بلا ناغہ تلاوت کرنا۔

13۔ قرآن پاک کی آیات کو دیکھ کر تلاوت کرنا۔

14۔ دوران تلاوت خوف خدا کا غلبہ رہنا۔

15۔ خوشی اور سرور کے ساتھ تلاوت کرنا۔

16۔ قرآن پاک کی تلاوت کو کمائی کا ذریعہ نہ بنانا۔

17۔ قرآن پاک کو یاد کرنے کے بعد اسے بھلا نہ دینا۔

18۔ جہاں قرآن پاک کی بے حرمتی کا اندیشہ ہو وہاں قرآن پاک کو نہ لے کر جانا۔

19۔ دوسروں کی تلاوت میں خلل نہ ڈالنا۔

20۔ شور وغل کی جگہ، بازاروں اور میلوں میں تلاوت قرآن پاک نہ کرنا۔

21۔ جہاں زیادہ آدمی ہوں وہاں پست آواز سے تلاوت کرنا۔

22۔ دوران تلاوت دنیا کی گفتگو نہ کرنا۔

23۔ اگر مختصر وقت کے لئے بھی اٹھنا پڑے تو تب بھی قرآن پاک کو کھلا ہوا نہ چھوڑنا۔

24۔ دوران تلاوت جمائی کو حد درجہ روکنا (دانتوں کو بھینچ کر اور منہ پہ ہاتھ رکھ کے)

25۔ روزمرہ زندگی میں قرآنی آیات کو غلط کاموں میں استعمال نہ کرنا۔

26۔ قرآن پاک لیتے وقت یا دیتے وقت دونوں ہاتھ استعمال کرنا۔

27۔ قرآنی آیات کے مطابق دعا کرتے جانا، یعنی جنت کی خوشخبری والی آیات کے بعد جنت میں جانے کی دعا اور عذاب والی آیات کے بعد جہنم سے بچنے کی دعا۔

28۔ تلاوت قرآن کو ختم کرنے کے بعد صدق اللہ العظیم اللہ نے سچ فرمایا ہے پڑھنا ہے۔

29۔ ختم قرآن پاک کے ساتھ ہی آغاز قرآن کرنا۔

30۔ قرآن پاک کو سب کتابوں کے اوپر رکھنا۔

31۔ قرآن پاک کے اوپر کچھ نہ رکھنا یعنی پنسل یا عینک وغیرہ۔

32۔ قرآن پاک کے بوسیدہ اوراق کو دفن کرنا۔

33۔ قرآن پاک کی کسی آیت کو تھوک سے نہ مٹانا۔

34۔ قرآن پاک پڑھ کر دم کئے ہوئے پانی کو کسی ناپاک جگہ پر نہ گرانا۔

35۔ قرآن پاک کو حرام کمائی کی سیاہی سے نہ لکھنا۔

36۔ طالب علموں کے نزدیک بلند آواز سے تلاوت نہ کرنا۔

37۔ کسی سے بھی قرآن پاک پکڑتے وقت تعظیماً اٹھنا۔

38۔ سر ڈھانپ کر تلاوت کرنا۔

39۔ تلات قرآن پاک کو تمام اذکار سے افضل جاننا۔

40۔ افادیت قرآن لوگوں کو بتانا، مثلاً قرآن پاک میں شفاء ہے، سکون ہے لوگوں کو آیات شفاء اور آیات سکینہ کا بتانا۔

41۔ آیات سجدہ پر ہی سجدہ کرنا۔

42۔ قرآن پاک کی قوت اور تاثیر پر یقین کامل ہونا، یعنی یہ کہ اس میں شفاء ہے۔ قرآنی آیات طاقت قوت اور سکون دے سکتی ہیں۔ اور یہ کہ تلاوت قرآن پاک سے مصیبتیں ٹلتی ہیں۔

43۔ قرآن پاک کو شفاعت کا ذریعہ سمجھنا۔

44۔ اگر کوئی لفظ قرآن پاک میں سے سمجھ نہ آ رہا ہو تو غلط پڑھنے کی بجائے کسی سے پوچھ لینا۔

45۔ غور و توجہ سے تلاوت کرنا۔

46۔ دوسروں کی تلاوت میں خلل پیدا نہ کرنا۔

47۔ قرآن پاک کو تکیہ نہ بنانا۔

48۔ قرآن پاک کے ظاہری اور باطنی معنوں اور اس کے عجائب پر غور و فکر کرنا۔

49۔ بے وضو حالت میں ہم جلد کے باہر کپڑے سے قرآن پاک کو پکڑ سکتے ہیں۔ لیکن الفاظ کو ہاتھ نہیں لگا سکتے۔

اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں فرماتا ہے: (سورۃ الواقعہ، آیت نمبر 79)

لَّا يَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ۝

ترجمہ: "اس کو نہیں چھوتے مگر پاک لوگ"۔

50۔ قرآن پاک کو اس یقین کے ساتھ پڑھا جائے کہ یہ رب العالمین کا کلام ہے، اور وہ مجھے محبت سے دیکھ رہا ہے، اور یہ کہ یہ کلام ہر طرح کے شک و شبہ سے بالاتر اور سو فی صد سچ ہے۔ اس کے احکام محکم اٹل اور مضامین میں خیر ہی خیر ہے۔ اس کا پڑھنا باعث برکت اور اس پر عمل کرنے میں دونوں جہاں کی فلاح ہے۔

51۔ یہ خیال روح پرور ہے کہ قرآن پاک کے الفاظ سب سے پہلے حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے مبارک ہونٹوں سے نکلے تھے۔ جنہیں رب تعالیٰ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کی وساطت سے آپ ﷺ خاتم النبیین ﷺ کے قلب مبارک پر نازل کیا، اور آپ نے نہایت محبت اور شفقت سے صحابہ اکرامؓ کو سکھایا۔ تاکہ قیامت تک آنے والے انسان اس کے مطابق اپنی زندگی گزار کر دوزخ کی آگ سے بچ سکیں۔

مشائخ نے تلاوت کے چھ آداب ظاہری اور چھ باطنی تحریر فرمائے ہیں۔

**ظاہری آداب:**

1۔ اول نہایت احترام سے باوضو قبلہ رو ہو کر بیٹھنا۔

2۔ ترتیل اور تجوید سے پڑھے۔

3۔ آیات عذاب پر رونے کی سعی کرے۔

4۔ آیات رحمت پر دعا کرے کہ اللہ اس پر بھی رحمت نازل کرے۔

5۔ ریاکاری سے بچے۔

6۔ خوش الحانی سے پڑھے۔

**باطنی آداب:**

1۔ کلام پاک کی عظمت دل میں رکھے۔

2۔ اللہ تعالیٰ کا تقدس رفعت کبریائی کا خیال رکھے۔

3۔ دل کو وسوسوں سے پاک رکھے دھیان صرف قرآن پاک میں ہو۔

4۔ معنی میں تدبر کرے۔

5۔ جن آیات کی تلاوت کی جارہی ہے دل کو ان کا تابع بنادے مثلاً اگر آیت رحمت ہے تو دل مسرور ہو، اور اگر آیات عذاب ہے تو دل خوف سے لرزنے لگے۔

6۔ کانوں کو اس درجہ متوجہ کردے کہ گویا خود اللہ تعالیٰ کلام فرمارہے ہیں۔

حضرت علیؓ نے فرمایا:

ترجمہ: "جب میں اللہ تعالیٰ سے باتیں کرنا چاہتا ہوں تو میں نماز پڑھنے لگتا ہوں اور جب میرا دل چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھ سے باتیں کرے تو میں قرآن پاک پڑھنے لگتا ہوں"۔

**********

# قرآن مجید کا ترتیل سے پڑھنا

قرآن پاک سورہ مزمل، آیت نمبر 4 میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ورتل القران ترتیلا

ترجمہ: ''اور صاف صاف پڑھ قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر''۔

ترتیل کے متعلق شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے اپنی تفسیر میں تحریر فرمایا ہے "ترتیل لغت میں صاف اور واضح طور سے پڑھنے کو کہتے ہیں اور شریعت میں کئی چیزوں کی رعایت کے ساتھ تلاوت کرنے کو کہتے ہیں:

۱۔ اوّل حرفوں کو صحیح نکالنا یعنی مخرج سے پڑھنا تاکہ ''طا'' کی ''تا'' اور ''ضاد'' کی جگہ ظا نہ نکلے۔

۲۔ دوسرے وقوف کی جگہ پر اچھی طرح سے ٹھہرنا تاکہ وصل اور قطع کلام کا بے محل نہ ہو جائے۔

۳۔ تیسرے حرکتوں میں اشباع کرنا یعنی زیر، زبر، پیش کو اچھی طرح سے ظاہر کرنا۔

۴۔ آواز کو تھوڑا سا بلند کرنا تاکہ کلام پاک کے الفاظ زبان سے نکل کر کانوں تک پہنچیں اور وہاں سے دل پر اثر کریں۔

۵۔ آواز کو اس طرح سے درست کرنا کہ اس میں درد پیدا ہو کیونکہ درد والی آواز دل پر جلد اثر کرتی ہے اور جب دل متاثر ہوتا ہے تو اس سے روح کو قوت اور تاثیر زیادہ ہوتی ہے۔ اس وجہ سے اطبا نے کہا ہے "جس دوا کا اثر دل تک پہنچانا ہو اس کو خشبو میں ملا کر دیا جائے کہ دل اس کو جلدی کھینچتا ہے اور جس دوا کا اثر جگر میں پہنچانا ہو تو اس کو شرینی میں ملایا جائے اس لیے کہ جگر مٹھائی کا جاذب ہے"۔ اس لیے اگر تلاوت کے وقت خوشبو کا خاص استعمال کیا جائے تو دل پر تاثیر میں زیادہ تقویت ہوگی۔

۶۔ تشدید اور مد کو اچھی طرح ظاہر کیا جائے کہ اس کے اظہار سے کلام پاک میں عظمت ظاہر ہوتی ہے اور تاثیر میں اعانت ہوتی ہے۔

۷۔ آیت رحمت اور آیت عذاب کا حق ادا کیا جائے۔

یہ سات چیزیں ہیں جن کی رعایت ترتیل کہلاتی ہے اور ان سب کا مقصد صرف ایک ہے یعنی کلام پاک کا فہم و تدبر۔

حضرت ام المومنین ام سلمہؓ سے کسی نے پوچھا" حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کلام پاک کس طرح پڑھا کرتے تھے"؟ انہوں نے کہا" سب حرکتوں کو بڑھاتے تھے، یعنی زیر، زبر، پیش وغیرہ کو پورا نکالتے تھے اور ایک ایک حرف الگ الگ ظاہر ہوتا تھا"۔

ترسیل سے تلاوت کرنا مستحب ہے اگر معنی نہ سمجھتا ہو۔

ابن عباسؓ کہتے ہیں "میں ترتیل سے سورہ القارعۃ اور سورہ الزلزلۃ پڑھوں اس سے بہتر ہے کہ میں بلا ترتیل سورہ بقرہ اور آل عمران پڑھوں"۔

مشائخ کے نزدیک قرآن پاک کی ہر کا آیت ایک درجہ ہے۔ پس ہر شخص سے کہا جائے گا کہ جنت کے درجات پر اپنی تلاوت کے بقدر چڑھتے جاؤ تو جو شخص پورا قرآن پڑھ لے گا وہ جنت کے اعلیٰ درجے پر پہنچ جائے گا اور جس شخص نے کچھ حصہ پڑھا ہوا ہوگا وہ اس کے بقدر درجات پر پہنچے گا۔

جمع الفوائد میں طبرانی سے نقل کیا گیا ہے کہ حضرت انسؓ نے حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے ''جو شخص اپنے بیٹے کو ناظرہ قرآن پاک سکھا دے اس کے سب اگلے اور پچھلے گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور جو شخص حفظ کرائے اس کو قیامت میں چودھویں رات کے چاند کے مشابہ اٹھایا جائے گا اور اس کے بیٹے سے کہا جائے گا کہ پڑھنا شروع کر جب بیٹا ایک آیت پڑھے گا تو باپ کا ایک درجہ بلند کیا جائے گا حتیٰ کہ اسی طرح مکمل قرآن پاک کی تلاوت ہو جائے گی"۔ (جمع الفوائد)

**********

# تلاوت قرآن عزیز (حصہ اوّل)

اللہ تعالیٰ کا یہ بڑا احسان بندوں پر ہوا کہ اپنے نبی کریم خاتم النبیین ﷺ سے ان کو شرف بخشا اور نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کو ایسی ایک کتاب دے کر اپنے بندوں میں بھیجا کہ جس میں تفصیل احکام اور تفریق حلال وحرام کی پہچان کرائی گئی۔ جس نے اس کے مخالف کسی اور کتاب میں علم کو طلب کیا وہ حکم الٰہی سے گمراہ ہوا اور جو اس کے مخالف ہوا اس کی کمر اللہ تعالیٰ نے توڑ دی۔ حبل متین اور نور مبین اور عروہ ثقیٰ اس کا نام ہے اور قلیل وکثیر اور صغیر کبیر پر حاوی ہونا اس کا کام، نہ اس کے عجائب اور غرائب کی کوئی حد اور نہ اہل علم کے نزدیک اس کے خواند کی کوئی حد تلاوت والوں کے نزدیک زیادہ پڑھنے سے پرانی نہیں ہوئی۔ بلکہ ہر بار لذت جدید دیتی ہے۔ یہ وہ کتاب ہے کہ جب اس کو جنوں نے سنا تو اپنی قوم کی طرف فوراً رجوع کیا اور کہا کہ ہم نے قرآن عجیب سنا۔ سمجھاتا ہے نیک راہ ہم اس پر یقین لائے یہ وہ کتاب ہے کہ ہدایت کی طرف بلاتی ہے اور کہتی ہے کہ ایک اللہ کے ساتھ کسی کو شریک عبادت نہ کرو، اور ہم ہرگز نہ شریک بنائیں گے اپنے رب کا جو اس پر ایمان لایا وہی صاحب توفیق ہے اور جو اس کا قائل ہوا وہی اہل تصدیق جس نے اس پر عمل کیا اس کو ہدایت ملی اور جس نے اس کو سمجھا اس نے سعادت وفلاح پائی اور اللہ تعالیٰ نے اس کے بارے میں فرمایا کہ:

ترجمہ: ''ہم نے ہی یہ اپنا ذکر اتارا ہے اور ہم خود اس کی حفاظت کریں گے''۔ (سورۃ الحجر، آیت نمبر ۹)

## تلاوت قرآن کی فضیلت:

**حدیث:**

نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا:

ترجمہ: '' بے شک یہ قرآن شفاعت کرنے والا، شفاعت قبول کیے جانے والا اور سچ بولنے والا جھگڑالو ہے''۔ (أخرجہ عبد الرزاق فی المصنف، 3 / 373، الرقم: 6011، وابن ابی شیبہ فی المصنف، 7 / 258، الرقم: 35859.)

**حدیث:**

نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا:

افضل عبادۃ امتی تلاوۃ القرآن۔

ترجمہ: ''میری امت کی بہترین عبادت قرآن پاک ہے''۔ (شعب الایمان للبیہقی، ج ۲ ص ۳۵۴ حدیث ۲۰۲۲)

یا آسان لفظوں میں میرے امتی کے لیے افضل عبادت تلاوت قرآن پاک ہے۔

**حدیث:**

نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا کہ:

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ نے خلق کو پیدا کرنے سے ہزار سال پہلے سورہ طٰہٰ اور یٰسین پڑھی'' جب فرشتوں نے قرآن پاک کو سنا تو کہا کہ ''وہ امت خوش نصیب ہے جس پر یہ اترے گا اور خوشحالی ہے ان دلوں کے لیے جو اس کو یاد کریں گے اور خوشحالی ہے ان زبانوں کے لیے جو اس کو پڑھیں گے''۔ (مشکوۃ المصابیح، جلد 1، حدیث نمبر 2148)

**حدیث:**

نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا:

ترجمہ: ''تم میں سے بہتر وہ ہے جو قرآن کو سیکھے اور سیکھائے''۔ (جامع الترمذی، جلد 3، حدیث نمبر 2907۔ سنن ابی داؤد، جلد 2 حدیث نمبر 1452)

**حدیث:**

نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

ترجمہ: ''جس شخص کو قرآن کا پڑھنا مجھ سے سوال کرنے اور دعا کے مانگنے سے روکتا ہے میں اس کو مانگنے والوں سے بہتر عنایت کرتا ہوں۔ اللہ کے کلام کی فضیلت دوسرے

کلام پر ایسی ہے جیسے اللہ کی فضیلت اس کی اپنی ساری مخلوقات پر ہے''۔(جامع ترمذی،جلد 3،حدیث نمبر 2926)

**حدیث:**

نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا:

ترجمہ:''قیامت کے دن تین شخص مشک کے ٹیلوں پر ہوں گے نہ ان کو کوئی خوف ہوگا اور نہ ان سے حساب لیا جائے گا یہاں تک کہ لوگوں کے درمیان کے معاملہ سے فراغت ہوں۔ان میں سے ایک شخص وہ ہے کہ جس نے قرآن پاک اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے پڑھا اور لوگوں کا امام ہوا''۔(اتبیان،ص 32-اھل اللہ خالصۃ ابن ماجہ)

**حدیث:**

نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا:

**اھل قرآن اھل اللہ خاصۃ**

ترجمہ:''قرآن پڑھنے پڑھانے والے،اللہ والے اوراس کے خاص لوگ ہیں۔''(سنن ابن ماجہ،جلد 1،حدیث نمبر 215)

**حدیث:**

آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا:

ترجمہ:''دل کولوہے کی طرح سے زنگ کھا جاتا ہے''۔ کسی نے عرض کیا''یا رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ اس دل کو چمکانے کی کیا چیز ہے''؟ آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''قرآن پاک کی تلاوت اورموت کو یاد کرنا''۔(مشکوۃ المصابیح،جلد 1،حدیث نمبر 2168)

**حدیث:**

نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا:

ترجمہ:''اللہ تعالیٰ خوش الحان شخص کے قرآن پاک کو اس طرح سنتا ہے جس طرح ایک مالک اپنی خوش الحان باندی کے گانے کو (رغبت سے) سنتا ہے۔''(ابن ماجہ،حدیث نمبر 1340)

حضرت ابوامامہؓ فرماتے ہیں''قرآن کو پڑھو اور یہ گھروں میں رکھے ہوئے قرآن تم کو مغالطہ نہ دیں یعنی اس پر بس مت کرو کہ قرآن ہمارے پاس موجود ہے۔''فرمایا کہ''اللہ تعالیٰ اس دل کو عذاب نہیں کرتا جو قرآن کا ظرف (برتن) ہو''۔

حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ''جب تم علم کا ارادہ کرو تو قرآن کے علم کو حاصل کرو کہ اس میں اگلے اور پچھلے تمام علوم موجود ہیں''۔ یہ بھی انہی کا قول ہے کہ قرآن پڑھو اس کے ہر حرف پر دس نیکیوں کا ثواب ہے اور میں یہ نہیں کہتا کہ الم ایک حرف ہے بلکہ''ا''ایک حرف''ل''ایک اور''م''ایک حرف ہے''۔

جوشخص قرآن سے محبت رکھتا ہے اور قرآن اس کو اچھا لگتا ہے تو اللہ اور اس کے رسول سے محبت رکھتا ہو اور جو قرآن سے محبت نہ رکھتا ہو تو اللہ اور اس کے رسول خاتم النبیین ﷺ سے محبت نہ رکھتا ہوگا۔

عمرو بن العاصؓ فرماتے ہیں''قرآن کی ہر ایک آیت جنت کا ایک درجہ ہے۔تمہارے گھروں کا چراغ ہے اور کہا کہ جو شخص قرآن کو پڑھتا ہے اس کے دونوں پہلو میں نبوت درج ہو جاتی ہے۔بس اتنا فرق ہے کہ اس پر وحی نہیں آتی''۔

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں''جس گھر میں قرآن پڑھا جاتا ہے وہ گھر لوگوں پر وسیع ہو جاتا ہے۔اس کی خیر زیادہ ہو جاتی ہے۔فرشتے اس میں داخل ہو جاتے ہیں اور شیاطین اس سے نکل جاتے ہیں اور جس گھر میں قرآن نہیں پڑھا جاتا وہ گھر لوگوں پر تنگ ہو جاتا ہے اس کی خیر کم ہو جاتی ہے۔فرشتے اس میں سے چلے جاتے ہیں اور شیاطین اس میں داخل ہو جاتے ہیں''۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں''میں نے اللہ تعالیٰ کو خواب میں دیکھا اور عرض کیا کہ''الٰہی جن چیزوں سے تقرب کے طالب تیرا قرب حاصل کرتے ہیں ان میں سے افضل کون سی چیز ہے''فرمایا''احمد سب سے افضل میرے کلام سے تقرب چاہنا ہے''میں نے عرض کیا'' الٰہی سمجھنے کے ساتھ یا بغیر سمجھے''فرمایا''دونوں طرح''۔

اورمحمد بن کعب قرظیؒ نے فرمایا کہ''قیامت کے روز جب آدمی قرآن پاک کو اللہ تعالیٰ سے سنیں گے تو معلوم ہوگا گویا یہ پہلے کبھی نہیں سنا تھا''۔

حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں'' جب آدمی قرآن پاک پڑھتا ہے تو فرشتہ اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ دیتا ہے''۔

عمرو بن میمونؒ کہتے ہیں'' جو شخص صبح کی نماز کے بعد قرآن کھول کر پڑھ لیتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو تمام دنیا والوں کے عمل کے برابر ثواب عنایت فرماتے ہیں''۔

حضرت حسن بصریؒ کا قول ہے'' بخدا قرآن سے بڑھ کر کوئی توانگری نہیں اور اس کے بعد کوئی محتاجی نہیں''۔

اور فضیلؒ فرماتے ہیں کہ'' جو شخص سورہ حشر کا آخر صبح کے وقت پڑھے اور اس روز مر جائے تو شہیدوں کی مہر اس کے لیے لگے گی اور جو کوئی اس کو شام کو پڑھے اور رات میں مرے تو اس کا بھی یہی حال ہوگا''۔

اور قاسم بن عبدالرحمٰنؒ کہتے ہیں کہ میں نے ایک عابد سے پوچھا'' کہ یہاں کوئی ایسا نہیں ہے کہ جس سے تم کو اُنس ہو''؟ تو اس نے اپنا ہاتھ قرآن پاک کی طرف بڑھا کر اس کو اپنی گود میں رکھ لیا اور کہا'' یہ اُنس ہے''۔

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ'' تین چیزیں ہیں کہ جن سے حافظہ زیادہ ہوتا ہے اور بلغم دور کرتی ہیں۔ اول مسواک کرنا، دوم روزہ رکھنا، سوم قرآن پاک پڑھنا''۔

## غفلت سے تلاوت کی مذمت :

### حدیث:

آنحضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

ترجمہ:'' اس امت کے اکثر منافق قاری ہوں گے''۔ (السلسلۃ الصحیحۃ، حدیث نمبر 2439)

حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ'' بہت سے لوگ قرآن پاک کی تلاوت کرتے ہیں حالانکہ قرآن ان کو لعنت کرتا ہے کیونکہ حلال حرام کا خیال نہیں کرتا''

اور حضرت میسرہؒ نے فرمایا کہ'' بدکار آدمی کے پیٹ میں قرآن مسافر اور بیکس ہے''۔

ابوسلیمانؒ دارانی فرماتے ہیں'' جب قرآن کے حافظ قرآن پڑھنے کے بعد اللہ کی نافرمانی کریں تو دوزخ کے فرشتے بت پرستوں کی نسبت ایسے ہی حافظوں کو جلد پکڑیں گے''۔

بعض علماء کا قول ہے'' انسان جب قرآن پڑھتا ہے اور پھر کوئی اور گفتگو اس میں ملا لیتا ہے تو پھر قرآن پڑھتا ہے اور ایسا ہی کرتا رہتا ہے تو اس سے کہا جاتا ہے تجھ کو ہمارے کلام (کا کیا فائدہ ہے) سے کیا علاقہ''؟

حضرت ابن مسعودؓ کا قول ہے کہ'' حافظ قرآن خاموشی اور نرمی زیادہ رکھتا ہے۔ اس کو چاہیے کہ جفا کار، بات کو کاٹنے والا اور شور مچانے والا اور سخت نہ ہو''۔

بعض سلف کا قول ہے کہ'' ایک شخص قرآن شروع کرتا ہے اور فرشتے اس کے لیے دعائے رحمت کرتے ہیں یہاں تک کہ اس سورۃ کو تمام کرے اور بعض بندے سورۃ شروع کرتے ہیں اور فرشتے اس پر لعنت کرتے رہتے ہیں یہاں تک کہ وہ اس سورۃ کو تمام کرے''۔ کسی نے پوچھا '' یہ صورت کس طرح ہوتی ہے؟''۔ فرمایا کہ:'' جب حلال کو حلال جانے گا اور حرام کو حرام تب اس پر رحمت بھیجتے ہیں ورنہ لعنت کرتے ہیں''۔

بعض علماء نے فرمایا کہ'' آدمی قرآن کی تلاوت کرتا ہے اور نادانستہ اپنے آپ کو لعنت کرتا ہے یعنی کہتا ہے **الا لعنۃ اللہ علی الکاذبین** (یعنی جان لو کہ اللہ کی لعنت ہے جھوٹوں پر) اور خود جھوٹا ہونے کی وجہ سے لعنت میں رہتا ہے''۔

حضرت حسن بصریؒ کا قول ہے کہ'' پہلے لوگ رات کو قرآن پاک پر غور کرتے اور دن میں ان باتوں پر عمل کرتے''۔

توریت میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے'' اے میرے بندے تجھے مجھ سے شرم نہیں آتی کہ اگر تو راہ میں ہوتا ہے اور تیرے کسی بھائی کا خط تجھ کو ملتا ہے تو تو راہ سے ہٹ کر کنارے پر کھڑا ہو جاتا ہے اور ایک ایک حرف کو سمجھ کر پڑھتا ہے۔ یہاں تک کہ کوئی ایسا حرف نہیں رہتا جو تم کو سمجھ نہ آیا ہو۔ میں نے اپنی کتاب تیرے لیے اتاری اور ایک ایک بات کا کئی کئی بار ذکر کیا تا کہ تو اس کے طول و عرض کو سمجھے گا۔ مگر تو اس سے روگردانی کرتا ہے بھلا میں تیرے نزدیک تیرے بھائی سے گیا گزرا ہوں کہ اس کے خط کو تو غور دے کر پڑھتا ہے اور میری کتاب کو لاپرواہی سے۔ اے میرے بندے اگر تیرا کوئی بھائی تیرے پاس آ بیٹھتا ہے تو اس کی طرف توجہ دے کر گفتگو سنتا ہے اگر کوئی بول اٹھتا ہے یا کوئی اور کام تجھ کو پیش ہوتا ہے تو تو اسے اشارہ کر دیتا ہے کہ ٹھہرو۔ اے انسان میں تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں اور تجھ سے باتیں کرتا ہوں اور تو اپنے دل سے میری طرف متوجہ نہیں ہوتا''۔

## تلاوت کے آداب:

باوضو اور ادب اور وقار کی صورت پر کھڑا ہو یا بیٹھا اور قبلہ رخ گردن جھکائے ہوئے ہو نہ چار زانوں ہو نہ تکیہ لگائے، نہ تکبر کی صورت پر بیٹھا ہو اور تنہا اس طرح بیٹھے جیسے استاد کے سامنے بیٹھتے ہیں۔ اور سب حالتوں سے بہتر یہ ہے کہ قرآن پاک کو نماز کے اندر کھڑا ہو کر پڑھے۔ یہ تلاوت افضل اعمال میں سے ہے۔ اگر قرآن پاک کو باوضو لیٹ کر پڑھے گا تب بھی ثواب ملے گا لیکن وہ ثواب نہ ہوگا جو وضو سے کھڑے ہو کر ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے (سورۃ آلِ عمران، آیت نمبر-191)

الذین یذکرون اللہ قیاماً و قعودا و علی جنوبھم ویتفکرون فی خلق السموت الارض

ترجمہ: ''جو اللہ تعالیٰ کا ذکر کھڑے اور بیٹھے اور اپنی کروٹوں پر لیٹے ہوئے کرتے ہیں اور آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں غور و فکر کرتے ہیں''۔

اس آیت میں تعریف سب حالتوں کی فرمائی گئی ہے مگر اول ذکر قیام کا ہوا اس کے بعد قعود کو اس کے بعد لیٹنے کو۔

حضرت علیؓ نے فرمایا کہ ''جو شخص قرآن کی تلاوت نماز کے اندر کھڑا ہو کر کرے۔ اس کو ہر حرف کے بدلے 100 نیکیوں کا ثواب ہوگا اور جو شخص نماز کے اندر بیٹھ کر قرآن پڑھے اس کو ہر حرف پر پچیس کا ثواب پائے گا اور جو شخص بے وضو پڑھے گا تو دس نیکیاں ملیں گی اور رات کو اگر قیام ہو تو سب میں بہتر ہے کہ رات کے وقت دل کو جمعیت خوب ہوتی ہے''۔

حضرت ابوذر غفاریؓ فرماتے ہیں ''کہ سجدوں کی کثرت دن کو ہوتی ہے اور زیادہ کھڑا رہنا رات کو اگر قرآن پاک دن کے وقت ختم ہوتا ہے۔ پورا دن فرشتے قاری پر رحمت بھیجتے ہیں اور اگر رات کے شروع میں ہوتا ہے تو رات بھر فرشتے قاری پر رحمت بھیجتے ہیں اور مقدار قرات کے تفصیل یہ ہے کہ اگر پڑھنے والا عابد ہو اور طریق اخرت کو عمل کے ذریعہ سے طے کرنا چاہتا ہے تو اس کو چاہیے کہ ایک ہفتہ میں دو ختموں سے کم کرے اور اگر دل کے اعمال سے طے کرتا ہے یا علم کے پڑھانے میں مصروف رہتا ہے تو اگر ایک ہفتہ میں ایک ہی ختم پر اکتفا کرے گا۔ تب بھی مضائقہ نہیں اور اگر قرآن کے معنی میں غور کرتا ہے۔ تو اس کو ایک مہینہ میں ایک ہی ختم کافی ہے۔ اس لیے کہ اس کو پہلے پڑھنے اور پھر معنی پر دل ہی دل میں غور کرنے کی عادت ہے۔ اس لیے قرآن پاک کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھنا مستحب ہے کیونکہ ٹھہر کر پڑھنے سے تفکر میں مدد ملے گی۔ اس کے ساتھ ہی قرات کے ساتھ رونا مستحب ہے''۔

آنحضرت خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا کہ ''قرآن پڑھو اور رویا کرو اور اگر رو نہ سکو تو رونی سی صورت ہی بنا لو''-(ابن ماجہ)

حضرت صالحؒ سے مروی ہے کہ ''میں نے آنحضرت خاتم النبیین ﷺ کے سامنے خواب میں قرآن مجید پڑھا تو آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا یہ تو قرات ہوئی ہے رونا کہاں ہے؟''

اور حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں ''کہ جب تم سجدہ کی آیت پڑھو تو سجدہ کرنے میں جلدی مت کرو جب تک گریہ نہ کرلو اور اگر کسی کی آنکھ سے آنسو نہیں نکلتا تو چاہیے کہ دل زاری کرے اور دل پر حزن (غم) موجود ہو کہ رونا غم ہی کی وجہ سے ہے''۔

نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا کہ ''قرآن حزن کے ساتھ اترا ہے پس جب تم اس کو پڑھو تو حزن کرو''۔ (معجم الاوسط، باب الالف، من اسمہ ابراہیم، ۲/۱۶۶، الحدیث: ۲۹۰۲)

حزن یا غم کی صورت صرف یہی ہے کہ قرآن پاک کے امر و نہی میں اپنی کوتاہی کو خیال کرے۔ **قرات کو پکار کر پڑھنا ہے اور اتنا پکار کر پڑھنا تو بے شک ضروری ہے کہ اپنی آواز آپ سنے اس لیے قرات کے معنی یہ ہیں کہ آواز کو حروف سے پارہ پارہ کرے تو آواز کا ہونا ضروری ہے۔ اور اگر انسان قرات خود نہیں سنے گا تو اپنی قرات سے نماز نہیں ہوگی۔**

مروی ہے کہ ''ایک رات نبی کریم خاتم النبیین ﷺ حضرت عائشہؓ کا انتظار کرتے تھے دیر سے آنے کی وجہ معلوم کی تو انہوں نے بتایا ''یا رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ میں ایک شخص کی قرات سن رہی تھی کہ اس سے زیادہ خوش آواز میں نے نہیں سنی''۔ آنحضرت خاتم النبیین ﷺ کھڑے ہو گئے اور تشریف لے جا کر دیر تک اس شخص کی تلاوت سنتے رہے۔ پھر لوٹ آئے اور فرمایا ''اللہ کا شکر ہے کہ اس نے میری امت میں ایسے لوگ پیدا کئے''۔ (سنن ابن ماجہ، جلد 2، حدیث نمبر 1338)

قاری ہشیم نے نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کو خواب میں دیکھا وہ کہتے تھے۔ ''ہشیم تو ہی قرآن کو اپنی آواز سے سنوارتا ہے'' میں نے عرض کیا کہ ''جی ہاں'' فرمایا ''اللہ تعالیٰ تجھ کو جزائے خیر دے''-اس سے معلوم ہوا کہ خوش الحانی سے پڑھنا زیادہ ثواب کا باعث ہوگا اور زیادہ پسندیدہ بھی ہے-

## تلاوت کے اعمال باطنی

اللہ تعالیٰ کا کرم ہے کہ اس نے عرش بریں سے اس کلام کو ایسے درجہ میں اتار دیا کہ مخلوق کی سمجھ میں خالق کا کلام آجائے اس کلام کی عظمت کا جاننا اور سمجھنا بغیر مثالوں کے ممکن نہیں اور مثالیں بھی وہ جو خلق کی فہم کی حد تک ہوں۔ اس کی عظمت کا اندازہ اس بات سے لگائیں کہ لوح محفوظ میں قرآن پاک کا ہر حرف کوہ قاف سے بڑا ہے۔ اور اگر سب فرشتے اس کے ایک حرف کو اٹھانا چاہیں تو نہیں اٹھا سکتے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی دی ہوئی طاقت سے حضرت اسرافیلؑ جو لوح محفوظ کے فرشتے ہیں اس کو اٹھا لیتے ہیں۔

اس بارے میں ایک بزرگ و برتر حکیم (حکمت میں اعلیٰ درجے والے) سے کسی نے یہ سوال کیا ''یہ کلام جو انبیاء لاتے ہیں اس کو تم دعویٰ کرتے ہو کہ یہ آدمیوں کا کلام نہیں۔ یہ آدمی یعنی انبیاء کا کلام نہیں یہ اللہ کا کلام ہے جو یہ لے کر آتے ہیں۔ اب بھلا یہ سمجھنا کہ خالق کا کلام مخلوق کی سمجھ میں کیوں کر آجاتا ہے''؟ یعنی اس کو آدمی کیسے سمجھ جاتے ہیں؟ حکیم نے جواب دیا'' ہم دیکھتے ہیں کہ جب آدمی کسی چوپائے یا پرند کو سمجھائے یا سہلائے مثلاً آگے آنا، پیچھے جانا یا سامنے منہ کرنا یا پشت پھیرنا وغیرہ تو ان کو معلوم ہے کہ چوپایوں کی سمجھ اس بات سے قاصر ہے کہ جو کلام ہمارے نور عقل سے حسن ترتیب اور انتظام نادر کیساتھ سرزد ہوتا ہے وہ اس کو سمجھ لیں تو پھر ضرور ہم کو جانوروں کے درجے ہی پر اترنا پڑتا ہے۔ اور پھر ان جانوروں کو اپنی آواز میں سکھاتے ہیں جو ان کی سمجھ میں آجائیں۔ مثلاً ٹخ ٹخ کرنا، سیٹی بجانا اور اس کے قریب دوسری آواز جن کو جانور سمجھ سکیں اس طرح آدمی کلام الٰہی کو اس کی ماہیت اور کمال صفت کے ساتھ سمجھنے سے قاصر ہیں اور انبیاء بھی انسانوں کے ساتھ وہی طریقہ اختیار کرتے ہیں جو انسان چوپایوں کے ساتھ برتتے ہیں۔ یعنی اس کلام پاک کو ایسے حروف میں بیان کیا جس سے آدمی اس کی حکمت کو سمجھ سکیں اور چونکہ حکمت کے معنی ان حروف اور آواز میں پوشیدہ رہتے ہیں۔ اس لیے ان معنی کی وجہ سے شرافت اور عظمت سے کلام کی عظمت کی جاتی ہے''۔

اس لیے ہر زبان اس کی تلاوت کی طاقت نہیں رکھتی اور نہ ہر دل اس کے معنی کے حاصل کرنے کی قابلیت رکھتا ہے یعنی جس طرح قرآن پاک کی ظاہر حالت کے لیے کہا گیا ہے کہ اس کو وہی چھوتے ہیں جو پاک رہتے ہیں ''یعنی بظاہر کو چھونے کے لیے پاک ہونا ضروری ہے اسی طرح اس کے باطنی معنوں کو سمجھنے کے لیے بھی دل کا نور تعظیم اور نور الٰہی سے منور ہونا ضروری ہے''۔

حضرت علیؓ فرماتے ہیں'' جس عبادت میں سمجھ نہ ہو اس میں برکت نہیں ہوتی اور جو عبارت ٹھہر کر نہ پڑھی جائے اس میں بہتری نہیں ہوتی''۔ مروی ہے کہ آنحضرت خاتم النبیین ﷺ نے بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھی اور 20 مرتبہ اس کو دہرایا اور اتنی مرتبہ پڑھنے کی وجہ یہ تھی کہ آپ اتم النبیین ﷺ اس کے معنی پر غور کر رہے تھے اور حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے ایک رات ہم کو نماز پڑھائی اور تمام رات ایک ہی آیت کو بار بار پڑھتے رہے۔

ترجمہ:'' اگر تو ان کو عذاب دے تو بندے ہیں یہ تیرے اور اگر تو ان کو معاف کر دے تو تو زبردست حکمت والا ہے''۔ (سورۃ المائدہ، آیت نمبر 118)

اور حضرت سعید بن جبیرؓ نے اس آیت کو پڑھتے پڑھتے صبح کر دی۔

وَامْتَازُوا الْيَوْمَ اَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ ۝ (سورۃ یٰس، آیت نمبر-59)

ترجمہ:''تم الگ ہو جاؤ گناہ گارو''۔

حقیقت یہ ہے اللہ تعالیٰ ہر اس بندے کو اپنی کتاب کی سمجھ عنایت کر دیتا ہے جو اس کے فہم کی طلب کا حریص ہو۔ ہر انسان قرآن پاک سے اپنی عقل، اپنے فہم، اپنے علم اور اپنی اللہ سے محبت کے مطابق سمجھ، حکمت اور حلاوت پاتا ہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا'' کہ اگر میں چاہوں تو ''الحمد'' کی تفسیر سے 70 اونٹ بھر دوں''

نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''لوگوں میں سب سے عمدہ آواز میں قرآن پڑھنے والا وہ ہے کہ جب تم اس کی قراءت سنو تو تمہیں ایسا لگے کہ وہ اللہ سے ڈرتا ہے''۔ (سنن ابن ماجہ، جلد 2، حدیث نمبر 1339)

حضرت ثابت بنانیؒ نے فرمایا کہ ''بیس برس میں نے قرآن میں مشقت اٹھائی اور بیس برس کے بعد اس سے مجھ کو دولت حلاوت ملی''۔

قرآن پاک میں اپنی عقل کے گھوڑے دوڑانا اور بغیر نقل اسلاف اس کی تفسیر کرنا گناہ کبیرہ ہے۔ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا'' قرآن کے لیے ایک ظاہر ہے اور ایک باطن اور ایک حد ہے اور ایک مطلع''۔ (شرح السنۃ للبغوی، کتاب العلم، باب الخصومۃ فی القرآن)

پس ظاہر تو وہ ظاہر ہے جو ہمارے سامنے معنی دیئے گئے ہیں۔ اب باطن، حد اور مطلع کے کیا معنی ہیں۔ یہ تفسیر کے عالم ہی جان سکتے ہیں۔ جیسا کہ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ ''میں اگر چاہوں تو ''الحمد'' کی تفسیر میں ستر اونٹ بھر دوں''۔ اس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ ظاہر تفسیر تو تھوڑی سی ہے مگر باطن کی حد نہیں ہے۔ اس لیے جب نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے بسم اللہ الرحمن الرحیم کو 20 مرتبہ پڑھا۔ تو اس کے باطن اس کی حد اور اس پر مطلع ہونے کے لیے پڑھا تھا۔ ورنہ بظاہر معنی تو تھوڑے سے ہیں۔ اس لیے حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ ''جو شخص قرآن پاک کو سمجھ جاتا ہے وہ جملہ علوم کو بیان کر دیتا ہے۔'' اس سے آپ کا مطلب یہ تھا کہ قرآن پاک تمام علوم کلی کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ تمام علوم اس میں پوشیدہ ہیں۔

اس لیے نبی کریم خاتم النبیین ﷺ اپنی رائے سے تفسیر کرنے کو منع فرماتے تھے اور اس لیے حضرت ابوبکرؓ فرمایا کرتے تھے کہ ''اگر میں قرآن پاک میں اپنی رائے سے کچھ کہوں تو کون سی زمین مجھے سمائے گی (چھپائے گی) اور کونسا آسمان مجھے اٹھائے گا؟

خلاصہ یہ کہ کلام کی عظمت سے متکلم (جس کا کلام ہے) کی عظمت ہوتی ہے اور متکلم کی عظمت دل میں نہیں آتی ہے جب تک اس کی صفات اور بزرگی اور اس کے افعال میں فکر نہ کریں۔ پس جب قاری کے دل میں عرش و کرسی، آسمان و زمین اور ان کے درمیان کی تمام چیزیں یعنی جن و انس، حیوانات اور جمادیات آئیں اور وہ جان لے کے ان سب کا پیدا کرنے والا ان سب پر پوری قدرت رکھنے والا۔ ان کو پالنے والا اور ان کو روزی دینے والا وہ واحد اور یکتا ہے جس کو کسی کی حاجت نہیں اور جس کو کسی کی محتاجی نہیں۔ وہ ہماری بھلائی اور بہتری کے لیے اس قرآن میں تدبر اور غور کرنے کے لیے فرماتا ہے۔ تب کلام کی عظمت اور بزرگی کے ساتھ ساتھ متکلم کی عظمت دل میں آئے گی اور پھر کلام کی تعظیم دل میں گھر کر جائے گی۔

**********

# تلاوت قرآن عزیز (حصہ دوئم)

تلاوت کا لفظ آسمانی کتابوں کے پڑھنے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے، یعنی جب بھی لفظ تلاوت آئے تو اس سے مراد آسمانی کتاب کا پڑھنا ہوگا۔

قرآن مجید نہایت ہی مقدس و مطہر کتاب ہے، اس کی تلاوت تمام برکات وصفات کا اور تمام علوم کا سرچشمہ ہے۔ قرآن خوانی کی صورت میں تلاوت قرآن پاک پورا قرآن پاک ایک مجلس میں ختم کیا جائے۔ اس میں جو سجدے آتے ہیں ان کو اسی وقت ادا کیا جائے۔ اس طرح عزت اور حرمت سے تلاوت قرآن پاک کی جائے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت نازل ہوتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ سب لوگوں کی دعاؤں کو قبولیت کا شرف عطا فرماتا ہے۔

قرآن پاک (سورہ مزمل، آیت نمبر 20) میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ

ترجمہ: ''قرآن پاک میں سے جو میسر آئے پڑھو''۔

ایک اور جگہ سورۃ الاعراف، آیت نمبر 204 میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ترجمہ: ''جب قرآن پڑھا جائے تو اسے سنو اور چپ رہو''۔ (یعنی تلاوت ہو رہی ہو تو خاموشی سے سننا فرض ہے)

**احادیث:**

1- حدیث قدسی ہے:

ترجمہ: ''جس شخص کو قرآن پاک کی تلاوت کرنے، یاد کرنے، غور وفکر کرنے، اور تفسیر و ترجمہ وغیرہ کرنے) کی مشغولیت و مصروفیت نے میرا ذکر اور مجھ سے دعائیں وغیرہ مانگنے سے روک دیا (یعنی ذکر کرنے اور دعائیں مانگنے کی فرصت نہ ملی) تو میں اس شخص کو اس سے بڑھ کر دیتا ہوں''۔ (یعنی اس کی تمام حاجات اور مرادیں پوری کر دیتا ہوں)

(جامع ترمذی، جلد 3، حدیث نمبر 2926)

2- حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا: ''تم قرآن پڑھو اس لئے کہ قرآن قیامت کے دن اپنے پڑھنے والوں کے لئے سفارشی بن کر آئے گا''۔ (مسلم)

3- فخر رسل خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے سب سے بہتر وہ ہے جو قرآن پڑھے اور دوسروں کو پڑھائے''۔ (بخاری)

4- نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا: ''لوہے کی طرح دل بھی زنگ آلود ہو جاتا ہے'' صحابہ اکرامؓ نے عرض کیا ''یا رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ اس کو کیسے دور کیا جائے''؟ فرمایا ''تلاوت قرآن پاک اور موت کو یاد کرنے سے''۔ (مشکوۃ المصابیح، جلد 1، حدیث نمبر 2168)

5- نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا: ''جس نے قرآن پاک کا ایک حرف تلاوت کیا اس کے لئے نیکی ہے جو دس نیکیوں کے برابر ہے'' (ترمذی شریف)

6- آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا: ''جس کے سینے میں قرآن نہیں وہ ویران مکان کی طرح ہے''۔ (سنن دارمی)

7- ''نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا: میری امت کی بہترین عبادت تلاوت قرآن پاک ہے'' (بیہقی شریف)

8- نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا: ''اپنے مکانوں کو تلاوت اور نماز سے روشن کرو، قرآن مجید روز قیامت سفارش کرے گا'' (صحیح مسلم)

قرآن پاک کو دیکھ کر تلاوت کرنا زبانی تلاوت کرنے سے بہتر ہے، کیونکہ قرآن پاک کو دیکھنا عبادت ہے، اس کو ہاتھ سے چھونا عبادت ہے، اس کو چوم کر ماتھے سے لگانا عبادت ہے اور تلاوت تو عبادت ہے ہی۔

مستحب یہ ہے کہ قرآن پاک کو باوضو، قبلہ رو اور صاف کپڑے پہن کر تلاوت کرے، شروع تلاوت میں **اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم** پڑھنا واجب ہے۔ اور **بسم اللہ الرحمن الرحیم** پڑھنا سنت و مستحب ہے۔ تین دن سے کم میں قرآن پاک کو مکمل پڑھنا مناسب نہیں ہے۔ مجمع میں سب کا قرآن پاک کو با آواز بلند پڑھنا ممنوع ہے۔ سب آہستہ آہستہ تلاوت کریں۔ قرآن پاک کی تلاوت با آواز بلند ہو رہی ہے تو سب پر اس کا سننا فرض ہے۔ قرآن پاک پڑھ کر اس کو بھلا دینا گناہ ہے۔

نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا: ''جو قرآن پاک پڑھ کر بھولا وہ قیامت کے دن کوڑھی ہو کر اٹھے گا''۔ (ابوداؤد)

قرآن مجید صحیح تلفظ کے ساتھ سیکھنا اور تلاوت کرنا لازمی ہے۔ ترجمہ سیکھ لینا ''نور علیٰ نور'' ہے قرآن پاک کی تلاوت بے وضو جائز ہے۔ مگر بے وضو قرآن پاک کو ہاتھ لگا کر پڑھنا منع ہے۔ اور جنبی (ناپاک) اور وہ عورتیں جو حیض و نفاس والی ہوں انہیں قرآن پاک کو

چھونا، زبانی یاد کرنا، دیکھ کر پڑھنا یا کسی آیت کو لکھنا جائز نہیں ہے۔

**حدیث:** نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا: ''قابل رشک ہے وہ شخص جو صبح وشام قرآن کی تلاوت کرتا ہے'' (صحیح بخاری)

قرآن پاک کی بکثرت تلاوت مستحب ہے۔قرآن پاک کی تلاوت کرتے وقت بے فائدہ بات کرنا، بے جا حرکت کرنا، اور ادھر ادھر نظر کرنا، کسی سے بات کرنا، سلام کا جواب دینے کے لئے تلاوت کو قطع کرنا، تلاوت کے دوران کسی کی بات سننا یا سن کر ہنسنا، بہت ہی بے ادبی اور گستاخی اور بے حد گناہ کا کام ہے۔اگر بات سننا ضروری ہے تو قرآن پاک کو پہلے بند کریں اور بات سننے کے بعد دوبارہ چوم کر کھولیں۔

**حدیث:** نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا: ''بے شک تم میں سے افضل شخص وہ ہے جو قرآن سیکھے اور سکھائے۔'' (بخاری)

اس کی تلاوت کرو اس کو پڑھاؤ کیونکہ قرآن پاک کی مثال اس شخص کے حق میں جس نے قرآن پاک سیکھا اور اس کا علم حاصل کیا۔پھر اس کو پڑھا اور پڑھایا اور اس پر عمل کیا (خاص طور پر تہجد کی نماز میں اس کی تلاوت کی) ایسی ہے جیسے مشک سے بھری ہوئی ایک تھیلی جس کی مہک ہر جگہ پہنچ جاتی ہے۔اور اس شخص کے حق میں جو قرآن پاک کو سیکھتا تو ہے اور اس کا علم بھی حاصل کرتا ہے، نہ تلاوت کرتا ہے نہ اس پر عمل کرتا ہے۔(اور رات کو پڑا سوتا رہتا ہے) حالانکہ اس کے دل کے اندر قرآن پاک محفوظ ہے۔ایسے جیسے مشک سے بھری ہوئی ایک تھیلی جس کا منہ کس کر کسی نے بند کر دیا ہو۔

جناب فضیل بن عیاضؒ کا ارشاد ہے ''قرآن کا علم رکھنے والا اسلام کا پرچم تھامنے والا ہے، اسے یہ مناسب نہیں کہ لہو لعب میں مشغول لوگوں کے ساتھ مل کر ایسا کرے۔بھولنے والوں سے مل کر بھول جائے، بے ہودہ لوگوں کے ساتھ مل کر بے ہودہ ہو جائے، یہ باتیں قرآن پاک کی عظمت کے خلاف ہیں''۔

حضرت عثمانؓ اور حضرت حذیفہؓ سے مروی ہے کہ ''اگر قلوب نجاست سے پاک ہو جائیں تو تلاوت کلام اللہ سے کبھی بھی سیری نہ ہوں''۔

ثابت بنانیؒ فرماتے ہیں ''بیس برس میں نے کلام اللہ کی تلاوت مشقت سے کی، اور بیس برس سے مجھے اس کی ٹھنڈک محسوس ہو رہی ہے''۔

قرآن پاک ختم کرنے کے لئے سپاروں کا گھروں میں تقسیم کرنا بھی قرآن پاک کی ناقدری کرنا ہے اور بہت گناہ ہے۔اسی طرح قرآن پاک صفحہ صفحہ کر کے پڑھنا یعنی ایک صفحہ کوئی اور پڑھے اور دوسرا کوئی اور پڑھے یہ بھی قرآن پاک کی ناقدری ہے اور گناہ ہے۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ ''نماز میں قرآن پاک کی تلاوت بغیر نماز کی تلاوت سے بہتر ہے۔اور بغیر نماز کی تلاوت تسبیح وتکبیر سے بہتر ہے، اور تسبیح صدقہ سے افضل ہے اور صدقہ روزہ سے افضل ہے، اور روزہ بچاؤ ہے آگ سے''۔

تلاوت کا باقی اذکار سے افضل ہونا ظاہر ہے۔اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے کلام کو اوروں کے کلام پر وہی فضیلت حاصل ہے، جو اللہ تعالیٰ کو فضیلت مخلوق پر اور ذکر اللہ کا افضل ہونا صدقہ کرنے سے افضل ہے۔

حضرت عثمانؓ کے کثرت تلاوت کرنے کی وجہ سے دو قرآن پاک شہید ہوئے (پھٹے) تھے۔اگر ہمیں ایسا رہبر درکار ہے جو ہمیں ہمارے محبوب کے گھر پہنچا دے تو تلاوت قرآن کو پکڑ لینا چاہیے۔اگر ہم انبیاءؑ جیسے علوم اور درجات کے متمنی ہیں تو تلاوت قرآن کثرت سے کریں اور تدبر اور تفکر بھی کریں۔اگر ہم زاہدوں کی اعلیٰ فہرست میں شامل ہونا چاہتے ہیں تو تلاوت قرآن کریں، اگر ہم ہمیشہ تندرست رہنا چاہتے ہیں تو سورہ فاتحہ کی تلاوت کثرت سے کریں۔اگر ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہماری جائز حاجات پوری ہوں تو سورہ یٰسین کی تلاوت کریں۔اگر ہم فقر وفاقہ سے ڈرتے ہیں تو سورہ واقعہ کی تلاوت کر کے دعا کریں، اگر ہمیں عذاب قبر کا خوف ہے تو سورہ الم سجدہ اور تبارک الذی کی تلاوت کریں۔ہمارے پاس وقت کم ہے سفر مشکل اور منزل دور ہے، اس منزل کو طے کرنے کا راستہ اور خود منزل صرف اور صرف تلاوت کلام اللہ ہے۔اس کے فضائل کوئی انسان بیان کر ہی نہیں سکتا۔

**********

# فضائل قرآن

کلام الٰہی چونکہ اصل دین ہے۔اس کی بقاء اور اشاعت ہی پر دین کا دارومدار ہے اس لیے سب سے افضل کام اس کا سیکھنا اور سکھانا ہے۔کمال اس کا یہ ہے کہ مطالب اور مقاصد سمیت سیکھے اور ادنیٰ درجہ اس کا یہ ہے کہ فقط الفاظ سیکھ لے۔

ملا علی قاریؒ نقل کرتے ہیں "جس شخص نے کلام پاک کو حاصل کرلیا اس نے علوم نبوت کو اپنی پیشانی میں جمع کرلیا"۔

حضرت سہیل تستریؒ فرماتے ہیں "حق تعالیٰ شانہ سے محبت کی علامت یہ ہے کہ اس کے کلام کی محبت قلب میں موجود ہو"۔

شرح احیاء میں ان لوگوں کی فہرست میں جو قیامت کے ہولناک دن میں عرش کے سائے کے نیچے ہوں گے۔ان لوگوں کو بھی شمار کیا گیا ہے۔جو مسلمانوں کے بچوں کو قرآن پاک کی تعلیم دیتے ہیں۔نیز ان لوگوں کو بھی شمار کیا گیا ہے جو بچپن میں قرآن پاک کو سیکھتے ہیں اور بڑے ہو کر اس کی تلاوت کا اہتمام کرتے ہیں۔

**1۔حدیث:**

حضرت ابوسعیدؓ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے "جس شخص کو قرآن شریف کی مشغولی کی وجہ سے ذکر کرنے اور دعائیں مانگنے کی فرصت نہیں ملتی میں اس کو سب دعائیں مانگنے والوں میں سے زیادہ عطا کرتا ہوں۔اور اللہ تعالیٰ کے کلام کو سب کلاموں پر ایسی ہی فضیلت ہے کہ جیسی کہ خود حق تعالیٰ کو تمام مخلوق پر"۔(ترمذی شریف۔بیہقی شریف)

یعنی ''جو شخص قرآن پاک کے یاد کرنے اور جاننے یا سمجھنے میں اس قدر مشغول ہے کہ اسے دعا وغیرہ کے مانگنے کا وقت نہیں ملتا۔میں دعا مانگنے والوں کے مانگنے سے بھی افضل چیز اس کو عطا کروں گا''۔ایک دوسری حدیث میں اس موقع پر مرکوز ہے کہ میں اس کو شکر گزار بندوں کے ثواب سے افضل ثواب عطا کروں گا۔

**2۔حدیث:**

حضرت عائشہؓ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کا ارشاد نقل کرتی ہیں ''ہر چیز کے لئے کوئی شرافت یا افتخار ہوا کرتا ہے،جس سے وہ تفاخر (فخر) کرتا ہے میری امت کی رونق اور افتخار قرآن پاک ہے''۔(رواہ فی الحیۃ)

**3۔حدیث:**

حضرت عبداللہ بن عباسؓ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں ''جس شخص کے قلب میں قرآن پاک کا کوئی حصہ بھی محفوظ نہیں وہ بمنزلہ ویران گھر ہے''۔(ترمذی شریف)

**4۔حدیث:**

حضرت ابوذرؓ فرماتے ہیں "میں نے حضور پاک خاتم النبیین ﷺ سے درخواست کی کہ مجھے کچھ وصیت فرمائیں"،حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''تقویٰ کا اہتمام کیا کرو کہ تمام امور کی جڑ ہے''میں نے عرض کیا "اس کے ساتھ کچھ اور بھی"،فرمایا ''تلاوت قرآن پاک کا اہتمام کیا کرو کہ دنیا میں نور اور آخرت میں ذخیرہ ہے''۔ (راوی ابن حیان)

تقویٰ حقیقتاً تمام امور کی جڑ ہے،جس دل میں اللہ کا خوف پیدا ہو جائے اس سے پھر گناہ کا صدور نہیں ہوتا۔شرح احیاء میں معرفت ابونعیمؒ سے نقل کیا گیا ہے کہ حضرت باسطؒ نے نبی پاک خاتم النبیین ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے "جن گھروں میں کلام پاک کی تلاوت ہوتی ہے وہ مکانات آسمان والوں کے لئے ایسے چمکتے ہیں جیسے زمین والوں کے لئے آسمان پر تارے"۔(شرح احیاء)

**5۔حدیث:**

حضرت ابوہریرہؓ نے حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے ''کوئی قوم اللہ کے گھروں میں سے کسی گھر میں مجتمع ہو کر تلاوت کلام پاک اور اس کا ورد کرتی ہے تو سکینہ ان پر نازل ہوتی ہے۔رحمت ان کو ڈھانپ لیتی ہے،ملائکہ رحمت ان کو گھیر لیتے ہیں اور حق تعالیٰ ان کا ذکر ملائکہ کی مجلس میں فرماتے ہیں''۔(مسلم۔ابو داؤد)

سکینہ کی تفسیر مختلف علماء نے مختلف فرمائی ہے۔حضرت علیؓ سے سکینہ کی تفسیر یہ نقل کی گئی ہے ''کہ وہ

ایک خاص "ہَوا" ہے جس کا چہرہ انسان کے چہرے جیسا ہوتا ہے''۔علامہ تشریؒ سے نقل کیا گیا ہے "وہ جنت کے ایک طشت کا نام ہے جو سونے کا ہوتا ہے اس میں انبیاء کے قلوب کو غسل دیا جاتا ہے"۔بعض نے کہا "خاص رحمت ہے"۔طبریؒ کا کہنا ہے کہ''اس سے سکون قلب مراد ہے''۔بعض نے کہا "اس سے ''طمانیت مراد'' ہے"۔

احیاء میں نقل کیا گیا ہے کہ ابن ثوبانؒ نے اپنے کسی عزیز کے ساتھ افطار کا وعدہ کیا مگر دوسرے روز صبح کے وقت پہنچے انہوں نے شکایت کی تو کہا کہ''اگر میرا تم سے وعدہ نہ ہوتا تو ہرگز نہ بتاتا کہ کیا واقعہ پیش آیا۔مجھے اتفاقاً دیر ہوگئی تھی حتیٰ کہ عشاء کا وقت آیا میں نے نماز پڑھی خیال کیا کہ وِتر بھی ساتھ میں ہی پڑھ لوں، کہ موت کا اطمینان نہیں کبھی رات میں ہی مرجاؤں۔میں دعائے قنوت پڑھ رہا تھا کہ مجھے جنت کا ایک سبز باغ نظر آیا، جس میں ہر طرح کے پھول وغیرہ تھے، اس کے دیکھنے میں ایسا مشغول ہوا کہ صبح ہوگئی''۔اس قسم کے سینکڑوں واقعات ہیں جو بزرگوں کے حالات میں درج ہیں، لیکن ان کا اظہار اس وقت ہوتا ہے جب اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز دل سے نکل جائے اور اس جانب کامل توجہ ہو جائے۔

**6۔حدیث:**

حضرت ابوذرؓ حضور اقدس خاتم النبیین ﷺ سے نقل کرتے ہیں''لوگ اللہ کی طرف رجوع اور اس کے ہاں تقرب اس چیز سے بڑھ کر کسی اور چیز سے حاصل نہیں کر سکتے جو خود حق سبحانہ سے نکلی ہے یعنی کلام پاک''۔(حاکم۔ابوداؤد۔جامع ترمذی)

حضرت امام احمد بن حنبلؒ کہتے ہیں کہ''میں نے حق تعالیٰ شانہ کی خواب میں زیارت کی تو پوچھا کہ سب سے بہتر چیز جس سے آپ کے دربار میں تقرب حاصل کیا جائے کیا ہے؟ ارشاد ہوا کہ''احمد میرا کلام ہے''میں نے عرض کیا "سمجھ کر یا بلا سمجھے"۔ارشاد ہوا کہ''سمجھ کر پڑھے یا بلا سمجھے دونوں طرح موجب تقرب ہے''۔

**7۔حدیث:**

حضرت انسؓ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں''حق تعالیٰ شانہ کے لئے لوگوں میں سے بعض لوگ خاص گھر کے ہیں، صحابہ اکرامؓ نے عرض کیا کہ وہ خاص لوگ کون ہیں؟ فرمایا کہ قرآن شریف والے کیونکہ وہ اللہ کے اہل ہیں اور خاص''(نسائی۔ابن ماجہ۔حاکم۔احمد)

قرآن والے وہ لوگ ہیں جو ہر وقت قرآن پاک میں مشغول رہتے ہیں۔کس قدر بڑی فضیلت ہے کہ ذرا سی محنت اور مشقت سے اللہ والے بنتے ہیں۔اللہ کے اہل شمار کئے جاتے ہیں اور اس کے خواص ہونے کا شرف حاصل ہو جاتا ہے۔

**8۔حدیث:**

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا حق تعالیٰ شانہ کسی کی طرف اتنی توجہ نہیں فرماتے جتنا کہ اس نبی کی آواز کو توجہ سے سنتے ہیں، جو کلام الٰہی خوش الحانی سے پڑھتا ہے''۔(صحیح بخاری وصحیح مسلم)

انبیاء چونکہ آداب تلاوت کو ادا کرتے ہیں اس لئے ان کی زیادہ توجہ ہونا بھی ظاہر ہے۔پھر جب حسن آواز اس کے ساتھ مل جائے تو سونے پر سہاگہ ہے۔اچھی آواز سے قرآن پاک کا حسن بلکہ تلاوت کا حسن دوبالا ہو جاتا ہے۔حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ اپنی کتاب غنیۃ میں ارشاد فرماتے ہیں "عبداللہ بن مسعودؓ ایک مرتبہ کوفہ کے نواح میں جا رہے تھے۔ایک گھر میں ایک مجمع جمع تھا اور ایک گویا جس کا نام زاذان تھا سارنگی بجا کر گانا گا رہا تھا۔ابن مسعودؓ نے اس کی آواز سن کر فرمایا" کیا ہی اچھی آواز تھی اگر قرآن شریف کی تلاوت اس میں ہوتی؟ اور اپنے سر پر کپڑا ڈال کر گزرتے ہوئے چلے گئے"۔زاذان نے ان کو بولتے ہوئے دیکھا، لوگوں سے پوچھنے پر معلوم ہوا" حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ صحابی ہیں اور یہ ارشاد فرما گئے ہیں"۔اس پر اس معقولے کی کچھ ایسی ہیبت طاری ہوئی کہ حد نہیں، قصہ مختصر وہ اپنے آلات توڑ کر حضرت ابن مسعودؓ کے پیچھے لگ گیا اور پھر علامۂ وقت ہوا"۔

حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کا ارشاد ہے " قرآن پاک کو عرب کی زبان میں پڑھو، عشق بازوں اور یہود و نصاریٰ کی آواز میں نہ پڑھو۔عنقریب ایک قوم آنے والی ہے جو گانے اور نوحہ کرنے والوں کی آواز پر قرآن پاک کو پڑھے گی۔وہ تلاوت ذرا بھی ان کے نافع نہ ہوگی۔خود بھی لوگ فتنہ میں پڑ جائیں گے اور جن کو یہ پڑھنا اچھا معلوم ہوگا ان کو بھی فتنہ میں ڈالیں گے"۔(مشکوۃ شریف، شعب الایمان)

طاؤسؒ کہتے ہیں کہ کسی نے حضور پاک خاتم النبیین ﷺ سے پوچھا کہ''اچھی آواز سے پڑھنے والا کون شخص ہے؟''حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ''وہ شخص کہ جب تو اس کو تلاوت کرتا دیکھے تو محسوس کرے کہ اس پر اللہ کا خوف ہے''۔یعنی اس کی آواز سے مرعوب ہونا محسوس ہو۔(ابن ماجہ)

**9۔حدیث:**

اوس ثقفیؓ نے حضو پاک خاتم النبیین ﷺ سے نقل کیا ہے " کلام اللہ شریف کا حفظ پڑھنا ہزار درجہ ثواب رکھتا ہے، اور قرآن پاک کو دیکھ کر پڑھنا دو ہزار تک بڑھ جاتا ہے"۔(بیہقی شعب الایمان) (کنزالعمال۔رقم ۲۳۰۱ جلد ۱)

اس حدیث شریف میں جو دیکھ کر پڑھنے کی فضیلت آئی ہے وہ اس وجہ سے آئی ہے کہ قرآن پاک کو دیکھ کر پڑھنے میں تدبر اور تفکر کے زیادہ ہونے کے علاوہ کئی چیزیں شامل ہیں، قرآن پاک کو دیکھنا اس کو چھونا کھولتے اور بند کرتے وقت اس کو چومنا وغیرہ۔

امام نوویؒ کہتے ہیں کہ ''فضیلت آدمیوں کے لحاظ سے مختلف ہے بعض کے لئے دیکھ کر پڑھنا افضل ہے جس کو اس میں تدبر اور تفکر زیادہ حاصل ہوتا ہے، اور جس کو حفظ میں تدبر زیادہ حاصل ہوتا ہے اس کے لئے حفظ پڑھنا افضل ہے''۔

عمرو بن میمونؒ نے شرح احیاء میں نقل کیا ہے کہ ''جو شخص صبح کی نماز پڑھ کر قرآن پاک بقدر سو آیات کے پڑھ لے، تو تمام دنیا کے بقدر اس کا ثواب لکھا جاتا ہے''۔قرآن شریف کا دیکھ کر پڑھنا نگاہ کے لئے مفید ہے۔

ابوعبیدؒ نے حدیث مسلسل نقل کی ہے کہ جس میں ہر راوی نے کہا ہے کہ ''مجھے آنکھوں کی شکایت تھی، تو استاد نے قرآن پاک دیکھ کر پڑھنے کو بتایا''۔حضرت امام شافعیؒ بسا اوقات عشاء کے بعد قرآن پاک کھولتے تھے اور صبح کی اذان کے وقت بند کرتے تھے۔

**10۔حدیث:**

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے حضور پاک خاتم النبیین ﷺ سے نقل کیا ہے کہ ''دلوں کو بھی زنگ لگ جاتا ہے جیسے لوہے کو پانی لگنے سے زنگ لگ جاتا ہے''۔پوچھا کہ حضور ان کی صفائی رکھنے کی صورت کیا ہے؟، آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا کہ ''موت کو اکثر یاد کرنا اور تلاوت قرآن پاک کرنا''۔(بیہقی شریف۔شعب الایمان)

یعنی گناہوں کی کثرت اور یاد الٰہی کی غفلت کی وجہ سے دلوں پر بھی زنگ لگ جاتا ہے، قرآن پاک کی تلاوت اور موت کی یاد دلوں کی صفائی کر دیتی ہے۔دل کی مثال ایک آئینہ کی سی ہے وہ دھندلا ہوگا اس میں معرفت کا احساس کم ہوگا، اور جس قدر صاف اور شفاف ہوگا اس قدر اس میں معرفت کا انعکاس واضح ہوگا۔اس لئے آدمی جس قدر گناہوں میں مبتلا ہوگا اس قدر معرفت سے دور ہوگا، اور اسی آئینے کے صاف کرنے کے لئے مشائخ سلوک، ریاضات ومجاہدات، اذکار واشغال تلقین فرماتے ہیں۔احادیث میں آیا ہے کہ جب بندہ گناہ کرتا ہے تو ایک سیاہ نکتہ اس کے دل پر لگ جاتا ہے، اگر وہ سچی توبہ کر لیتا ہے تو وہ نکتہ زائل ہو جاتا ہے، اور اگر توبہ کرنے کی بجائے دوسرا گناہ کر لیتا ہے تو دوسرا نقطہ پیدا ہو جاتا ہے، اور گناہوں کی کثرت سے آہستہ آہستہ پورا دل ہی سیاہ ہو جاتا ہے۔پھر اس قلب میں خیر کی طرف رغبت ختم ہو جاتی ہے اور پوری طرح شر کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔

اس کی طرف قرآن پاک کی اس آیت میں ارشاد ہے

''كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوبِهِمْ مَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ''(سورۃ المطففین 83:14)

ترجمہ: بے شک ان کے قلوب پر زنگ جما دیا ہے ان کی بداعمالیوں نے۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا، ''دو وعظ چھوڑتا ہوں ایک بولنے والا اور ایک خاموش''بولنے والا قرآن شریف ''اور خاموش موت کی یاد''۔

حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کا ارشاد سر آنکھوں پر مگر وعظ تو اس کے لئے ہو جو نصیحت قبول کرے۔نصیحت کی ضرورت سمجھتے، جہاں سرے سے دین ہی نہ ہو، بلکہ دین کو ترقی کی راہ میں رکاوٹ سمجھا جائے وہاں کیسا وعظ؟

حضرت حسن بصریؒ کہتے ہیں کہ ''پہلے لوگ قرآن پاک کو اللہ تعالیٰ کا فرمان سمجھتے تھے، رات بھر اس میں غور وتدبر کرتے تھے اور دن کو اس پر عمل کرتے تھے۔اور تم لوگ اس کے حروف اور زیر زبر تو بہت درست کرتے ہو مگر اس کو فرمان شاہی نہیں سمجھے اور اس میں غور وتدبر نہیں کرتے''۔

**11۔حدیث:**

حضرت عبیدہ ملیکیؓ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہا آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''قرآن والو قرآن شریف سے تکیہ نہ لگاؤ، اور اس کی تلاوت شب وروز ایسی ہی کرو جیسا کہ اس کا حق ہے۔کلام پاک کی اشاعت کرو اور اس کو اچھی آواز سے پڑھو اور اس کے معنی میں تدبر کرو، تاکہ تم فلاح کو پہنچو اور اس کا

بدلہ دنیا میں طلب نہ کرو کہ (آخرت میں) اس کے لئے بڑا اجر اور بدلہ ہے'' (بیہقی۔شعب الایمان)

حدیث بالا میں چند امور ارشاد فرمائے گئے ہیں،

1۔ قرآن پاک سے تکیہ نہ لگاؤ۔قرآن شریف سے تکیہ لگانے کے دو مفہوم ہیں ایک یہ کہ اس پر تکیہ نہ لگاؤ کہ یہ خلاف ادب ہے۔ابن حجرؒ نے لکھا ہے کہ قرآن پاک کو تکیہ نہ لگانا اس کی طرف کو پاؤں کرنا اس کی طرف کو پشت کرنا حرام ہے۔

2۔ یہ کہ اس کی تلاوت کرو جیسا کہ تلاوت کرنے کا حق ہے یعنی کثرت سے تلاوت کرو، آداب کی رعایت رکھتے ہوئے تلاوت کرو۔خود کلام پاک میں بھی اس کی طرف متوجہ فرمایا گیا ہے ارشاد ہے

''اَلَّذِیۡنَ اٰتَیۡنٰہُمُ الۡکِتٰبَ یَتۡلُوۡنَہٗ حَقَّ تِلَاوَتِہٖ ؕ (سورۃ البقرہ آیت نمبر 121)

ترجمہ: ''جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی وہ اس کی تلاوت کرتے ہیں جیسا کی اس کی تلاوت کا حق ہے''۔

یعنی جس عزت سے بادشاہ کا فرمان اور جس شوق سے محبوب کا کلام پڑھا جاتا ہے، اسی طرح اس کو پڑھنا چاہئے۔

3۔ یہ کہ اس کی اشاعت کرو یعنی تقریر سے تحریر سے ترغیب سے اور عملی شرکت سے جس طرح ہو سکے جتنی ہو سکے اس کی اشاعت کرو، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں تعلیم قرآن سب سے اہم چیز ہے۔

4۔ خوش آوازی سے پڑھو۔آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ کسی چیز کو اتنی توجہ سے نہیں سنتا جتنی توجہ سے اچھی آواز سے پڑھنے پر نبی کے قرآن مجید کو سنتا ہے''۔(صحیح بخاری)

5۔ اس کے معنی میں غور کرو، توریت سے ''شرح احیاء'' میں نقل کیا گیا ہے کہ حق سبحانہ تقدس ارشاد فرماتے ہیں کہ ''اے میرے بندے تجھے مجھ سے شرم نہیں آتی کہ تیرے پاس راستے میں کسی دوست کا خط آجاتا ہے تو تُو چلتے چلتے ٹھہر جاتا ہے۔الگ بیٹھ کر غور سے اس کو پڑھتا ہے، ایک ایک لفظ پر غور کرتا ہے میری کتاب تجھ پر گزرتی ہے میں نے اس میں سب کچھ واضح کر دیا ہے۔بعض اہم امور کا بار بار تکرار کیا ہے تا کہ تو اس پر غور کرے مگر تو بے پرواہی سے اڑا دیتا ہے کیا، میں تیرے نزدیک تیرے دوستوں سے بھی کم تر ہوں؟ اے میرے بندے تیرے دوست تیرے پاس بیٹھ کر باتیں کرتے ہیں، تو ہمہ تن ادھر متوجہ ہو جاتا ہے اور کان لگاتا ہے غور کرتا ہے۔کوئی بیچ میں تجھ سے بات کرنے لگتا ہے تو تو اشارے سے منع کرتا ہے۔اور جب میں تجھ سے اپنے کلام کے ذریعے سے باتیں کرنے لگتا ہوں تو تو ذرا بھی متوجہ نہیں ہوتا۔کیا میں تیرے نزدیک تیرے دوستوں سے بھی کم تر ہوں؟ اس کا بدلہ دنیا میں نہ چاہو، یعنی تلاوت پر کوئی معاوضہ نہ لو کیونکہ آخرت میں اس کا بہت بڑا معاوضہ ملنے والا ہے۔دنیا میں اگر اس کا معاوضہ لے لیا جائے گا تو ایسا ہے، جیسے روپوں کے بدلے میں کوئی شخص کوڑیوں پر راضی ہو جائے۔''نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا'' جب میری امت دینار و درہم کو بڑی چیز سمجھنے لگے گی، تو اسلام کی ہیبت ان سے جاتی رہے گی۔اور جب امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو چھوڑ دے گی تو وحی کی برکت سے محروم ہو جائے گی یعنی فہم قرآن سے محروم ہو جائے گی''۔

**12۔حدیث:**

حضرت واثلہؒ بن الاسقع اللیثی حضور پاک خاتم النبیین ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا مجھے تورات کے بدلے میں سبع طویل ملی ہیں۔اور زبور کے بدلے میں متین اور انجیل کے بدلے میں مثانی اور مفصل مخصوص ہیں میرے ساتھ (الاحمد والکبیر کزرنی جمع الفوائد)

قرآن پاک کی اول سات سورتیں طول کہلاتی ہیں، اس کے بعد گیارہ سورتیں متین کہلاتی ہیں، اس کے بعد کی بیس سورتیں مثانی اور اس کے بعد ختم قرآن تک مفصل یہ مشہور قول ہے۔بعض بعض سورتوں میں اختلاف بھی ہے کہ یہ طول میں داخل ہیں کہ متین میں اس طرح مثانی میں داخل ہیں یا مفصل میں۔مگر حدیث کے مطلب و مقصود میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔مقصد یہ ہے کہ جس قدر کتابیں اور صحائف پہلے نازل ہوئیں ہیں ان سب کی نظیر قرآن پاک میں موجود ہے۔اور ان کے علاوہ مفصل اس کلام پاک کے لئے مخصوص ہے جس کی مثال پہلی کتابوں میں موجود نہیں ہے۔

**13۔حدیث:**

حضرت ابو سعید خدریؓ کہتے ہیں کہ میں ضعفاء مہاجرین کی جماعت میں ایک بار بیٹھا ہوا تھا ان لوگوں کے پاس کپڑا بھی اتنا نہ تھا کہ وہ لوگ اس میں اپنا پورا بدن ڈھانپ سکیں، بعض لوگ بعض کی اوٹ کرتے تھے۔ایک شخص قرآن شریف پڑھ رہا تھا اور اتنے میں حضور پاک خاتم النبیین ﷺ تشریف فرما ہوئے اور ہمارے

بالکل قریب کھڑے ہو گئے، حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے آنے پہ قاری چپ ہو گیا تو حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا کہ تم لوگ کیا کر رہے تھے؟ ہم نے عرض کیا کہ ''کلام اللہ سن رہے'' تھے۔ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا کہ ''تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے میری امت میں ایسے لوگ پیدا فرمائے ہیں کہ مجھے ان میں ٹھہرنے کا حکم کیا گیا''۔ اس کے بعد حضور خاتم النبیین ﷺ ہمارے بیچ میں بیٹھ گئے تا کہ سب برابر رہیں کسی کے قریب اور کسی سے دور نہ ہوں۔ اس کے بعد سب کو حلقہ کر کے بیٹھنے کا حکم فرمایا، سب حضور خاتم النبیین ﷺ کی طرف منہ کر کے بیٹھ گئے۔ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا اے فقراء و مہاجرین تمہیں مژدہ ہو (خوشخبری ہے) قیامت کے دن نور کامل کا اور اس بات کا کہ تم اغنیاء سے (امیر لوگوں سے) آدھے دن سے پہلے جنت میں داخل ہو گے۔ اور یہ آدھا دن پانچ سو برس کے برابر ہو گا''۔ (ابوداؤد)

ننگے بدن سے بظاہر ستر کے علاوہ مراد ہے، مجمع میں ستر کے علاوہ اور بدن کے کھلنے سے بھی حجاب معلوم ہوا کرتا ہے۔ اس لئے ایک دوسرے کے پیچھے بیٹھ گئے، قرآن پاک کی مشغولی کی وجہ سے انہیں آپ خاتم النبیین ﷺ کی آمد کا علم ہی نہ ہوا تو قاری ادب کی وجہ سے خاموش ہو گئے۔ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کا دریافت فرمانا بظاہر اظہار مسرت کے لئے تھا۔ ورنہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ قاری کو پڑھتا ہوا دیکھ ہی چکے تھے۔

آخرت کا ایک دن دنیا کے ہزار برس کے برابر ہوتا ہے۔ اور جس دن حشر نشر کیا جائے گا اس دن کے بارے میں کہا گیا ہے کہ وہ ایسا دن جو پچاس ہزار برس کے برابر ہو گا۔ یہ دن مومنین کے لئے حسب حیثیت ہو گا۔

قرآن پاک کے پڑھنے کے بے حد فضائل ہیں بعض علماء کا فتویٰ ہے کہ ''قرآن پاک کا سننا پڑھنے سے زیادہ افضل ہے، اس لئے قرآن پاک کا پڑھنا نفل ہے اور سننا فرض، اور فرض کا درجہ نفل سے بڑھا ہوا ہے''

**14۔ حدیث:**

حضرت ابو ہریرہؓ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ ''جو شخص ایک آیت کلام اللہ کی سنے اس کے لئے دو چند نیکی لکھی جاتی ہے، اور جو تلاوت کرے اس کے لئے قیامت کے دن نور ہو گا'' (مسند احمد)

حضرت ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ منبر پر تشریف فرما تھے ارشاد فرمایا کہ ''مجھے قرآن پاک سناؤ''۔ میں نے عرض کیا ''حضور خاتم النبیین ﷺ پر تو خود ہی نازل ہوا ہے حضور خاتم النبیین ﷺ کو کیا سناؤں''؟ ارشاد فرمایا ''میرا دل چاہتا ہے کہ میں سنوں''، اس کے بعد میں نے سنایا تو حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے''۔ (طبرانی و نحوہ البراز)

ایک مرتبہ حضرت حذیفہؓ کلام پاک پڑھ رہے تھے حضور پاک خاتم النبیین ﷺ دیر تک کھڑے ہو کر کلام پاک سنتے رہے، حضرت ابو موسیٰ اشعری کا قرآن پاک سنا تو تعریف فرمائی۔

**15۔ حدیث:**

حضرت عقبہ بن عامرؓ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ ''کلام اللہ کا آواز سے پڑھنے والا اعلانیہ صدقہ کرنے والے کے مشابہ ہے اور آہستہ پڑھنے والا خفیہ صدقہ کرنے والے کی مانند ہے'' (ترمذی۔ ابوداؤد۔ نسائی۔ حاکم۔ نجاری شریف)

صدقہ بعض اوقات اعلانیہ افضل ہوتا ہے، جس وقت کے دوسروں کی ترغیب کا سبب ہو یا کوئی اور مصلحت ہو۔ اور بعض اوقات مخفی افضل ہوتا ہے۔ جہاں ریا (دکھاوے) کا گمان ہو یا دوسرے کی تذلیل ہوتی ہو۔ بیہقی نے ''کتاب الشعب'' میں حضرت عائشہؓ سے نقل کیا ہے کہ ''خفیہ صدقہ کرنا اعلانیہ صدقہ کرنے سے ستر گنا زیادہ بڑھ جاتا ہے''۔

**16۔ حدیث:**

حضرت جابرؓ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ ''قرآن پاک ایسا شفیع ہے جس کی شفاعت قبول ہو گی، اور ایسا جھگڑالو کہ اس کا جھگڑا تسلیم ہو گا۔ جو شخص اس کو اپنے آگے رکھے گا یہ اس کو جنت کی طرف کھینچتا ہے اور جو اس کو پس پشت ڈال دے اس کو جہنم میں دھکیلے گا۔'' (حاکم)

یعنی یہ جس کی شفاعت کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی شفاعت قبول کرتا ہے اور جس کے بارے میں جھگڑتا ہے یعنی اپنی رعایت رکھنے والوں کے لئے اپنے پڑھنے

اور عمل کرنے والوں کے لئے، درجات کے بڑھانے میں اللہ تعالیٰ کے دربار میں جھگڑتا ہے۔ اور اپنی حق تلفی کرنے والوں سے مطالبہ کرتا ہے کہ میرا حق کیوں نہیں ادا کیا؟ جو شخص اس کی اتباع اور اس کی پیروی کو اپنا دستور العمل بنائے اس کو جنت میں پہنچا دیتا ہے۔ اور جو اس کو پس پشت ڈال دے یعنی اس کی اتباع نہ کرے، اس پر عمل نہ کرے اس کا جہنم میں گرنا ظاہر ہے۔ متعدد احادیث میں قرآن کے ساتھ بے پرواہی برتنے پر وعیدیں وارد ہوئیں ہیں۔

بخاری شریف کی آیات طویل حدیث میں (معراج کی شب) حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کو بعض سزاؤں کی سیر کرائی گئی، ایک شخص کا حال دکھایا گیا کہ جس کے سر پر ایک پتھر اس زور سے مارا جاتا تھا کہ اس کا سر کچل جاتا تھا۔ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے دریافت کرنے پر بتایا گیا کہ ''اس شخص کو اللہ تعالیٰ نے اپنا کلام سکھایا تھا لیکن اس نے نہ شب کو اس کی تلاوت کی نہ دن میں اس پر عمل کیا۔ لہذا قیامت تک اس کے ساتھ یہی معاملہ رہے گا''۔

**17۔ حدیث:**

حضرت عبداللہ بن عمروؓ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ ''روزہ اور قرآن شریف دونوں بندے کے لئے شفاعت کرتے ہیں، روزہ عرض کرتا ہے کہ یا اللہ میں نے اس بندے کو دن میں کھانے پینے سے روکے رکھا میری شفاعت قبول فرما اور قرآن کہتا ہے کہ یا اللہ میں نے رات کو اسکو سونے سے روکے رکھا میری شفاعت قبول فرما، پس دونوں کی شفاعت قبول کی جائے گی (طبرانی۔ حاکم مسلم)

بعض علماء کا مذہب ہے کہ چالیس دن سے زائد ایک قرآن پاک ختم کرنے میں نہ خرچ ہوں، اور اگر کسی وجہ سے کسی دن نہ پڑھ سکے تو دوسرے دن اس کو قضاء کرلیں۔ یعنی دوسرے دن زیادہ پڑھیں پہلا بھی پورا کریں اور روز کا جو پڑھنا ہے وہ بھی پڑھ لیں۔

بعض علماء کا فتویٰ ہے کہ ہر ماہ میں ایک قرآن پاک ختم کرنا چاہئے، اور بہتر یہ ہے کہ سات دن میں ایک قرآن پاک مکمل کیا جائے کہ صحابہ کرامؓ کا یہی معمول تھا۔ یعنی جمعہ کے دن سے شروع کریں اور جمعرات کے دن پر مکمل کریں، سات روز میں سات منزلیں قرآن پاک کی مکمل کریں۔ امام اعظمؒ کا معقولہ ہے کہ ایک سال میں دو مرتبہ قرآن پاک مکمل کرنا قرآن پاک کا حق ادا کرنا ہے۔ لہذا اس سے کم کسی طرح نہیں ہونا چاہئے۔ ایک حدیث پاک میں وارد ہوا ہے کہ قرآن پاک کا مکمل اگر دن کے شروع میں ہو تو اس کے لئے ملائکہ دن بھر رحمت کی دعا کرتے ہیں، اور اگر رات کے شروع میں ہو تو تمام رات ملائکہ اس کے لئے رحمت کی دعا کرتے ہیں۔

**18۔ حدیث:**

حضرت سعیدؓ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ ''قیامت کے دن اللہ کے نزدیک قرآن پاک سے بڑھ کر کوئی سفارش کرنے والا نہ ہوگا، نہ کوئی نبی نہ کوئی فرشتہ'' (شرح الاحیاء)

کلام اللہ شریف کا شفیع ہونا متعدد روایات سے معلوم ہو چکا ہے۔ لآلی مصنوعہ نام کتاب 12 میں بزار کی روایت سے نقل کیا گیا ہے (اور وضع کا حکم بھی اس پر نہیں لگایا) کہ ''جب آدمی مرتا ہے تو اسکے گھر کے لوگ اس کی تجہیز و تکفین میں مشغول ہوتے ہیں، اور اس کے سرہانے نہایت ہی حسین و جمیل صورت کا ایک شخص ہوتا ہے، جب کفن دیا جاتا ہے تو وہ شخص کفن اور سینے کے درمیان میں ہوتا ہے، جب دفن کرنے کے بعد لوگ لوٹتے ہیں تو منکر نکیر آتے ہیں تو وہ اس شخص کو الگ کرنا چاہتے ہیں، کہ سوال یکسوئی سے کریں مگر یہ کہتا ہے کہ میرا ساتھی ہے میرا دوست ہے میں کسی حال میں اس کو تنہا نہیں چھوڑ سکتا۔ تم سوالات اس سے کرو میں اس وقت تک اس سے جدا نہیں ہوں گا جب تک کہ اس کو جنت میں داخل نہ کرواؤں''۔

اس کے بعد وہ اپنے ساتھی کی طرف متوجہ ہو کر کہتا ہے کہ میں ہی وہ قرآن ہوں جس کو تو کبھی بلند پڑھتا تھا تو کبھی آہستہ۔ تو بے فکر رہ منکر نکیر کے سوالات کے بعد تجھے کوئی غم نہیں، اس کے بعد جب منکر نکیر اپنے سوالات سے فارغ ہو جاتے ہیں تو یہ ملاء العلیٰ (جنت کا اعلیٰ درجہ) سے بستر کا انتظام کرتا ہے جو ریشم کا ہوتا ہے اور اس کے درمیان مشک بھرا ہوتا ہے''۔

**19۔ حدیث:**

عبداللہ بن عمروؓ نے حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کا ارشاد نقل فرمایا ہے ''کہ جس شخص نے کلام اللہ شریف پڑھا اس نے علوم نبوت کو اپنی پسلیوں کے درمیان لے لیا۔

(اگرچہ اس کی طرف وحی نہیں بھیجی جاتی) حامل قرآن کے لئے مناسب نہیں کہ غصہ والوں کے ساتھ غصہ کرے یا جاہلوں کے ساتھ جہالت کرے۔

حالانکہ اس کے پیٹ میں (سینے میں) اللہ کا کلام ہے۔ (حاکم)

چونکہ وحی کا سلسلہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کے بعد ختم ہو گیا ہے اس لئے وحی تو اب نہیں آسکتی لیکن چونکہ یہ حق تعالیٰ کا پاک کلام ہے اس لئے اس کا علم نبوت ہونے میں کیا تعامل ہے۔ اور جب کوئی شخص علوم نبوت سے نوازا جائے تو نہایت ہی ضروری ہے کہ اس کے مناسب اور بہترین اخلاق پیدا ہوں اور برے اخلاق سے احتراز کرے۔

**20۔حدیث:**

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا: ''بروزِ قیامت صاحبِ قرآن (قرآن پڑھنے اور اس پر عمل کرنے والا) آئے گا تو قرآن کہے گا: ''اے رب! اسے زیور پہنا، تو صاحبِ قرآن کو عزت کا تاج پہنایا جائے گا۔'' قرآن پھر کہے گا: ''اے میرے رب! اسے اور بھی (اصلی لباس) پہنا۔''، تو اسے عزت و بزرگی کا لباس پہنا دیا جائے گا۔ پھر قرآن کہے گا: ''اے میرے مولیٰ! اب اس سے راضی ہو جا (اس کی تمام خطائیں معاف کر دے)۔'' تو اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہو جائے گا اور اس سے کہا جائے گا: قرآن پڑھتا جا اور (جنت کے زینے) چڑھتا جا۔ اور ہر آیت کے بدلے میں اس کی نیکی بڑھتی جائے گی۔'' (رواہ الترمذي والحاکم والبیہقي۔ وقال ابوعیسیٰ ہذا حدیث حسن صحیح، وقال الحاکم ہذا حدیث صحیح الإسناد)

**21۔حدیث:**

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا: ''قرآن مجید پڑھنے والے سے کہا جائے گا'' قرآن پڑھتا جا اور جنت میں منزل بہ منزل اوپر چڑھتا جا، اور یوں ترتیل سے پڑھ جیسے تو دنیا میں ترتیل کیا کرتا تھا، تیرا ٹھکانا جنت میں وہاں پر ہوگا جہاں تو آخری آیت تلاوت کرے گا۔'' (ابوداؤد، ترمذی)

**22۔حدیث:**

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا کہ ''جو شخص دس آیات کی تلاوت رات میں کرے وہ اس رات غافلین میں شمار نہ ہو گا'' (حاکم۔ مسلم)

دس آیات کی تلاوت سے جس کے پڑھنے میں دس منٹ صرف ہوتے ہیں تمام رات کی غفلت سے نکل جاتا ہے اس سے بڑھ کر اور کیا فضیلت ہوگی۔

**23۔حدیث:**

حضرت ابو ہریرہؓ نے حضور پاک خاتم النبیین ﷺ سے نقل کیا ہے کہ ''جو شخص پانچ نمازوں پر مداومت کرے وہ غافلین میں نہیں لکھا جائے گا اور جو شخص سو آیات کی تلاوت کسی رات میں کرے وہ قانتین میں لکھا جائے گا'' (الحاکم)

**24۔حدیث:**

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں حضور نبی اکرم خاتم النبیین ﷺ کی خدمت میں بیٹھا ہوا تھا، پس میں نے آپ خاتم النبیین ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ

"قیامت کے روز قرآن، قرآن پڑھنے والے کو اس وقت ملے گا جب اس کی قبر پھٹے گی (اور وہ قبر سے باہر نکلے گا) ایسے شخص کی شکل میں جس کا رنگ کمزوری اور خوف کی وجہ سے تبدیل ہو چکا ہو، اور کہے گا" کیا تو مجھے پہچانتا ہے"؟ تو وہ شخص کہے گا" میں تجھے نہیں پہچانتا"، پس قرآن کہے گا" میں تمہارا دوست قرآن ہوں، وہ دوست جس نے دوپہر کے وقت شدید گرمی کے دنوں میں اپنے چشموں سے سیراب کیا اور تیری راتوں کو جگائے رکھا اور بے شک ہر تاجر اپنے کاروبار کے پیچھے بھاگتا ہے اور بے شک تو بھی آج اپنے اس کاروبار کے پیچھے بھاگے گا (جو تجھے نفع دے)"۔ پس اس شخص کو اس کے دائیں ہاتھ میں بادشاہت اور بائیں ہاتھ میں ہمیشہ کی زندگی (یعنی پروانہء جنت) تھما دیا جائے گا اور اس کے سر پر وقار کا تاج سجایا جائے گا اور اس کے والدین کو دو قیمتی لباس پہنائے جائیں گے جن کی قیمت پوری دنیا سے بھی نہیں لگائی جاسکتی۔ پس وہ دونوں کہیں گے "ہمیں کس وجہ سے یہ قیمتی جوڑے پہنائے گئے"؟ تو ان سے کہا جائے گا" تمہارے بیٹے کے (دنیا میں) قرآن سیکھنے کی وجہ سے"۔ پھر اس صاحب قرآن کو کہا جائے گا" جنت کے کمروں اور سیڑھیوں پر اس قرآن کو پڑھتا جا۔ پس وہ اس وقت تک ان (سیڑھیوں) پر چڑھتا رہے گا جب تک وہ قرآن کو پڑھتا رہے گا خواہ

اس کا پڑھنا جلدی کے ساتھ ہو یا ٹھہر ٹھہر کر۔" (ابن ماجہ، دارمی)

**25۔حدیث:**

حضرت ابن عمرؓ حضور اقدس خاتم النبیین ﷺ کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں کہ"حسد دو شخصوں کے سوا کسی پر جائز نہیں ایک وہ جس کو حق تعالیٰ شانہ نے قرآن پاک کی تلاوت عطا فرمائی اور وہ دن رات اس میں مشغول رہتا ہے، دوسرے وہ جس کو حق تعالیٰ نے مال کی کثرت عطا فرمائی اور وہ دن رات اس کو خرچ کرتا ہے" (بخاری۔ترمذی۔نسائی)

**26۔حدیث:**

حضرت عمرؓ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں کہ"حق تعالیٰ شانہ اس کتاب یعنی قرآن پاک کی وجہ سے کتنے ہی لوگوں کو بلند مرتبہ عطا فرماتے ہیں اور کتنے ہی لوگوں کو پست اور ذلیل کرتے ہیں" (مسلم)

یعنی جو لوگ اس پر ایمان لاتے ہیں عمل کرتے ہیں، حق تعالیٰ ان کو دنیا وآخرت میں رفعت وعزت عطا فرماتے ہیں، اور جو لوگ اس پر عمل نہیں کرتے حق سبحانہ و تقدس اس کو ذلیل کرتے ہیں۔

بعض علماء سے منقول ہے کہ آدمی تلاوت کرتا ہے اور خود اپنے او پر لعنت کرتا ہے، اور اس کو خبر بھی نہیں ہوتی قرآن شریف میں پڑھتا ہے "اَلَا لَعنَةُ اللّٰهِ عَلَی الظّٰلِمِین ۝ (سورۃ ھود، آیت نمبر 18) اور خود ظالم ہونے کی وجہ سے اس وعید میں داخل ہوتا ہے۔ اس طرح پڑھتا ہے"لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ۝" (سورۃ آلِ عمران، آیت نمبر 61) اور خود جھوٹا ہونے کی وجہ سے اس کا مستحق ہوتا ہے۔

**27۔حدیث:**

حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "لوگوں میں سے کچھ اللہ والے ہوتے ہیں"۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا" یا رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ! وہ کون (خوش نصیب) ہیں"؟ آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا" قرآن پڑھنے والے، وہی اللہ والے اور اس کے خواص ہیں"۔(رواہ النسائی فی السنن الکبری)

**28۔حدیث:**

عبدالملک بن عمیرؓ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ"سورہ فاتحہ ہر بیماری کی شفاء ہے" (الدارمی۔بیہقی)

حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے اس سورت کو سب سے افضل بتایا ہے۔ بعض صوفیاء سے منقول ہے کہ جو کچھ پہلی کتابوں میں تھا وہ سب کلام پاک میں آ گیا۔ اور جو کچھ قرآن پاک میں ہے وہ سب سورہ فاتحہ میں آ گیا، اور جو کچھ سورہ فاتحہ میں ہے وہ سب بسم اللہ میں آ گیا، اور جو کچھ بسم اللہ میں ہے وہ سب اس کی ب میں آ گیا۔ اور بعض نے کہا کہ ب میں جو کچھ ہے وہ اس کے نقطہ میں آ گیا۔ یعنی واحدانیت کہ نقطہ اصطلاح میں کہتے ہیں اس چیز کو کہ جس کی تقسیم نہ ہو سکتی ہو۔"بعض مشائخ سے منقول ہے کہ اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَاِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ میں تمام دین ودنیا کے مقاصد آ گئے"۔

**29۔حدیث:**

مسلم شریف کی ایک حدیث میں ہے ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ ایک مرتبہ تشریف فرما تھے حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا کہ"آسمان کا دروازہ آج کھلا ہے جو آج سے قبل کبھی نہیں کھلا تھا۔ پھر اس میں سے ایک فرشتہ نازل ہوا"۔ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا کہ یہ ایک فرشتہ نازل ہوا ہے جو آج سے قبل کبھی بھی نازل نہیں ہوا تھا۔ پھر اس فرشتے نے آپ سے عرض کیا کہ دونوروں کی بشارت لیجئے جو آپ سے قبل کسی کو نہیں دیئے گئے۔ ایک سورہ فاتحہ دوسرا سورہ بقرہ کا آخری رکوع۔ ان کو نور اس لئے فرمایا ہے کہ یہ قیامت کے دن اپنے پڑھنے والوں کے آگے آگے چلیں گے۔

**30۔حدیث:**

عطا بن ابی رباحؒ کہتے ہیں کہ مجھے نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کا یہ ارشاد پہنچا ہے کہ"جو شخص سورہ یٰسین کو شروع دن میں پڑھے اس کی تمام دن کی حوائج (ضروریات) پوری ہو جائیں گی" (الدارمی)۔

ایک روایت میں آیا ہے کہ آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''ہر چیز کے لئے ایک دل ہوتا ہے اور قرآن پاک کا دل سورہ یٰسین ہے''۔(ترمذی، باب فضائل القرآن, حدیث نمبر 2887)

**31۔حدیث:**

ابن مسعودؓ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ ''جو شخص ہر رات کو سورہ واقعہ پڑھے اس کو کبھی فاقہ نہیں ہوگا'' ابن مسعودؓ اپنی بیٹیوں کو حکم فرمایا کرتے تھے کہ وہ ہر شب اس سورت کو پڑھیں۔(بیہقی)

**32۔حدیث:**

حضرت ابو ہریرہؓ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں ''قرآن پاک میں ایک سورت تیس آیات کی ایسی ہے کہ وہ اپنے پڑھنے والے کی شفاعت کرتی رہتی ہے، یہاں تک کہ اس کی مغفرت کروالے وہ سورۃ تبارک الذی (الملک) ہے''۔(احمد۔ابوداؤد۔نسائی۔حاکم۔ابن ماجہ)

سورہ تبارک الذی کے متعلق آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''میرا دل چاہتا ہے کہ یہ سورۃ ہر مومن کے دل میں ہو''۔(تفسیر ابن کثیر)

خالد بن معدانؒ کہتے ہیں کہ مجھے یہ روایت پہنچی ہے ''ایک شخص بڑا گناہ گار تھا وہ سورہ سجدہ پڑھا کرتا تھا۔اس کے علاوہ اور کچھ نہیں پڑھا کرتا تھا۔اس سورہ نے اپنے پر اس شخص پر پھیلا دیئے تھے اور کہا کہ اے رب یہ شخص میری تلاوت کرتا تھا، اس کی شفاعت قبول کی گئی اور حکم ہوا کہ اسے ہر خطا کے بدلے ایک نیکی دے دی جائے''۔

خالد بن معدانؒ یہ بھی کہتے ہیں ''یہ سورہ پڑھنے والے کی طرف سے قبر میں جھگڑتی ہے، اور کہتی ہے کہ اگر میں تیری کتاب میں ہوں تو میری شفاعت قبول کر ورنہ اپنی کتاب مٹا دے۔اور بمنزلہ پرندے کے بن جاتی ہے اور اپنے پر میت پر پھیلا دیتی ہے اور اس پر عذاب قبر ہونے سے مانع ہوتی ہے''۔

**********

# علم تفسیر قرآن

## تفسیر قرآن:

تفسیر سے مراد کسی علم کو واضح کرنا، تفصیل سے بیان کرنا، ظاہر کرنا، فاش کرنا۔ شرعی اصطلاح میں قرآن پاک کی آیات کے مفہوم کو تفصیل سے بیان کرنا تفسیر کہلاتا ہے۔

1۔ امام زرکشی کا خیال ہے کہ تفسیر ایک ایسا علم ہے، جس کی وجہ سے رسول پاک خاتم النبیین ﷺ پر نازل کئے گئے قرآن پاک کے معنی سمجھے جاتے ہیں۔ اور اس کے احکام و مسائل، اسرار و حکم سے بحث کی جاتی ہے۔

2۔ منہاج القرآن میں مرقوم ہے کہ تفسیر ایک ایسا علم ہے جس میں بشری استطاعت کی حد تک اس امر سے بحث کی جاتی ہے کہ الفاظ قرآنی سے اللہ تعالیٰ کی کیا مراد ہے۔

3۔ الاتقان میں بتایا گیا ہے کہ تفسیر ایک ایسا علم ہے جس میں قرآنی آیات کے نزول، ان کے واقعات، متعلقہ و اسباب نزول، نیز مکی و مدنی، محکم و متشابہات، ناسخ و منسوخ، خاص و عام، مطلق و مقید، مجمل و مفسر، حلال و حرام، وعدہ و وعید، امر و نہی اور عبارت و امثال وغیرہ سے بحث کی جاتی ہے۔ المختصر تفسیر وہ علم ہے جس میں قرآن پاک کے احوال سے بحث کی جاتی ہے، اس حیثیت سے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مراد پر دلالت کرے۔ تفسیر کے لئے نقل کی ضرورت ہے یعنی حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے ارشادات، تفسیر کا موضوع قرآن ہے، اس کی غرض احکام الٰہی، اصول دین، حلال و حرام کی معرفت (پہچان کروانا) ہے۔

## تاویل:

تاویل کا مطلب یہ ہے کہ قرآن مجید کے الفاظ کا علمی دلائل، قرائن اور قوائد، صرف و نحو کی بنیاد پر ایسے معنی کرنا جو اسلام کے بنیادی اصول، کتاب و سنت اور اجماع کے خلاف نہ ہو۔

## تفسیر اور تاویل میں فرق:

حقیقت مراد سے آگاہ کرنے کو تاویل کہتے ہیں اور دلیل مراد کے اظہار و اخبار کو تفسیر کہا جاتا ہے۔ گویا تفسیر کے معنی قطعیت کے ساتھ یہ کہنا کہ اس لفظ کے یہی معنی ہیں، اور اللہ تعالیٰ نے اس لفظ کا یہی مفہوم لیا ہے۔ اس کے برخلاف جن مختلف معنوں کا احتمال پایا جاتا ہو۔ اس میں سے ایک کو ترجیح دینے کا نام تاویل ہے، اس میں قطعیت اور یقین کا ہونا ضروری نہیں۔ اس لئے بالعموم تفسیر کو یقینی اور تاویل کو مشکوک تصور کیا جاتا ہے۔ اور تفسیر آیات محکمات کے ضمن میں ہوتی ہیں اور تاویل آیات متشابہات کے بارے میں۔ تفسیر کے لئے مندرجہ ذیل ماخذات ہیں:

1۔ قرآن حکیم
2۔ سنت نبوی خاتم النبیین ﷺ
3۔ اقوال صحابہؓ
4۔ اقوال تابعین

گویا تفسیر اسی طرح کی جاتی ہے:

1۔ قرآن کی تفسیر خود آیات قرآن سے
2۔ تفسیر قرآن بالحدیث
3۔ تفسیر قرآن باقوال صحابہؓ۔ خصوصاً فقہا صحابہ و خلفاء راشدین
4۔ تفسیر قرآن تابعین و تبع تابعین کے اقوال سے۔

## مفسر القرآن کی شرائط:

قرآن مجید کا ترجمہ اور تفسیر کرنے والا کم از کم ان اوصاف کا مالک ہونا چاہئے،

1۔ عربی زبان کے قواعد سے واقف ہو (صرف و نحو بلاغت وغیرہ)
2۔ قواعد شریعت و اصول دین اور اصطلاحات شرعیہ سے واقف ہو۔

3۔ علم قراءت سے واقف ہو۔

4۔ اسباب نزول سے واقف ہو۔

5۔ احادیث مجموعہ نبویہ اقوال صحابہؓ سے واقف ہو۔

6۔ ناسخ ومنسوخ سے واقف ہو۔

## تحریف:

تحریف یہ ہے کہ کلام کا مطلب ومعنی ایسا بیان کیا جائے جو کلام کرنے والے کی مراد کے خلاف ہو، یہ تحریف کئی طریقوں سے کی جاتی ہے۔

تحریف لفظی: الفاظ میں تبدیلی،

تحریف معنوی: معنی میں تبدیلی،

تحریف معنوی یہ ہے کہ قرآن پاک کا ایسا مفہوم بیان کرنا، جو قرآن پاک کی تشریحات یا رسول پاک خاتم النبیین ﷺ کی تشریحات یا جس معنی پر امت کا اجماع ہے اس کے خلاف ہو۔ مندرجہ ذیل دونوں قسم کی تحریفات کا مرتکب گمراہ اور بے دین ہے۔

## توجیہہ:

توجیہہ تو لفظ وجہ سے مشتق ہے۔ یعنی توجیہہ کے معنی ہیں وجہ بیان کرنا، باعث بنانا، دلیل دینا، دلیل، کیفیت وجہ۔

مفسرین کی اصطلاح میں توجیہہ سے مراد کسی آیت میں پیش آنے والی دشواری کو حل کرنا۔ باالفاظ دیگر کسی شارح کا پیش آمدہ دشواری کو اس انداز سے حل کرنا کہ اس کا سمجھنا آسان ہو جائے توجیہہ ہے۔

کسی آیت میں پیدا ہونے والے شبے کا باعث یا تو اصل مطلب کا ذہن سے دور ہونا ہے یا بظاہر دو آیات میں تضاد کا نظر آنا، یا کسی آیت میں لگی ہوئی قید سمجھ سے بالاتر ہوتی ہے اس دشواری کو حل کرنا توجیہہ ہے۔

## ناسخ ومنسوخ:

نسخ کا مطلب زائل کرنا، دور کرنا، مٹا دینا، تبدیل کرنا، بدل دینا، یا ہٹا دینا ہے۔ شرعی اصطلاح میں نسخ کے معنی حکم کی تبدیلی کے ہیں یعنی کسی شرعی دلیل کے ذریعے کسی حکم شرعی کو رفع کر کے اس کے قائم مقام دوسرا حکم شرعی مقرر کرنا۔ وہ حکم جسے کسی دوسرے حکم کے ذریعے ختم کر دیا جائے اسے منسوخ کہتے ہیں۔ اور وہ حکم جو کسی حکم کو منسوخ کر دے اسے ناسخ (منسوخ کرنے والا) کہتے ہیں۔

قرآن پاک کی آیات منسوخ تین قسم کی ہیں۔

1۔ حکم وتلاوت دونوں منسوخ

2۔ حکم منسوخ تلاوت منسوخ نہیں

3۔ تلاوت منسوخ حکم منسوخ نہیں

## منسوخ آیات کی تعداد:

امام جلال الدین سیوطیؒ نے اپنی کتاب ''الاتقان فی علوم القرآن'' میں 20 آیات کو منسوخ تسلیم کیا ہے جبکہ شاہ ولی اللہ کے نزدیک صرف 5 آیات منسوخ ہیں۔

## اسرائیلیات:

اسرائیلیات سے مراد بنی اسرائیل (یہود) کی زبانی یا ان کی کتب میں بیان کی گئی روایات اور قصے کہانیاں وغیرہ ہیں۔ ابتدائے اسلام میں چونکہ یہود بھی مسلمانوں کے ساتھ مدینہ میں آباد تھے، اس لئے مسلمان ان سے قصے کہانیاں سنتے رہتے تھے۔ مسلمانوں کو ان روایات سے اس لئے دلچسپی تھی کیونکہ قرآن مجید میں بنی اسرائیل اور ان کے پیغمبروں کا تذکرہ موجود تھا۔ رسول پاک خاتم النبیین ﷺ نے صحابہ اکرامؓ کو اس امر سے آگاہ کر دیا تھا کہ اہل کتاب کے اقوال کی نہ تصدیق کرو اور نہ تکذیب کرو۔

آپ خاتم النبیین ﷺ کے پردہ فرما جانے کے بعد بعض مفسرین نے تفسیر بیان کرتے ہوئے اسرائیلی روایات کو بھی اپنی تصانیف میں درج کرنا شروع کر

دیا۔ بعض مفسرین نے تو بغیر چھان بین کے یہودی عقائد کو اپنی کتابوں میں جگہ دے دی۔

متقدمین کے بعد آنے والے مفسرین نے بھی دیکھا دیکھی یہی طریقہ اختیار کیا، اس طرح تفاسیر میں بے شمار اسرائیلی مواد گڈمڈ ہو گیا۔

ایک مفسر کو اس ضمن میں مندرجہ ذیل امور کا خیال رکھنا چاہئے:

1۔ قرآن مجید میں جو واقعات بیان کئے گئے ہیں ان کی تفصیل حدیث نبوی خاتم النبیین ﷺ میں بھی پائی جاتی ہو تو اسرائیلیات یا اہل کتاب کی روایات کو نظر انداز کر دینا چاہئے۔

2۔ جو واقعہ بھی نقل کرنا ہو وہ صرف اتنا ہی نقل کیا جائے جتنا قرآن پاک کے اشارات سے متعلق ہو۔

3۔ اہل کتاب کی جو روایات بیان کی جائیں وہ قرآن و حدیث کی مخالفت نہ کرتی ہوں۔

4۔ ایسی روایات قانون قدرت کے خلاف نہ ہوں۔

5۔ اہل کتاب کی روایات خلاف عقل نہ ہوں۔

**********

# ناسخ ومنسوخ

## نسخ:

نسخ کا مطلب ہے(1)زائل کرنا،دور کرنا،مٹادینا (2)تبدیل کردینا،ہٹادینا،نقل کرنا،تحریر کرنا (3)منسوخی تردید۔

## شرعی اصطلاح میں نسخ:

نسخ سے مراد کسی شرعی دلیل کے ذریعے کسی حکم شرعی کو رفع کر کے اس کے قائم مقام دوسرا حکم شرعی مقرر کرنا۔

## علمائے اصول کے نزدیک نسخ:

علمائے اصول کے نزدیک نسخ سے مراد کسی آیت کے بعض احکام کو کسی دوسری آیت کے ذریعے ختم کر دینا۔وہ حکم جو کسی دوسرے حکم کے ذریعے ختم کر دیا جائے اسے منسوخ کہتے ہیں۔وہ حکم جو کسی دوسرے حکم کو منسوخ کر دے اسے ناسخ کہتے ہیں۔علمائے اکرام کا خیال ہے کہ قرآن پاک کے بعض احکام کو نئے احکام کے ذریعے منسوخ کر دیا گیا۔اس سلسلے میں قرآن مجید کی یہ آیت پیش کی گئی۔

مَا نَنۡسَخۡ مِنۡ اٰيَةٍ اَوۡ نُنۡسِهَا نَاۡتِ بِخَيۡرٍ مِّنۡهَاۤ اَوۡ مِثۡلِهَا۞(سورة البقره آیت نمبر 106)

ترجمہ:"ہم جب کوئی آیت نسخ کرتے ہیں یا اسے فراموش کرادیتے ہیں تو ہم اس سے بہتر یا اس کی مثل آیت لے آتے ہیں"۔

## نسخ کے طریقے:

اہل اصول کے نزدیک نسخ کے مختلف طریقے ہیں

1۔کسی عمل کے وقوع پذیر ہونے کی انتہائی مدت مقرر کردی جائے تو وہ عمل مقررہ مدت کے بعد خود ہی ختم ہوجائے گا۔

2۔کسی آیت کے ظاہری مفہوم کی تصریحات کے ذریعے کسی دوسرے مفہوم کی جانب موڑ دیا جائے تو ظاہری مفہوم کو منسوخ سمجھا جائے گا۔

3۔کسی آیت میں بیان شدہ شرط کے متعلق کہہ دینا کہ یہ شرط لازم نہیں ہے بلکہ اتفاقی ہے۔یا کوئی ایسا نکتہ بیان کر دینا جس سے حکم اصلی اور مفروضہ حکم کے درمیان امتیاز پیدا ہوجائے تو سابقہ آیت یا حکم منسوخ تصور کیا جائے گا۔

**نسخ کی اقسام:** نسخ کی تین اقسام ہیں،

### 1)نسخ القرآن بالقرآن:

قرآن کی کسی آیت کا خود قرآن کی دوسری آیت سے منسوخ ہونا۔

### 2)نسخ السنۃ بالقرآن:

سنت کا قرآن مجید کی رو سے منسوخ ہونا،مثلاً یوم عاشورہ کا روزہ حدیث سے ثابت ہے۔لیکن قرآن مجید کے مطابق ماہ رمضان کے روزے فرض ہونے پر یوم عاشورہ کا روزہ منسوخ ہوگیا(یعنی فرض ختم نفلی روزہ رہ گیا)

### 3)نسخ السنۃ بالسنۃ:

ایک سنت(حدیث)کا دوسری حدیث سے منسوخ ہونا مثلاً ایک حدیث کی رو سے جس چیز کو آگ نے چھوا ہو،اس کے کھانے سے وضو لازم ہوجاتا ہے،اس حدیث کو وہ حدیث منسوخ کرتی ہے،جس میں بیان کیا گیا کہ آپ خاتم النبیین ﷺ نے بکری کا گوشت کھانے کے بعد وضو نہ کیا اور نماز پڑھی۔

## منسوخ آیات کی تعداد:

امام جلال الدین سیوطیؒ نے اپنی کتاب''الاتقان فی علوم القرآن''میں 20 آیات کو منسوخ تسلیم کیا ہے جبکہ شاہ ولی اللہؒ کے نزدیک صرف 5 آیات منسوخ ہیں۔

## منسوخ آیات:

شاہ ولی اللہؒ کے نزدیک مندرجہ ذیل آیات منسوخ ہیں،سورہ بقرہ کی مندرجہ ذیل آیت نمبر 180 منسوخ ہے،

كُتِبَ عَلَيۡكُمۡ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الۡمَوۡتُ اِنۡ تَرَكَ خَيۡرًا ۖۚ اۨلۡوَصِيَّةُ۞

ترجمہ: ''تم میں سے جب کسی کوموت آئے تو عمدگی سے وصیت کرنا تم پر لازم ہے۔اور اگر وہ ماں باپ اور قرابت داروں کے لئے مال چھوڑے''۔

مندرجہ بالا آیت کی ناسخ یہ آیت (سورۃ النسا۔آیت نمبر 11) ہے،

یُو صِیۡکُمُ اللہُ فِیۡ اَوۡ لَا دِ کُمۡ (اللہ تعالیٰ تمہاری اولاد کے لئے وصیت کرتا ہے)

سورہ انفال۔آیت نمبر 65 کی یہ آیت منسوخ ہے،

اِنۡ یَکُنۡ مِنۡکُم عِشۡرُوۡنَ صَابِرُوۡنَ یَغۡلِبُوۡا مِائَتَیۡنِ

ترجمہ: ''تم میں سے اگر 20 صبر کرنے والے ہوں تو دوسو پر غالب آجائیں گے''۔

اس کی ناسخ آیات مندرجہ ذیل ہے۔

اَلۡئٰنَ خَفَفَ اللہُ عَنۡکُمۡ وَعَلِمَ اَنَّ فِیۡکُمۡ ضِعۡفاً فَاِنۡ یَکُنۡ مِنۡکُمۡ مِاۃٌ صَابِرَۃٌ یَغۡلِبُوا مِائَتَیۡنِ

ترجمہ: ''اس وقت اللہ تعالیٰ نے تمہارا بوجھ ہلکا کردیا وہ جانتا ہے کہ تم میں کمزوری ہے سو اگر تم میں سے ایک سو صبر کرنے والے ہوں تو وہ سو پر غالب آجائیں گے''۔

سورہ مجادلہ کی مندرجہ ذیل آیت منسوخ ہے آیت نمبر 12

یَااَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا اِذَا نَاجَیۡتُمُ الرَّسُوۡلَ فَقَدِّمُوۡا بَیۡنَ یَدَیۡ نَجۡوَاکُمۡ صَدَقَۃً ذٰلِکَ خَیۡرٌ لَّکُمۡ وَاَطۡھَرُ

ترجمہ: ''اے ایمان والو جب تم رسول (خاتم النبیین ﷺ) سے مشورہ لو (سوال کرو) تو اس سے پہلے صدقہ دے دیا کرو، یہ تمہارے لئے بہتر ہے اور باعث طہارت ہے''۔

اس آیت کے نزول کی وجہ یہ تھی کہ منافق اپنی بڑائی جتانے کو آپ خاتم النبیین ﷺ کے پاس پہنچ کر چپکے چپکے آپ کے کان میں باتیں کرتے تا کہ دیکھنے والا یہ خیال کرے کہ ان لوگوں کا آپ خاتم النبیین ﷺ کی نظر میں بڑا مقام ہے۔ان کی دیکھا دیکھی کچھ نادان مسلمان بھی اس طرح موقع دیکھ کر آپ کے کان میں باتیں کرنے لگے۔منافق تو آپ کا ٹائم ضائع کرنے کے لئے اور دوسروں کو موقع نہ دینے کی غرض سے آپ کا ٹائم ضائع کرتے تھے۔

مگر اس سے ایک نقصان یہ ہوا کہ ہر ایک کو انفرادی طور پر جواب دینے میں باقی لوگوں کو آپ خاتم النبیین ﷺ کے ارشادات سننے کا موقع نہ ملتا اور منافق کامیاب ہوجاتے کچھ مسلمان آپ خاتم النبیین ﷺ سے اٹھ کر کچھ سوال کرنا چاہتے لیکن ان کو سوال کرنے کا موقع ہی نہیں ملتا۔اس سے آپ خاتم النبیین ﷺ کو تکلیف پہنچتی۔اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا اور اس میں کہا گیا کہ اگر کوئی آپ خاتم النبیین ﷺ کے پاس آکر آپ خاتم النبیین ﷺ کے کان میں کوئی بات کرنا چاہے تو اسے آپ خاتم النبیین ﷺ سے بات کرنے سے پہلے کچھ خیرات کردینی چاہئے۔منافق نے یہ حکم سنا تو سوال ہی کرنے چھوڑ دیئے وہ مال کہاں خرچ کرسکتے تھے؟ پیسہ تو ان کو سب سے زیادہ پیارا تھا،مخلص مسلمان سمجھ گئے کہ اللہ تعالیٰ کو اس طرح باتیں کرنا پسند نہیں ہے،اس لئے یہ شرط لگائی گئی ہے۔اور جس کے پاس خیرات کرنے کو کچھ نہ ہوتا اس کو اس شرط سے مستثنیٰ قرار دے دیا گیا۔اب غریب مسلمانوں کو سوال کرنے کا موقع مل گیا۔اور امیر سردار منافقین سوال کرنے سے رک گئے،اس لئے کہ انہیں یہ بات معلوم ہوگئی تھی کہ ہم خیرات کریں گے اور وہ خیرات پاس بیٹھے ہوئے غریب مسلمانوں کو مل جائے گی،اس لئے یہ لوگ سوال کرنے سے رک گئے۔امیر مسلمان سوال کرتے تو غریب مسلمان کو فائدہ ہوتا،اور خود غریب مسلمان سوال کرتے تو وہ پیسے دینے سے مستثنیٰ تھے۔

اس طرح حضرت علیؓ نے ایک دینار کا صدقہ دیا اور دس مسائل معلوم کئے۔عرض کیا یا رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ (1) یہ وفا کیا ہے؟ فرمایا توحید۔(2) فساد کیا ہے؟ فرمایا کفر وشرک۔(3) حق کیا ہے؟ فرمایا اسلام،قرآن اور ہدایت۔(4) حیلہ کیا ہے؟ فرمایا ترک حیلہ۔(5) مجھ پر کیا لازم ہے؟ فرمایا اللہ اور اس کے رسول خاتم النبیین ﷺ کی اطاعت۔(6) ہم اللہ سے کیسے دعا کریں؟ فرمایا صدق اور یقین کے ساتھ۔(7) عرض کیا یا رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ کیا مانگوں؟ فرمایا عاقبت۔(8) پوچھا میں اپنی نجات کے لئے کیا کروں؟ فرمایا حلال کھا اور سچ بول۔(9) پوچھا یا رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ سرور کیا ہے؟ فرمایا جنت۔(10) پوچھا راحت کیا ہے؟ فرمایا اللہ تعالیٰ کا دیدار۔جب منافقین اور مشرکین نے سوال کرنا چھوڑ دیئے تو اگلی آیت میں اس آیت کو منسوخ کردیا گیا۔سورہ مجادلہ آیت نمبر 13

فَاِذۡ لَمۡ تَفۡعَلُوۡا وَتَابَ اللہُ عَلَیۡکُمۡ

ترجمہ: ''جب تم نے ایسا نہ کیا (سرگوشی ترک کردی) تو اللہ تعالیٰ نے تمہیں معاف کردیا''۔

# قرآنی آیات (محکمات، متشابہات، مقطعات)

## محکمات:

محکمات محکم کی جمع ہے، جس کے معنی ہیں مضبوط، مستحکم، پائیدار اور مستقل۔ مفسرین کی اصطلاح میں محکم آیات سے مراد وہ آیات ہیں جن کے مفہوم کے متعلق عربی زبان کے ماہر شخص کو کسی قسم کا تردد، یا تذبذب نہ ہو، اور ان کا صاف اور صریح مفہوم کے سوا کوئی دوسرا مفہوم ہو ہی نہ سکے۔

## متشابہات:

متشابہات سے مراد وہ آیات ہیں جن سے بیک وقت دو معنی مراد لئے جا سکتے ہوں اور بظاہر کوئی ایسا قرینہ موجود نہ ہو جس سے کسی ایک معنی کے حق میں فیصلہ کیا جا سکتا ہو۔ عام طور پر متشابہات کی تعریف اس طرح کی جاتی ہے قرآن پاک کی وہ آیات جن کے معنی اللہ تعالیٰ کے بتائے بغیر کوئی نہیں جانتا۔ عام مفسرین کا خیال ہے کہ قرآن پاک میں متشابہات انسان کی سمجھ سے بالاتر ہیں اور ان پر بحث کرنا جائز نہیں۔ علمائے راسخین کے مطابق پختہ علم والے ان متشابہات کو اللہ کے دیئے ہوئے خاص علم کی وجہ سے جان سکتے ہیں۔

## مقطعات:

مقطعات کے لفظی معنی ہیں قطع شدہ، ٹکڑے، کترنیں۔ وہ حروف جو قرآن پاک کی بعض سورتوں کے شروع میں آتے ہیں، انہیں حروف مقطعات کہتے ہیں۔ یہ حروف قرآن پاک کی 29 سورتوں کے آغاز میں آئے ہیں، یہ کل چودہ حروف تہجی ہیں۔

ا، ل، م، ص، ر، ک، ہ، ی، ع، س، ح، ق، ن، ط

## آیات مقطعات:

ان حروف کے مجموعے کو جو بعض سورتوں کے شروع میں آتے ہیں اور الگ الگ پڑھے جاتے ہیں انہیں آیات مقطعات کہتے ہیں۔ بالفاظ دیگر حروف مقطعات کے مجموعہ کا نام آیات مقطعات ہے۔ آیات مقطعات درج ذیل ہیں،

الٓمٓ، الٓمٓصٓ، الٓرٰ، کٓهٰیٰعٓصٓ، طٰهٰ، طٰسٓ، طٰسٓمٓ، حٰمٓ، یٰسٓ، قٓ، نٓ، صٓ، حٰمٓعٓسٓقٓ۔

علمائے راسخین کا خیال ہے کہ یہ حروف متشابہات میں سے ہیں اور ان کا مطلب اللہ اور اس کے رسول خاتم النبیین ﷺ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

## توجیہات:

حروف مقطعات کے بارے میں علمائے اکرام نے جو توجیہات بیان کی ہیں ان میں سے مندرجہ ذیل توجیہات مشہور ہیں۔

1۔ حروف مقطعات کے بارے میں صرف اللہ ہی جانتا ہے

2۔ حروف مقطعات اسمائے الٰہی کی طرف اشارہ ہے

3۔ کسی سورۃ کے شروع میں آنے والی آیت مقطعات اس سورۃ کے موضوع کی طرف اشارہ ہے، اس میں سورۃ کا خلاصہ مضمر ہوتا ہے۔ ابتدائے سورۃ میں یہ ایک پھول کی مانند ہیں۔

4۔ حروف مقطعات امتحان کے لئے ہیں اور ہر ایک کا امتحان اس کی شان کے مطابق ہے اس میں اہل علم کا امتحان ہے، کہ اس میں وقف کرے اور اپنی صوابدید استعمال نہ کرے۔

5۔ حروف مقطعات متشابہات میں سے ہیں۔

6۔ یہ حروف کلی وصف کی طرف اشارہ کرتے ہیں اور اس میں کسی فرد کی خصوصیت کو دخل نہیں ہے۔

**********

# نصرانیوں کے عقائد

سورہ مائدہ کی روشنی میں نصرانیوں (عیسائیوں) کے عقائد کا جواب:

نصرانیوں میں مندرجہ ذیل پانچ عقیدے تھے،

عقیدہ تثلیث

عقیدہ الوہیت

عقیدہ ابنیت

عقیدہ مصلوبیت

عقیدہ کفارہ

## 1۔عقیدہ تثلیث:

عقیدہ تثلیث یہ ہے کہ تین شخصیات مل کر ایک وحدت کی شکل میں اللہ کا وجود بنتی ہیں۔تثلیث کی رو سے باپ، بیٹا اور روح القدس خدائی کے تین لازمی اجزاء ہیں، باپ سے مراد اللہ تعالیٰ اور بیٹا سے مراد حضرت عیسیٰؑ ہیں۔روح القدس سے مراد (پاک روح) وہ صفات ہیں جن کی وجہ سے خدا اپنے بیٹے سے محبت کرتا ہے۔اس تثلیث کو عیسائی لوگ ''اقانیم ثلاثہ'' کے نام سے پکارتے ہیں، یہ تینوں اقانیم مساوی درجہ کی حامل ہیں، انجیل یوحنا کے مطابق ان اقانیم میں سے باپ اور بیٹا ایک ہیں۔قرآن پاک سورہ المائدہ آیت نمبر 73 میں فرمایا گیا ہے کہ:

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ

ترجمہ ''یعنی ان لوگوں نے کفر کیا جنہوں نے کہا کہ اللہ تینوں میں سے تیسرا ہے''۔

اسلامی عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے اور کوئی اس کی ذات اور صفات میں شریک نہیں۔سورۃ اخلاص آیت نمبر 3

لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ سے ظاہر ہے کہ ''نہ اس نے (کسی کو) جنا ہے اور نہ وہ (کسی سے) جنا گیا''۔

## 2۔عقیدہ الوہیت:

عیسائیوں کا ایک عقیدہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا ہیں، یعنی خدا اور عیسیٰؑ میں کوئی فرق نہیں۔سورہ المائدہ آیت نمبر 17 میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ''

ترجمہ: ''یعنی ان لوگوں نے کفر کیا جنہوں نے کہا کہ اللہ ہے وہ جو ابن مریم ہے''۔

بعض عیسائیوں کا عقیدہ تھا کہ حضرت عیسیٰؑ اور حضرت مریم علیہ السلام خدائی میں شریک ہیں، اس لئے یہ دونوں بھی معبود کی حیثیت سے قابل عبادت ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے سورہ المائدہ آیت نمبر 17-16 میں فرمایا کہ جب حشر کے دن انبیاء سے سوال کیا جائے گا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے بھی پوچھا جائے گا۔

ترجمہ: ''اور جب اللہ کہے گا اے مریم کے بیٹے عیسیٰ! کیا تو نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھ کو اور میری ماں کو اللہ کے سوا معبود ٹھہرا لو، تو عیسیٰ علیہ السلام کہے گا تو پاک ہے مجھ کو لائق نہیں کہ میں ایسی بات کہوں۔جس کا مجھے کہنے کا کوئی حق نہیں۔اگر میں نے یہ کہا ہوگا تو تجھ کو ضرور معلوم ہوگا کیونکہ تو جانتا ہے جو میرے جی میں ہے اور میں نہیں جانتا جو تیرے جی میں ہے۔بے شک تو ہی پوشیدہ چیزوں اور باتوں کا جاننے والا ہے۔میں نے ان کو اس بارے میں کچھ نہیں کہا مگر جو تو نے حکم کیا تھا۔پھر جب تو نے مجھے اٹھا لیا تو تو ہی ان کی خبر رکھنے والا تھا اور تو ہر چیز سے خبردار ہے''۔

## 3۔عقیدہ ابنیت:

عیسائیوں کا ایک عقیدہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ اللہ کے بیٹے ہیں۔اس کے برعکس اسلامی عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام مخلوق کا خالق ہے لیکن اس کی کوئی اولاد نہیں

لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ ''نہ اس نے کسی کو جنا اور نہ وہ (کسی سے) جنا گیا''۔

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ''مَا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْل ''یعنی حضرت مسیح ابن مریمؑ (اللہ کے بیٹے نہیں بلکہ) صرف اللہ کے رسول ہیں''۔

حضرت عیسیٰؑ کو اللہ کا بیٹا ماننے کے علاوہ عیسائیوں کا ایک اور بھی عقیدہ ہے کہ وہ (یعنی عیسائی بھی) اللہ کے بیٹے اور اس کے دوست ہیں۔

سورہ مائدہ۔آیت نمبر 18 میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے،

ترجمہ:''یہود و نصاریٰ نے کہا کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے دوست ہیں''۔

یہود اور نصاریٰ کیسے اللہ کے بیٹے ہو سکتے ہیں؟ ان کے اس عقیدے کی نفی عقیدہ توحید کے تحت قرآن مجید میں جگہ جگہ بیان کی گئی ہے۔ باقی رہا اللہ کا محبوب ہونا تو اللہ کا محبوب وہی ہو سکتا ہے جو اللہ کے احکام پر عمل کرے۔ قرآن پاک میں یہود و نصاریٰ کی اس بات پر جگہ جگہ مذمت کی گئی ہے کہ انہوں نے اللہ کے احکام کو پس پشت ڈال دیا اور راہ راست سے بھٹک گئے۔ کوئی بھٹکا اور گمراہ شخص کیسے اللہ کا دوست ہو سکتا ہے؟

چنانچہ سورہ المائدہ کی آیت نمبر 18 میں یہود اور نصرانیوں کے اس دعوے کے جواب میں کہ وہ اللہ کے بیٹے اور اس کے دوست ہیں۔ فرمایا گیا ہے کہ وہ اللہ کے دوست ہیں تو:

ترجمہ:''کہہ دیجئے پھر کیوں عذاب کرتا ہے تمہارے گناہوں پر؟ کوئی نہیں بلکہ تم بھی اس کی مخلوق میں سے ایک ہو (ایک آدمی ہو)''

**4۔عقیدہ مصلوبیت:**

عیسائیوں کا ایک عقیدہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کو سولی پر چڑھا دیا گیا تھا اور وہ سولی پر ہی فوت ہو گئے۔ تاہم وہ مصلوب ہونے کے بعد زندہ ہو گئے اور پھر اللہ نے انہیں آسمان پر اٹھا لیا۔ اسلامی عقیدہ کے مطابق حضرت عیسیٰؑ کو اللہ تعالیٰ نے صلیب پر لٹکانے سے پہلے ہی زندہ آسمان پر اٹھا لیا تھا، چنانچہ قرآن مجید سورۃ النسا آیت نمبر 157 میں فرمایا گیا ہے کہ:

ترجمہ:''یعنی نہ انہوں نے اسے قتل کیا نہ صلیب پر لٹکایا گیا لیکن وہی صورت ان کے آگے بن گئی اور جو لوگ اس میں مختلف باتیں کرتے ہیں تو وہ اس مقام پر شبہ میں پڑے ہوئے ہیں، انہیں اس کی کچھ خبر نہیں ماسوائے اٹکل ''پچو کی پیروی کے''۔

**5۔عقیدہ کفارہ:**

عیسائی عقیدے کے مطابق حضرت آدمؑ اور حضرت حوّا نے شجر ممنوعہ کو استعمال کر کے گناہ کا ارتکاب کیا تھا۔ اس گناہ کی بناء پر تمام انسان اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور ہو گئے۔ پھر اللہ نے حضرت عیسیٰؑ میں اس لئے حلول کیا تا کہ اس کی شکل میں جان کا نذرانہ دے کر انسان کو دوبارہ اللہ کی رحمت کے قریب کر دے۔ چنانچہ حضرت عیسیٰ نے مصلوب ہو کر اپنی جان کا نذرانہ پیش کر دیا اس طرح پوری بنی نوع انسان (خصوصاً عیسائی) کی طرف سے اضافی گناہوں کا کفارہ ہو گیا۔ عیسائیوں کا یہ عقیدہ غیر اسلامی ہے، اسلامی عقیدے کے مطابق ہر انسان اپنی نیکی اور بدی کا ذمہ دار ہے۔

لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى۔ ''کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا''۔(سورۃ الانعام ،آیت نمبر 164)

**********

# مخاصمہ

مخاصمہ کے معنی جواب، مذمت اور تردید کے ہیں۔قرآن مجید میں مندرجہ ذیل چار قسم کے گمراہ فرقوں سے مخاصمہ کیا گیا ہے،

1۔مشرکین

2۔منافقین

3۔یہود (بنی اسرائیل یہودی)

4۔نصاریٰ (نصرانی عیسائی)

## مخاصمہ کی اقسام:

موضوع کے لحاظ سے قرآنی مخاصمہ کی دو اقسام ہیں،

### 1۔مخاصمہ فی ضمن عقائد باطلہ:

اس ضمن میں مخاطبین کے باطل عقیدوں کی مذمت اور تردید کی گئی ہے۔

### 2۔مخاصمہ فی ضمن الشبہات:

اس ضمن میں (اس موضوع کے تحت) گمراہ فرقوں کے شکوک وشبہات کو ذکر کر کے ان کی مذمت کی گئی ہے۔

## مشرکین سے مخاصمہ:

مشرکین خود کو حنیف کہتے ہیں اور دین ابراہیمی کا دعویٰ کرتے تھے۔دین ابراہیمی کے شرعی اعمال یہ تھے۔

خانہ کعبہ کا حج کرنا

نماز میں خانہ کعبہ کی طرف رخ کرنا

نسب اور رضاعت کے ذریعے عورتوں کی تحریم

غسل جنابت

ختنہ کرنا

دوسرے فطری احکام

حرام مہینوں کی حرمت

ذبح کرنا

قربانی کرنا

ذبح اور نحر کے ذریعے زمانہ حج میں خدائے تعالیٰ سے تقرب چاہنا۔

اس کے علاوہ نماز، روزہ، یتیموں اور مسکینوں کی خبر گیری، صدقہ اور صلہ رحمی، دین ابراہیمی کا شعار تھا۔دین ابراہیمی کی پیروی کا دعویٰ کرنے والوں نے ان تمام شعار کو اس طرح پس پشت ڈال دیا تھا، گویا یہ دین میں کبھی موجود نہ تھے۔مشرکین نے دین ابراہیمی کے تمام احکام کو ترک کر دیا تھا، اور ان میں ہر قسم کی برائیاں پیدا ہو گئیں تھیں۔گمراہی کے باعث ان کے عقائد میں شرک، تحریف، انکار قیامت، انکار بعثت رسول خاتم النبیین ﷺ اور اوہام وغیرہ شامل ہو گئے تھے۔

مشرکین اللہ تعالیٰ کو تو مانتے تھے مگر وہ سمجھتے تھے کہ اللہ ایک بادشاہ کی مانند ہے، جس طرح بادشاہ کے وزیر بادشاہت میں اس کے مددگار ہوتے ہیں، اس طرح بت بھی اور کچھ خاص بندے بھی اس کے معاون ہیں۔ان کی خوشنودی حاصل کرنا بادشاہ کو راضی کرنے کے لئے ضروری ہے۔ان کا عقیدہ تھا کہ خدا نے ایسے بندوں کو الوہیت (خدائی) کا خلعت مرحمت فرمایا ہے، چنانچہ ان بندوں کی رضا اور خفگی کا اثر ہر چیز پر ہوتا ہے لہٰذا انہوں نے ایسے بندوں کے بت تراش لئے تھے اور ان کے سامنے سجدہ کرنا جائز سمجھتے تھے۔

اس کے ساتھ ہی مشرکین کا یہ عقیدہ بھی تھا کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں گویا ان کے نزدیک اللہ صاحب اولاد تھا۔ یہ گروہ مشرکین اگرچہ حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ کی نبوت پر بھی ایمان رکھتے تھے لیکن بعثت انبیاء کی حقیقت سے ناواقف ہونے کے باعث یہ لوگ نبی اور نبی کے بھیجنے والے کے درمیان مشابہت اور مماثلت تلاش کرنے لگے اور گمراہ سے گمراہ تر ہوتے چلے گئے۔

**شرک کا جواب:**

قرآن مجید میں مشرکین کے عقیدہ شرک کا جواب چار طریقوں سے دیا ہے:۔

1۔ پہلے ان سے ان کے عقائد کی دلیل طلب کی ہے اور بتایا ہے کہ ان کا یہ عقیدہ ان کے آباؤ اجداد کے عقیدے کے خلاف ہے، جن کی تقلید اور پیروی کا وہ دعویٰ کرتے ہیں۔

2۔ دوسرے انہیں سمجھایا گیا ہے کہ جن بندوں کو وہ اللہ کا شریک قرار دیتے ہیں ان کے اور اللہ کے درمیان کسی قسم کی مساوات اور مناسبت نہیں ہے۔

3۔ تیسرے انہیں بتایا گیا ہے کہ گزشتہ زمانے کے تمام انبیاء عقیدہ توحید پر قائم تھے۔

4۔ چوتھے طریقے سے بتوں کی مذمت کرتے ہوئے انہیں بتایا گیا ہے کہ وہ جن بتوں کی پوجا کرتے ہیں وہ پرستش کے لائق نہیں ہیں بلکہ بالکل ہی حقیر اور بے وقعت ہیں۔

**حشر نشر کو محال سمجھنے کا جواب:**

حشر نشر کو محال سمجھنے والوں کو زمین کی حالت کی طرف توجہ دلاتے ہوئے کہا گیا ہے کہ دیکھو زمین کس طرح خشک اور ویران ہونے کے بعد از سر نو سبز اور شاداب ہو جاتی ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ مردہ زمین کو پھر سے سرسبز اور شاداب کر دیتا ہے، اسی طرح وہ مردہ انسانوں کو دوبارہ زندہ کر دے گا اور پھر ان کا حساب کتاب ہو گا۔ منکرین حشر نشر کو گزشتہ امتوں اور قوموں کے حوالے سے بھی بتایا گیا ہے وہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے اور خدا کے حضور پیش ہونے پر عقیدہ رکھتی تھیں۔

**تشبیہ کا جواب:**

تشبیہ کا مطلب انسانی صفات کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنا۔ مشرکین کا عقیدہ تھا کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں۔ اس کے جواب میں قرآن پاک سورۃ الصافات آیت نمبر 154 میں فرمایا ہے کہ مفہوم: ''جن چیزوں کو وہ اپنے لئے معیوب سمجھتے ہیں، ان چیزوں کو اللہ کی طرف منسوب کرنا کہاں کا انصاف ہے؟ خود تو بیٹیوں کو اپنے لئے باعث عار سمجھتے ہو، اور اللہ تعالیٰ کے لئے بیٹیاں تجویز کرتے ہو۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ تمہارے رب کے لئے بیٹیاں اور تمہارے لئے بیٹے ہوں؟''

**رسالت سے متعلق شبہات:**

مشرکین کو اعتراض تھا کہ اللہ تعالیٰ کسی انسان کو اپنا نبی کیسے بنا سکتا ہے؟ ان کا جواب دیا گیا کہ گزشتہ زمانے کے تمام انبیاء اور مرسلین انسان ہی تھے۔ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم خاتم النبیین ﷺ سے پہلے جتنے نبی اور رسول بھیجے وہ سب کے سب انسان ہی تھے اور ان پر وحی نازل ہوتی تھی۔

**یہود سے مخاصمہ:**

یہودیوں کا دعویٰ تھا کہ وہ توریت کے مطابق شریعت موسوی پر عمل پیرا ہیں۔ حالانکہ وہ توریت میں تحریف اور کتمان کے مرتکب تھے۔ تحریف سے مراد بدل دینا، اصل الفاظ بدل کر کچھ اور لکھ دینا، ترجمہ کرنے میں ارادتاً اصل معنوں سے مختلف کرنا۔

تحریف کی دو قسمیں ہیں: (1) تحریف لفظی (2) تحریف معنوی۔

شاہ ولی اللہؒ کا کہنا ہے کہ یہودی تحریف لفظی تورات کے ترجمہ وغیرہ میں کیا کرتے تھے تحریف معنوی کا انداز یہ تھا کہ وہ عام مطلب کو خاص کر لیا کرتے تھے مثلاً جہاں کہیں اہل ایمان کا ذکر ہوتا کہ نیک لوگ جنت میں جائیں گے، وہ اس کا ترجمہ یوں کرتے کہ یہودی جنت میں جائیں گے۔ چنانچہ ان کا یہ عقیدہ ہو گیا کہ صرف یہودی ہی اللہ کے محبوب ہیں اور وہ ہی جنت کے حقدار ہیں۔

**کتمان:**

کتمان کے معنی ہیں اخفاء، پوشیدگی، حجاب، یہودی کتمان کتاب کے مرتکب بھی تھے، وہ تورات کی ایسی آیات کو جو ان کے مقاصد کے خلاف ہوتیں چھپا لیا کرتے تھے۔ مثلاً تورات میں زانی کے لئے سنگساری کا حکم دیا گیا ہے لیکن یہودی علماء نے اس حکم کو چھپا کر سنگساری کے بجائے کوڑے مارنے اور منہ کالا کرنے کا طریقہ رائج کر دیا۔ اس طرح تورات میں حضرت اسماعیلؑ کی اولاد میں نبوت اور رسالت دی گئی تھی لیکن یہودیوں نے بشارت والی آیت کو سرے سے ہی غائب کر دیا۔

**افترا:**

افتراء سے مراد ہے اپنی طرف سے احکام گھڑنا، یہودی علماء افتراء کے مرتکب بھی تھے۔ چنانچہ افتراء کے باعث انہوں نے احکام تورات کی صورت ہی مسخ کر ڈالی تھی۔

**یہود کو جواب:**

قرآن مجید میں یہودیوں کے تمام غلط اور تحریف شدہ عقائد کی مذمت کی گئی ہے قرآن پاک نے تورات میں تحریف کو ثابت کرتے ہوئے ان کے نجات یافتہ ہونے کے زعم اور آبا پرستی کے عقیدے کو پاش پاش کر دیا۔ وہ رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ کی نبوت کو خلاف عقل سمجھتے تھے، قرآن نے عقلی شرعی دلائل سے رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ کی نبوت کو درست ثابت کیا۔

**نصاریٰ سے خاصمہ:**

نصاریٰ عقیدہ توحید سے گمراہ ہو کر تثلیث کے قائل ہو گئے تھے۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی الوہیت میں حضرت عیسیٰؑ اور حضرت مریمؑ کو بھی شامل کر لیا۔ باالفاظ دیگر انہوں نے باپ، بیٹا اور روح القدس کو ایک ہی سمجھنا شروع کر دیا۔ ان کا عقیدہ تھا کہ جس طرح حضرت جبرائیلؑ انسان کی صورت میں ظاہر ہوا کرتے تھے۔ اس طرح یہ تینوں ذاتیں حضرت عیسیٰؑ کی شکل میں ظاہر ہوئیں تھیں۔ چنانچہ قرآن پاک نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شخصیت کو عقلی اور نقلی دلائل سے ثابت کیا۔ نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بنا باپ کی پیدائش کو معبودیت کی دلیل ٹھہرالیا تھا۔ اس کے جواب میں قرآن پاک نے بتایا:

''حضرت آدمؑ بھی تو بغیر ماں باپ کے پیدا ہوئے تھے''۔

عیسائیوں نے رسول پاک خاتم النبیین ﷺ سے متعلق اس بشارت کو جو انجیل میں تھی مٹا دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کے ذریعے واضع کیا کہ انجیل میں دی گئی خوشخبری اس آخری نبی کے متعلق تھی۔ عیسائیوں کا عقیدہ تھا کہ حضرت عیسیٰؑ کو سولی چڑھا دیا گیا تھا۔ قرآن پاک میں اس کے جواب میں کہا گیا ہے کہ یہودیوں نے حضرت عیسیٰؑ کو نہ قتل کیا اور نہ سولی دی بلکہ وہ اس معاملے میں غلط فہمی کا شکار ہیں۔ سورۃ العمران۔ آیت نمبر 59 میں اسلامی عقیدے کے مطابق اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ آسمان پر اٹھالیا تھا۔

**منافقین سے خاصمہ:**

منافقین سے مراد وہ لوگ ہیں جو زبان سے تو اسلام کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن حقیقت میں مسلمان نہیں تھے۔ منافقین کی دو قسمیں ہیں قلبی منافق، علمی منافق۔

قلبی منافق: جو دلی طور پر اسلام کا دشمن اور ظاہری طور پر دائرہ اسلام میں داخل ہو، قلبی منافقوں کا ٹھکانہ جہنم کا آخری طبقہ ہے۔

علمی منافق: جو دلی طور پر اسلام کو تسلیم کرتے تھے، لیکن ان کے اعمال تعلیم اسلام کے مواقف نہ تھے، رسول پاک خاتم النبیین ﷺ کے دور میں ایسے لوگ رسالت سے متعلق شبہات میں مبتلا تھے۔ وہ ضعف ایمانی اور بزدلی کے باعث کھل کر سامنے نہیں آتے تھے۔ اس گروہ میں وہ لوگ بھی شامل تھے جو دنیاوی حرص و ہوس اور لذت پرستیوں میں غرق تھے۔

منافقین میں وہ لوگ بھی شامل تھے جو اگرچہ مسلمان ہو چکے تھے لیکن ان کے دلوں میں اپنے قبیلوں اور خاندان کے لوگوں کی محبت بدستور موجود تھی۔ اور انہیں کفر پر قائم رہنے والے رشتہ داروں سے زیادہ محبت تھی۔ کچھ لوگ ایسے بھی تھے جن کا کام مسلمانوں میں نفاق ڈالنا تھا۔

**منافقین کو جواب:**

قرآن پاک میں منافقوں کی از حد مذمت کی گئی ہے۔ رسالت اور عقائد کے بارے میں ان شکوک اور شبہات کا منہ توڑ جواب دیا گیا ہے، تاکہ مسلمان باخبر رہیں اور ان لوگوں سے پرہیز کریں۔

**********

# منافقت

منافقت ایسے طرزِ عمل کو کہتے ہیں جو قول و فعل کے تضاد سے عبارت ہو۔ جس میں انسان کا ظاہر، باطن سے مختلف بلکہ بالکل برعکس ہو۔ ہجرت مدینہ کے بعد اسلام کو یہودیوں سے سابقہ پڑا۔ گو مدینہ کے اصلی باشندے انصار تھے لیکن عملاً اس علاقے کے اختیار پر یہودیوں کا قبضہ تھا۔ یہ بنیادی طور پر کافر نہیں تھے اہل کتاب تھے لیکن موسیٰ علیہ السلام کے زمانے کو اس وقت تقریباً 19 سو سال گزر چکے تھے۔ تورات لفظ و معناً ہر طرح تبدیل ہو چکی تھی بلکہ اس سے پہلے اور بعد کی آسمانی کتابیں اور صحائف بھی تحریف کا شکار ہو چکے تھے۔ ان کے علماء اور سردار بھی اعتقادی گمراہی کے علاوہ عملی تباہی کی انتہا کو پہنچ چکے تھے۔ فی الحقیقت یہ ایک ایسی بگڑی ہوئی امت تھی جس کی اعتقادی اور عملی اصلاح کی کوئی صورت ظاہراً نظر نہیں آتی تھی۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے انعامات کو ٹھکرا کر اس کے غضب کو دعوت دی تھی اور نتیجتاً تمام نعمتوں سے محروم ہو چکے تھے۔

نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کے سامنے سب سے پہلے ان لوگوں کی اصلاح اور ان کے اعتقادی اور عملی بگاڑ کے اثرات کو زائل کرنا تھا۔ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کی مدینہ آمد سے پہلے یہودیوں کے رئیس عبداللہ بن اُبی کی رسم تاج پوشی ادا ہونے والی تھی۔ آپ خاتم النبیین ﷺ کی مدینہ میں آمد کا نظارہ اور اسلام کی شان و شوکت کو دیکھ کر یہ لوگ اسلام کی کھل کر مخالفت نہ کر سکے۔ البتہ ان میں سے کچھ بظاہر اسلام میں داخل ہو کر غلبہ حق کی اس تحریک کو نقصان پہنچانے میں مصروف ہو گئے۔ تاہم رب العزت نے ان لوگوں کے انداز فکر و طرز عمل اور فتنہ پرور ذہنیت کو اہل ایمان کے سامنے کھول کر رکھ دیا۔ قرآن کریم سے منافقت کے دو بنیادی روپ سامنے آتے ہیں۔

1۔ اعتقادی منافقت 2۔ عملی منافقت

اعتقادی منافقت کا تعلق نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کے عہد مبارک کے ساتھ خاص تھا جبکہ عملی منافقت آج بھی کئی صورتوں میں اسلامی معاشرے میں موجود ہے۔ مدینہ منورہ میں منافقین کئی قسم کے تھے۔

## منافقین کی اقسام

1۔ پہلی قسم ایسے منافقین کی تھی جو اسلام کے برحق ہونے کے قائل تھے لیکن کسی قربانی اور مصائب کو برداشت کرنے کو تیار نہ تھے۔

2۔ دوسری قسم ایسے منافقین کی تھی جو دل سے قطعاً اسلام کے منکر تھے اور محض سازش اور فتنہ اور شر کے لیے اسلامی صفوں میں گھس آئے تھے یہی اسلام کے سب سے بڑے دشمن تھے۔

3۔ تیسری قسم ایسے منافقین کی تھی جو اسلام کی بڑھتی ہوئی طاقت اور اقتدار حکومت کے باعث اسلام سے وابستہ ہو گئے تھے لیکن مخالفین اسلام سے بھی اپنا تعلق قائم رکھا ہوا تھا۔

4۔ چوتھی قسم ایسے منافقین کی تھی جنہیں نہ تو اسلام کی حقانیت کا کامل اعتماد تھا اور نہ اپنی سابقہ کفر یا جاہلیت پر مطمئن تھے وہ مسلمان ہو گئے تھے لیکن اسلام ان کے اندر راسخ نہیں ہوا تھا۔

5۔ پانچویں قسم ایسے منافقین کی تھی جو اسلام کو حق سمجھتے ہوئے دل سے اس کے قائل ہو چکے تھے لیکن دینی اور اخلاقی پابندیوں کو قبول کرنے کیلئے ان کا نفس تیار نہیں ہو رہا تھا۔

6۔ چھٹی قسم ایسے منافقین کی تھی جو اسلام کو توحید کو، احکام الٰہی کو اور آخرت کو ایمان لانے کی حد تک تسلیم کرتے تھے لیکن حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی وفاداری اور اپنی غلامی کو تو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہ تھے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں سورہ بقرہ کے دوسرے رکوع میں بطور خاص منافقین کی پہچان بیان فرمائی ہے۔

## اعمال منافقین کی عدم قبولیت کی وجہ:

قرآن پاک سورہ توبہ، آیت نمبر 54 میں ارشاد الٰہی ہے:

وَ مَا مَنَعَهُمْ اَنْ تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقٰتُهُمْ اِلَّاۤ اَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَ بِرَسُوْلِهٖ وَ لَا یَاْتُوْنَ الصَّلٰوةَ اِلَّا وَ هُمْ كُسَالٰى وَ لَا یُنْفِقُوْنَ اِلَّا وَ هُمْ كٰرِهُوْنَ

ترجمہ: "اور ان سے ان کے نفقات (یعنی صدقات) کے قبول کئے جانے میں کوئی (اور) چیز انہیں مانع نہیں ہوئی سوائے اس کے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول (خاتم

النبیین ﷺ) کے منکر ہیں اور وہ نماز کی ادائیگی کے لئے نہیں آتے مگر کاہلی و بے رغبتی کے ساتھ اور وہ (اللہ کی راہ میں) خرچ (بھی) نہیں کرتے مگر اس حال میں کہ وہ ناخوش ہوتے ہیں-"

اس آیت مقدسہ میں اللہ رب العزت نے تین امور ذکر فرمائے ہیں جن کی وجہ سے منافقین کے اعمال بارگاہ خداوندی میں قبول نہیں ہوتے-

**وجہ اوّل:**

منافقین دل سے حضور نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کی نبوت و رسالت پر ایمان لانے سے نہ صرف انکاری ہیں بلکہ گستاخی و اہانت کا ارتکاب بھی کرتے ہیں-

**وجہ ثانی:**

منافقین کے اعمال کی عدم قبولیت کی دوسری وجہ یہ ہے کہ وہ نمازیں انتہائی سستی اور غفلت، بے رغبتی و بوجھل دل سے ادا کرتے ہیں اور ثواب و جزا، آخرت کے عذاب کے خوف و ڈر، اللہ کی رضا و خوشنودی اور اطاعت و بندگی کی خاطر سرے سے نماز ہی نہیں پڑھتے بلکہ یہ ظاہری نمود و نمائش، ریاکاری اور دکھلاوے کے لئے نماز ادا کرتے ہیں اور اس خدشے کے پیش نظر بھی کہ لوگ نماز کی عدم ادائیگی پر ان کی مذمت نہ کریں کہ یہ خود کو اسلامی معاشرے کا فرد کہلواتے ہیں جبکہ اسلامی معاشرے کے ہر ہر فرد پر عائد ہونے والے احکام و اوامر کی سرے سے پابندی ہی نہیں کرتے- اس ردعمل سے بچنے کے لئے مجبوراً بڑے ہی بوجھل دل سے جہاں کہیں لوگوں کا اجتماع زیادہ ہوتا ہے- نماز ادا کر لیتے اور تنہا ہوتے تو نماز ترک کر دیتے- درحقیقت ایمان کی لذت و آشنی سے محروم ہونے کی وجہ سے ان کو نماز میں کیف و سرور نہ آتا، اس لئے نہ چاہتے ہوئے نمازوں کی طرف آتے اور پھر ان کا نماز کو قصداً سستی اور غفلت اور بوجھل دل سے ادا کرنے کا فعل اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ وہ نماز کی ادائیگی کو فرض نہیں سمجھتے گویا کہ یہ سرے سے نماز کی فرضیت ہی کے انکاری ہیں اس لئے انہیں کافر قرار دے دیا-

**وجہ ثالث:**

منافقین صدقات و خیرات کے نام پر جو بھی چیز بظاہر خرچ کرتے ہیں وہ خوش دلی و مسرت اور فرحت شادمانی سے نہیں بلکہ مجبوراً کرتے ہیں- ان کے انفاق کی غرض اللہ کی اطاعت و فرمانبرداری، رضا و خوشنودی ہرگز نہیں بلکہ پس پردہ کسی دنیاوی غرض و ہوس اور مصلحت کی کارفرمائی ہوتی ہے جس کی بناء پر وہ راہ انفاق پر رواں دواں رہتے ہیں مگر جب کسی کی عبادت میں یہ صفت رزیلہ آجائے تو وہ عبادت بے فائدہ و بے سود ہو کر رہ جاتی ہے-

منافقین چونکہ صلوۃ و انفاق کو ثواب و جزاء، خوف و خشیت الٰہی کے تصور سے بے نیاز ہو کر ادا کرتے ہیں اس لئے نمازیں ان کے جسموں کو تھکا دینے کا باعث ہیں اور انفاق ان کے مال کے ضیاع کا سبب ہے- مذکورہ آیت میں اللہ نے اعمال صالحہ میں سے دو بڑے عمل ذکر کئے ہیں- ایک نماز جو اعمال بدنیہ میں سے سب سے افضل و اشرف عمل ہے اور دوسرا انفاق جو اعمال مالیہ میں سے سب سے افضل و اعلیٰ عمل ہے- منافقین ان اعمال سے دلی بیزاری و نفرت کا ثبوت دے کر سارے اعمال صالحہ کا بھی انکار کر رہے ہیں اور یوں وہ خود کو ظلمت کدہ کفر میں دھکیل رہے ہیں-

## منافقین کی الزام تراشی:

منافقین اپنے برے ارادوں کی وجہ سے اس بات کے متلاشی رہتے ہیں کہ کسی نہ کسی طریقے سے آپ خاتم النبیین ﷺ کو تکلیف و اذیت پہنچائی جائے- اگر آپ خاتم النبیین ﷺ مال غنیمت تقسیم فرماتے تو اس میں عدل و انصاف کے تقاضے پورے نہ کرنے کا الزام لگاتے- جسے قرآن نے یوں بیان کیا ہے: (سورہ توبہ، آیت نمبر 58)

وَ مِنهُم مَّن يَلمِزُكَ فِي الصَّدَقٰتِ فَاِن اُعطُوا مِنهَا رَضُوا وَاِن لَّم يُعطَوا مِنهَا اِذَا هُم يَسخَطُونَ

ترجمہ: "اور ان ہی میں سے بعض ایسے ہیں جو صدقات (کی تقسیم) میں آپ پر طعنہ زنی کرتے ہیں، پھر اگر انہیں ان (صدقات) میں سے کچھ دے دیا جائے تو وہ راضی ہو جائیں اور اگر انہیں اس میں سے کچھ نہ دیا جائے تو وہ فوراً خفا ہو جاتے ہیں"-

مذکورہ آیت کے شان نزول کے بارے میں مفسرین نے لکھا ہے کہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ فتح حنین کے بعد مال غنیمت تقسیم فرما رہے تھے- آپ خاتم النبیین ﷺ فتح مکہ کے موقع پر ایمان لانے والوں کی تالیف قلب کی خاطر کچھ زیادہ جود و سخا اور کرم نوازی کا مظاہرہ فرما رہے تھے- اس پر حرقوص بن زہیر جس کا لقب ذوالخویصرہ تھا کھڑا ہوا اور کہنے لگا:

"یارسول اللہ (خاتم النبیین ﷺ) انصاف کیجئے"-آپ (خاتم النبیین ﷺ) نے فرمایا" تیری خرابی ہو اگر میں نے انصاف نہ کیا تو پھر کون کرے گا؟ میں ناکام و نامراد اور خسارے میں پڑا اگر میں نے انصاف نہیں کیا"-(صحیح بخاری، کتاب المناقب:509)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس وقت بارگاہ مصطفی خاتم النبیین ﷺ میں حاضر تھے جونہی آپ رضی اللہ عنہ نے اس گستاخ و بدبخت کو بارگاہ رسالت مآب خاتم النبیین ﷺ میں بے ادبی و گستاخی کرتے ہوئے دیکھا تو ان سے اس کی یہ جرات اور دیدہ دلیری برداشت نہ ہوسکی-فوراً عرض کرنے لگے:" یارسول اللہ (خاتم النبیین ﷺ) مجھے اس کے متعلق اجازت دیجئے کہ میں اس کی گردن اڑادوں"-حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے مصلحتاً اپنے بارے میں تصرف فرماتے ہوئے وقتی طور پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا:"اے عمر! اسے چھوڑ دو"-(صحیح بخاری، کتاب المناقب:509)

البتہ اس موقع پر قیامت تک اپنے امت کو ایسے گستاخوں کی علامات اور حقیقت سے آگاہ کرتے ہوئے فرمایا:"اس شخص کے ساتھی ایسے ہوں گے کہ تم میں سے ہر کوئی اپنی نماز کو ان کی نماز کے سامنے حقیر جانے گا اور اپنے روزوں کو ان کے روزوں کے سامنے حقیر جانے گا-وہ قرآن پڑھیں گے مگر وہ ان کے حلق کے نیچے سے نہیں اترے گا-وہ دین سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر شکار سے نکل جاتا ہے"-(صحیح بخاری، کتاب المناقب:509)

گویا مذکورہ علامات کے سبب انہیں بخوبی آسانی سے پہچانا جا سکتا ہے-یہ صوم وصلوۃ اور تلاوت قرآن پاک کے اس قدر پابند ہونگے کہ عامۃ الناس ان کی کثرت عبادت ورضایت دیکھ کر متعجب اور ششدر رہ جائیں گے لیکن حقیقتاً دین کے ساتھ ان کا کوئی تعلق اور واسطہ نہ ہوگا-غرضیکہ یہ حقیقت آشکار کردی کہ یہ ظاہراً زبان سے اسلام کے اقراری ہونے کے ساتھ ساتھ دل سے اس کے ماننے والے اور تسلیم کرنے کے دعویدار بھی ہیں-بزعم خویش خود کو بڑے متقی و پرہیزگار اور پارسا سمجھتے ہیں تم ان کی اس ظاہری نمود و نمائش سے بھرپور پرہیزگاری کا مشاہدہ کرکے ہرگز یہ نہ سمجھنا کہ ان سے شان رسالت مآب خاتم النبیین ﷺ میں گستاخی کی جسارت نہیں ہوسکتی-

سورہ بقرہ کے پہلے رکوع میں دو گروہ کا بیان ہے ایک مومن اور متقین دوسرا کفار اور منکرین۔

## پہلا گروہ یعنی مومن اور متقین

دل و دماغ اور قول و عمل ہر طرح سے ایمان لانے والوں پر مشتمل تھا۔

جبکہ دوسرا گروہ کفار اور منکرین ظاہراً اور باطناً ہر طرح سے اسلام کا انکار کرنے والا تھا۔سورہ بقرہ کے دوسرے رکوع میں تیسرا گروہ آتا ہے اور یہ گروہ منافقین کا ہے،یعنی قرآن پاک میں سورہ بقرہ کا دوسرا رکوع منافقین کی اچھی طرح وضاحت کردیتا ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝ آیت نمبر 8

ترجمہ:''اور لوگوں میں سے بعض وہ ہیں جو کہتے ہیں ہم اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان لائے حالانکہ وہ (ہرگز) مومن نہیں ہیں۔''

يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۝ آیت نمبر 9

ترجمہ:''وہ اللہ کو (یعنی رسول اللہ کو) اور ایمان والوں کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں مگر (فی الحقیقت) وہ اپنے آپ کو ہی دھوکا دے رہیں ہیں اور انہیں اس کا شعور نہیں ہے''

فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ۙ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۢ بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ۝ آیت نمبر 10

ترجمہ:''ان کے دلوں میں بیماری ہے بس اللہ نے ان کی بیماری کو اور بڑھا دیا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے اس وجہ سے کہ یہ جھوٹ بولتے تھے۔''

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ ۙ قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ ۝ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰكِنْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ۝ آیت نمبر 12-11

ترجمہ:''اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ زمین میں فساد برپا نہ کرو تو کہتے ہیں کہ ہم تو اصلاح کرنے والے ہیں۔خبردار رہو کہ یہی فساد کرنے والے ہیں لیکن ان کو اس کا احساس نہیں ہے۔''

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ ۭ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ وَلٰكِنْ لَّا يَعْلَمُوْنَ ۝ آیت نمبر 13

ترجمہ:''اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تم بھی ایمان لاؤ جیسے (دوسرے) لوگ ایمان لائے ہیں تو کہتے ہیں کہ کیا ہم بھی اس طرح ایمان لے آئیں جس طرح (یہ) بیوقوف ایمان لاتے ہیں جان لو بیوقوف (درحقیقت) وہ خود ہیں لیکن انہیں (اپنی بیوقوفی کا) علم نہیں ہے۔''

وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚ وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ ۙ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ ۝ آیت نمبر 14

ترجمہ:''اور جب وہ (منافق) اہل ایمان سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں ہم ایمان لے آئے ہیں اور جب اپنے شیطانوں سے تنہائی میں ملتے ہیں تو کہتے ہیں ہم تو تمہارے ساتھ ہیں ہم (مسلمانوں کا تو) محض مذاق اڑاتے ہیں۔''

اللّٰہُ یَسۡتَہۡزِیٔ بِہِمۡ وَ یَمُدُّہُمۡ فِیۡ طُغۡیَانِہِمۡ یَعۡمَہُوۡنَ ﴿۱۵﴾ آیت نمبر 15

ترجمہ:''اللہ انہیں ان کے مذاق کی سزا دیتا ہے اور انہیں ڈھیل دیتا ہے اور اپنی سرکشی میں بھٹک رہے ہیں۔''

اُولٰٓئِکَ الَّذِیۡنَ اشۡتَرَوُا الضَّلٰلَۃَ بِالۡہُدٰی ۪ فَمَا رَبِحَتۡ تِّجَارَتُہُمۡ وَ مَا کَانُوۡا مُہۡتَدِیۡنَ ﴿۱۶﴾ آیت نمبر 16

ترجمہ:''یہی لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی خرید لی لیکن ان کی تجارت فائدہ مند نہ ہوئی اور وہ (فائدے مند اور نفع بخش سودے کی) راہ جانتے نہ تھے۔''

مَثَلُہُمۡ کَمَثَلِ الَّذِی اسۡتَوۡقَدَ نَارًا ۚ فَلَمَّاۤ اَضَآءَتۡ مَا حَوۡلَہٗ ذَہَبَ اللّٰہُ بِنُوۡرِہِمۡ وَ تَرَکَہُمۡ فِیۡ ظُلُمٰتٍ لَّا یُبۡصِرُوۡنَ ﴿۱۷﴾ آیت نمبر 17

ترجمہ:''ان کی مثال ایسے شخص کی مانند ہے جس نے (تاریک ماحول میں) آگ جلائی اور جب اس نے گردونواح کو روشن کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کا نور سلب کر لیا اور انہیں تاریکیوں میں چھوڑ دیا اب وہ کچھ نہیں دیکھتے۔''

صُمٌّۢ بُکۡمٌ عُمۡیٌ فَہُمۡ لَا یَرۡجِعُوۡنَ ﴿۱۸﴾ (سورۃ البقرہ، آیت نمبر-18)

ترجمہ:''یہ بہرے گونگے اور اندھے ہیں پس وہ (راہ راست کی طرف) نہیں لوٹیں گے۔''

اَوۡ کَصَیِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ فِیۡہِ ظُلُمٰتٌ وَّ رَعۡدٌ وَّ بَرۡقٌ ۚ یَجۡعَلُوۡنَ اَصَابِعَہُمۡ فِیۡۤ اٰذَانِہِمۡ مِّنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الۡمَوۡتِ ؕ وَ اللّٰہُ مُحِیۡطٌۢ بِالۡکٰفِرِیۡنَ ﴿۱۹﴾
(سورۃ البقرہ، آیت نمبر-19)

ترجمہ:''یا ان کی مثال اس بارش کی سی ہے جو آسمان سے برس رہی ہے جس میں اندھیریاں ہیں اور گرج اور بجلی کی چمک سو وہ کڑک کے باعث اپنی انگلیاں کانوں میں موت کے ڈر سے ٹھونس لیتے ہیں اور اللہ کافروں کو گھیرے ہوئے ہے۔''

یَکَادُ الۡبَرۡقُ یَخۡطَفُ اَبۡصَارَہُمۡ ؕ (سورۃ البقرہ، آیت نمبر-20)

ترجمہ:''یوں لگتا ہے کہ بجلی ان کی بینائی اچک لے گی''۔

کُلَّمَاۤ اَضَآءَ لَہُمۡ مَّشَوۡا فِیۡہِ ۟ وَ اِذَاۤ اَظۡلَمَ عَلَیۡہِمۡ قَامُوۡا ؕ (سورۃ البقرہ، آیت نمبر-20)

ترجمہ:''جب بھی ان کے لیے (ماحول میں) کچھ چمک ہوتی ہے تو اس میں چلنے لگتے ہیں اور جب ان پر اندھیرا چھا جاتا ہے تو کھڑے ہو جاتے ہیں''۔

وَ لَوۡ شَآءَ اللّٰہُ لَذَہَبَ بِسَمۡعِہِمۡ وَ اَبۡصَارِہِمۡ ؕ (سورۃ البقرہ، آیت نمبر-20)

ترجمہ:''اور اگر اللہ چاہتا تو ان کی سماعت اور بصارت بالکل سلب کر لیتا''۔

اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ﴿۲۰﴾ (سورۃ البقرہ، آیت نمبر-20)

ترجمہ:''بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے''۔

یہاں یہ بات بتانا ضروری ہے کہ اہل ایمان اور اہل کفر کے علاوہ یہ اہل نفاق کا تیسرا گروہ کیوں معرض وجود میں آیا؟ اہل مدینہ کے قبیلہ خزرج کا بہت بڑا سردار عبداللہ بن اُبی تھا۔ اسے اس کے اثر ورسوخ کی وجہ سے مدینے کا سردار بنایا جا رہا تھا۔ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی ہجرت مدینہ سے صورت حال میں زبردست تبدیلی آ گئی۔ یہودیوں سمیت تمام اقوام نے متفقہ طور پر آپ خاتم النبیین ﷺ کو مدینہ کا حاکم تسلیم کر لیا جس سے عبداللہ بن اُبی اور اس کے ساتھیوں کے مفادات کو سخت نقصان پہنچا۔ چنانچہ وہ اس دن سے اسلام اور بانی اسلام کے خلاف مخفی سرگرمیوں میں مصروف ہو گئے۔ سورہ بقرہ کی آیت نمبر 8 اور 9 میں منافقت کی دو علامتوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

1۔ دعویٰ ایمان صرف زبانی حد تک کرنا اور باطن کا اس کی تصدیق سے خالی ہونا۔

2۔ محض توحید اور آخرت پر ایمان کو کافی سمجھنا اور رسالت محمدی خاتم النبیین ﷺ پر ایمان کو ضروری نہ جاننا۔ یہاں یہ بات بتانا ضروری ہے کہ منافقین کو معلوم تھا

کہ ہم اللہ تعالیٰ سے اپنی باطنی حالت کو چھپا نہیں سکتے۔ ان کی دھوکہ دہی کی کوشش صرف نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کے ساتھ تھی وہ کہتے تھے کہ یہ کیسا نبی ہے؟ ہم دل سے اس کے ساتھ نہیں ہیں اس پر ایمان نہیں رکھتے اس کے باوجود اس کو ہماری حالت کی خبر نہیں اور ہمیں مسلمان سمجھتا ہے۔

حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''مجھ پر میری تمام امت اپنی حالت خمیر میں پیش کر دی گئی جیسا کہ حضرت آدم علیہ السلام پر تم اشیاء پیش کر دی گئیں تھیں چنانچہ میں نے ہر ایک کو جان لیا کہ کون مجھ پر ایمان لائے گا اور کون نہیں'' حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کا یہ ارشاد منافقین تک پہنچا تو انہوں نے مذاق کرتے ہوئے کہا ''محمد خاتم النبیین ﷺ یہ گمان کرتا ہے کہ جو لوگ ابھی پیدا نہیں ہوئے ہیں میں ان میں سے بھی مومن اور منافق اور کافر کو پہچانتا ہوں حالانکہ ہم ہر وقت اسکے ساتھ رہتے ہیں اور وہ ہماری منافقت سے باخبر نہیں''۔ منافقین کا یہ دعویٰ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے علم میں آ گیا۔ آپ خاتم النبیین ﷺ اس وقت ممبر پر تشریف فرما ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کے بعد فرمایا ''ان لوگوں کی تباہی کا کیا عالم ہوگا جو میرے علم کی وسعت پر طعنہ زنی کرتے ہیں تم اس وقت سے لے کر قیامت تک کے واقعات کے بارے میں جو مجھ سے پوچھنا چاہتے ہو پوچھ لو۔ میں تمہیں اس کی خبر دیتا ہوں'' اس موقعہ پر حضور پاک خاتم النبیین ﷺ سے کچھ مخفی قسم کے سوالات بھی ہوئے۔ آپ خاتم النبیین ﷺ نے سب کے ٹھیک ٹھیک جواب دے دیئے بالآخر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی درخواست پر آپ خاتم النبیین ﷺ یہ فرماتے ہوئے خاموش ہو گئے۔ (بغوی، معالم التنزیل، 1:140)

**فَهَلْ اَنْتُمْ مُنْتَهُون (سورۃ المائدۃ، آیت نمبر - 91)**

ترجمہ: ''کیا تم (ان شر انگیز باتوں سے) باز آ گئے''؟

قرآن پاک میں کئی مقامات پر اللہ تعالیٰ نے اعلان کیا ہے کہ ''نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کو اذیت دینا اللہ کو اذیت دینا ہے'' اور حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے اس لیے ارشاد خداوندی ہوا۔

**يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ** (سورۃ البقرہ، آیت نمبر-9)

ترجمہ: ''وہ اللہ کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں''۔

یعنی جس نے نبی کو دھوکہ دیا اس نے دراصل اللہ کو دھوکہ دیا (نعوذ باللہ)

اس آیت کریمہ نے یہ عمومی اصول بھی واضح کر دیا کہ ''دوسروں سے دھوکا دہی کی نفسیات حقیقت میں منافقت ہی ہے اور نادانی بھی'' جو لوگ چرب زبانی اور چالاکی وعیاری سے اپنے ظاہر و باطن کے تضاد پر پردہ ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں وہ یہ سمجھتے ہیں کہ انہوں نے دوسروں کو بیوقوف بنا لیا۔ منافق تو ہیں ہی لیکن خود ناسمجھ اور نادان بھی ہیں کیونکہ منافقت کچھ عرصے تک تو مخفی رہ سکتی ہے ہمیشہ کے لیے نہیں یہ حقیقت بالآخر بے نقاب ہو کر رہتی ہے ہماری زندگی اور تعلقات کا بیشتر حصہ اس قسم کی عملی منافقت سے عبارت ہے۔ ہر شخص دوسرے کو دھوکہ دینے میں مصروف ہے وہ یہ نہیں سمجھتا کہ وہ اس عمل سے دراصل خود دھوکا کھا رہا ہے۔

نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''دھوکا دہی، وعدہ خلافی اور بد دیانتی سب جہنم کا باعث ہے''۔ (حاکم، المستدرک علی الصحیحین، 4:650، رقم:8795)

منافقت کو دل کی بیماری سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اگر دل بیمار ہو تو بہتر سے بہتر نصیحت بھی اثر نہیں کرتی۔ اس لیے باطنی بیماریاں جو منافقت سے جڑ پکڑتی ہیں بڑھتی رہتی ہیں اور ان کا علاج وعظ اور نصیحت اور مطالعہ کتب سے نہیں ہوتا جبکہ اہل نظر کی نظر سے ہوتا ہے۔ بقول علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ

خرد کے پاس خبر کے سوا کچھ اور نہیں
تیرا علاج نظر کے سوا کچھ اور نہیں

جب حضور پاک خاتم النبیین ﷺ سے حسد اور منافقت کا یہ عالم ہو کہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی وساطت سے اپنی بہتری ہی پسند نہ کرتے ہوں تو ان کی بیماریوں کی اصلاح کیوں کر ممکن ہو سکتی ہے؟ اس لیے ارشاد ربانی ہوا۔ (سورۃ البقرہ، آیت نمبر-10)

ترجمہ: ''ان کے دلوں میں بیماری ہے پس اللہ نے ان کی بیماری کو اور بڑھا دیا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے اس وجہ سے کہ وہ جھوٹ بولتے تھے''۔

آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''منافق جب بات کرتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے''۔ (صحیح بخاری)

مندرجہ بالا آیت میں اس جھوٹ کو دردناک عذاب کا باعث کہا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں (سورۃ البقرہ، آیت نمبر-11) میں فرماتا ہے کہ:

ترجمہ:''جب ان سے کہا جاتا ہے کہ فساد مت پھیلاؤ تو وہ کہتے ہیں کہ ہم تو اصلاح کر رہے ہیں''

یہ منافقت کی ایک قسم ہے کہ نام نہاد اصلاح کے پردے میں فساد انگیزی پھیلاتے ہیں۔ دوسروں کو بیوقوف اور صرف اپنے آپ کو عقل مند خیال کرتے ہیں جب ان لوگوں سے کہا جاتا ہے کہ''(تم بھی) ایمان لاؤ جیسے (دوسرے) لوگ ایمان لائے تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائیں جیسے بیوقوف لوگ ایمان لائے ہیں''-(سورۃ البقرہ۔آیت نمبر ۱۳)

ایمان لانے والوں کی طرف اشارہ کر کے ان کو بیوقوف اور خود کو عقل مند خیال کرتے ہیں۔اور جب منافق اہل ایمان سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئیں ہیں۔ ان کا یہ دوغلا پن قرآن نے نمایاں طور پر انہیں کے الفاظ میں واضح کر دیا ہے۔

وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ (سورۃ البقرہ،آیت نمبر-14)

ترجمہ :''اور جب ایمان والوں سے ملیں تو کہیں ہم ایمان لائے اور جب اپنے شیطانوں سے تنہائی میں ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم یقیناً تمہارے ساتھ ہیں''

یعنی سازشی منصوبہ بندی کرتے ہیں اور یہ منافقت کا بڑا گھناؤنا روپ ہے اور یہی سازشی سرغنے قرآنی اصطلاح میں شیطان ہیں۔مسلمانوں کو بیوقوف کہہ کر ان کا مذاق اڑاتے ہیں اور اسی مذاق اڑانے کی وجہ سے ان کے لیے ذلت اور رسوائی کا عذاب ہوگا۔بعض منصوبوں کا کچھ دیر تک قائم رہنا ان کے حق ہونے کی دلیل نہیں ہوتی چنانچہ منافقین کو بھی عہد رسالت تک ڈھیل دی گئی اور پھر غزوہ تبوک کے بعد حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے آخری ایام تک انہیں سزا دی گئی۔اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے باعث یہ لوگ باطنی روشنی اور ٹھیک فکری رہنمائی سے محروم ہو گئے۔انہوں نے ہدایت کے مقابلے میں گمراہی کو ترجیح دی اور ایمان کے مقابلے میں کفر کو پسند کیا۔انسان اشرف المخلوقات ہونے کی بنا پر اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ''کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں''قَالُوْا بَلٰى''وہ سب بول اٹھے کیوں نہیں'' سورۃ الاعراف۔آیت نمبر 172 کے ابدی وعدے کا شرف بھی حاصل کر چکا ہے۔لہٰذا اسے فطری ہدایت کا وہ بلند درجہ نصیب ہوا ہے جو کسی اور ارضی مخلوق کو میسر نہیں آسکا۔اس لیے انسان کے پاس نسل بنی آدم ہونے کے باعث فطری ہدایت کی قیمتی متاع تو موجود تھی جس کا تقاضہ یہ تھا کہ اب وہ ہدایت ربانی پر بھی ایمان لے آئے ہیں۔لیکن انہوں نے فطری ہدایت کی یہ بیش بہا متاع دے کر گمراہی اور ضلالت کا سودا کر لیا۔اس فعل کو قرآن پاک نے اشتروا یعنی ہدایت کے بدلے گمراہی کو اپنانا قرار دیا ہے۔کچھ لوگوں نے منافقت کا وطیرہ اس لیے اپنایا تا کہ دونوں طرف سے مفادات حاصل کر سکیں۔اسلام غالب رہا تو مسلمان، کفار اور منافقین غالب رہے تو ان کے ساتھ۔قرآن حکیم نے یہ دونوں امور اس طرح بیان کیے ہیں۔

فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ (سورۃ البقرہ،آیت نمبر-16)

ترجمہ:''پس ان کی تجارت نے انہیں کوئی نفع نہ پہنچایا''

پس مجموعی طور پر منافق دو قسم کے ہوئے ہیں۔ایک وہ جو دل سے کفر ہی پر قائم تھے صرف زبان کی حد تک دعویٰ ایمان کرتے تھے گویا یہ قطعی منکر تھے۔دوسرے وہ جو ایمان تو قبول کرتے تھے لیکن اسلام کی راہ میں آنے والی مشکلات سے گھبرا کر ایمان و اسلام سے دست بردار ہو جاتے تھے۔قرآن پاک میں پہلے گروہ کی تمثیل بیان کی گئی ہے۔اس تمثیل کا مطلب یہ ہے کہ کسی اللہ کے بندے نے حق کی آگ روشن کی اور اس کے نور سے سارا گردونواح منور ہو گیا۔

آپ خاتم النبیین ﷺ نے اسلام کے پیغام اور نور تبلیغ سے زندگی کے تمام ماحول کو روشن کر دیا خیر کو شر سے اور نیکی کو بدی سے نمایاں کر دیا۔وہ ماحول حیات جو شب تاریک کی مانند ظلمتوں اور گمراہوں کا گہوارہ تھا حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی مہیا کردہ نور ہدایت سے چمک اٹھا اور ہر طرف پیغام حق کا اجالا ہو گیا جو اہل نظر اور ارباب دانش تھے ان پر ساری حقیقتیں آشکار ہو گئیں۔لیکن منافق جو ہوا اور ہوس کی پرستش میں سب سے آگے جا چکے تھے وہ موجودہ روشنی کی حقیقت کو نہ پا سکے۔انہوں نے نور ہدایت کو ٹھکرا دیا اور تعصب وعناد کے پردے اٹھا کر حق وصداقت کا روشن چہرہ دیکھنے سے انکار کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کا نور بصارت سلب کر لیا جنہوں نے اس نور سے فائدہ اٹھایا وہ منزل مراد کو پا گئے اور جو اس کے منکر ہوئے وہ کفر کی ظلمات میں بھٹکتے رہے۔ان کی زبانیں حق کہنے سے عاری ہیں۔ان کی آنکھیں حق دیکھنے سے محروم ہیں ان کے کان حق سننے سے محروم ہیں۔جب حق سننے، کہنے، ماننے اور دیکھنے سے محروم ہوئے تو کان، آنکھ، زبان سب بے کار ہو گئے۔ (مفہوم سورۃ البقرہ۔آیت نمبر 29 .18)

دوسرے گروہ کی مثال اس تمثیل میں آسمان سے برسنے والی بارش سے مراد وحی الٰہی کا نزول یا اسلام ہے جو عالم انسانیت کے لیے رحمت بن کر آیا۔اندھیروں سے مراد وہ مصائب ومشکلات ہیں جنہوں نے ہر طرف سے اسلام کو گھیر رکھا تھا۔گرج اور کڑک سے مراد اسلام کی پے در پے فتوحات اور کامیابیاں ہیں۔جو باوجود مشکلات اور نامساعد حالات کے مطلع کو روشن کر رہی تھیں۔اور ان کے باعث اہل اسلام کے دلوں کو تقویت پہنچ رہی تھی۔جنہوں نے

صدق دل سے نور ہدایت کو قبول کر لیا تھا وہ ظاہراً ان ناسازگار حالات میں بھی ثابت قدم رہے۔ لیکن جو لوگ نیم دلی اور بزدلی کا شکار تھے اسلام کے خلاف شدید مخالفت اور مزاحمت کی ہولناک آوازوں کو سن کر دل ہل جاتے تھے اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونس کر گویا وہ ان پریشان کن کیفیات سے لاتعلقی ظاہر کرتے تھے۔ یوں اسلام سے وابستگی منقطع کرنے میں وہ اپنی عافیت تصور کرتے تھے یہاں اللہ تعالیٰ واضح کرتا ہے کہ اگر میں چاہتا تو پہلے گروہ کی طرح ان کی بصارت اور سماعت بھی سلب کر لیتا اور اسلام کی طرف وقتی طور پر راغب ہونے کی توفیق بھی نہ ملتی لیکن یہ مشیت الٰہی کے خلاف ہے کیونکہ جو شخص جس قدر سننے اور دیکھنے کے لیے تیار ہوا سے اسی قدر توفیق مرحمت فرمائی جاتی ہے۔ اس پر ذات حق اپنے فیصلے سے کسی قسم کا جبر وارد نہیں کرتی۔ پہلے گروہ نے نور ہدایت کو قبول کرنے کا کھلم کھلا انکار کر دیا انہوں نے تعصب کا پردہ اٹھا کر اسلام کی حقانیت کو دیکھنا بھی گوارہ نہ کیا اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کی حسب خواہش اور حسب عمل انہیں نور بصارت سے محروم کر دیا۔ یعنی انہیں توفیق ہدایت سے دور کر دیا لیکن دوسرا گروہ کبھی اپنے مفادات کی خاطر اور کبھی عظمت اسلام سے مرعوب ہو کر کچھ نہ کچھ کبھی نہ کبھی تو اسلام کے قریب آتا ہی ہے ہر چند کہ خطرات سے گھر کر دور چلا جاتا ہے۔ اس لیے اس نے اسلام کی خاطر جس حد تک اپنے دیدہ گوش کھول رکھے ہیں اللہ تعالیٰ کی حکمت و مشیت کا یہ تقاضا نہیں کہ وہ انہیں ان سے محروم کر دے۔ یہ بیان اللہ تعالیٰ کے عدل و انصاف اور انسانی عمل میں اس کی آزادی اور اختیار پر کھلی دلیل رکھتا ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کے قادر و مطلق ہونے کے ہرگز یہ معنی نہیں ہیں کہ ایسے کام اسی کی قدرت کی طرف منسوب کیے جائیں جو اس کی حکمت و مشیت کے خلاف ہوں کیونکہ قدرت الٰہی کے تصور میں اسی کی حکمت و مشیت بھی شامل ہے۔ پس شریعت اسلامیہ میں اللہ تعالیٰ کے ہر چیز پر قادر ہونے کا یہ مفہوم ہے کہ ''وہ ذات ہر کام کر سکتی ہے'' جو وہ چاہے یعنی جو اس کی مشیت کو مطلوب ہو اور اس حد تک کر سکتی جس حد تک اس کی حکمت کا تقاضہ ہو۔ کسی معاملے میں وہ نہ محتاج ہے اور نہ عاجز اور کمزور لیکن جو امور اور افعال اس کی شان الوہیت اور مشیت و حکمت کے منافی ہوں ان کا کرنا نہ وہ چاہتی ہے اور نہ اس کی حکمت کا تقاضہ ہوتا ہے اس لیے ان کے حوالے سے اس کی قدرت مطلقہ (قادر مطلق) کا بیان کرنا قطعاً نامناسب بلکہ اس کے قدیر ہونے کے خلاف ہے۔ پس اعتقادی منافقت کا تعلق حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے عہد مبارک کے ساتھ خاص تھا جبکہ اس کی دوسری قسم یعنی عملی منافقت آج بھی کئی صورتوں میں اسلامی معاشرے میں موجود ہے۔ ہم میں سے کتنے ہیں جو قول و فعل کے تضاد کا شکار ہیں جن کا ظاہر بڑا دل آویز نظر آتا ہے لیکن باطن نفاق کی دبیز تاریکیوں سے بھرا ہوا ہے۔ قرآن پاک جب بھی منافقت کی علامات کا ذکر کرتا ہے تو اس کی (منافقت کی) کئی قسمیں جن کے بارے میں عام ذہن نفاق کا گمان بھی نہیں کر سکتا ہمارے سامنے واضح طور پر آجاتی ہیں۔

ہمیں چاہیے کہ ہم موضوع کی اہمیت کے پیش نظر اپنے قول و فعل کے تضاد اور ظاہر و باطن کا جائزہ لیں اور اپنی اپنی زندگیوں میں کارفرما منافقت کے مختلف کرداروں کا محاسبہ کریں اور صدق دل سے تائب ہو کر صحیح معنوں میں مومن بن کر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کریں۔ (آمین بجاہ سید المرسلین خاتم النبیین ﷺ)

★★★★★★★★★★★★★

# لوازمِ نجات (سورہ العصر)

سورہ العصر

قرآن پاک کی 114 سورتوں میں سے کوئی سورت بھی ایک یا دو آیات کی نہیں ہے- کم از کم آیات تین ہیں-

اور قرآن پاک کی تین ہی سورتیں ایسی ہیں جو تین تین آیات پر مشتمل ہیں-

1- سورہ العصر　2- سورہ الکوثر　3- سورہ النصر (تین سورتیں)

تو پہلی بات یہ کہ "سورہ العصر" قرآن پاک کی مختصر ترین سورتوں میں سے ایک ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ قرآن کریم کی ترتیب نزولی کے اعتبار سے اولین سورتوں میں سے ایک ہے۔

نزول قرآن میں اللہ تعالی کی حکمت شامل رہی ہے- ابتدا میں جو سورتیں نازل ہوئی ہیں وہ حجم میں چھوٹی ہیں لیکن اپنے معنی کے اعتبار سے بہت جامع اور بامعنی ہیں۔ جیسے جیسے وقت گزرتا رہا (نزول قرآن میں) سورتیں حجم میں بڑھتی رہیں- ان کے مضامین کھلتے چلے گئے- چنانچہ قرآن مجید میں سورہ ہود، آیت نمبر 1 میں اس حکمت کو اللہ تعالی نے باقاعدہ بیان فرمایا ہے: (سورہ ھود، آیت نمبر 1)

ترجمہ: "یہ قرآن کریم ایسی کتاب ہے جس کی آیات پہلے پختہ کی گئیں، بہت مضبوط کی گئیں پھر انہیں واضح کیا گیا"۔

ایک بات یہ کہ ابتدائی سورتوں میں انداز قرآن ڈرانے والا ہے- ان سورتوں کا آغاز ڈرانے والا ہے۔

وَالعَصرِ -- زمانہ گواہ ہے، زمانے کی قسم، تیزی سے گزرنے والے زمانے کی قسم--

اَلقَارِعَةُ مَاالقَارِعَةُ وہ کھڑکھڑانے والی شے- وہ کیا ہے؟ کیا ہے وہ شے؟

اَلحَـاقَّةُ مَاالحَـاقَّةُ وَمَآ اَدرٰىكَ مَاالحَـاقَّةُ وہ اٹل شے- وہ اٹل اور یقینی بات جو ہونے والی ہے کیا ہے؟ کیا تم سمجھتے ہو وہ کیا ہے یقینی بات؟

یہ تمام باتیں کس طرف اشارہ کر رہی ہیں ہلچل مچانے کے لیے تاکہ لوگ غفلت کی (زندگی) نیند سے چونک کر جاگ جائیں۔

مولانا حالی نے اس کو بہت ہی خوبصورت انداز میں بیان کیا ہے :

وہ بجلی کا کڑکہ تھا یا صوتِ ہادی
عرب کی زمیں جس نے ساری ہلا دی

وہی انداز ہے سورہ العصر کا---وَالعَصرِ (زمانہ گواہ ہے-)

یہ قرآن پاک کی آسان ترین سورہ ہے لیکن ساتھ ہی جامع ترین- "والعصر" دیکھنے اور کہنے میں یہ ایک لفظ معلوم ہوتا ہے لیکن یہ دو کلمات پر مشتمل ہے-

"وآوَ" حرف جار--العصر

والعصر میں وآوَ کا فائدہ یہاں قسم کا ہے- "زمانے کی قسم ہے "چونکہ قسم عام طور پر گواہی کے لئے آتی ہے" زمانہ گواہ ہے "- زمانہ پکار رہا ہے، زمانہ آواز دے رہا ہے؟ کیا آواز دے رہا ہے؟ کیا پکار رہا ہے؟

اِنَّ الاِنسَانَ لَفِى خُسرٍ -- اِنَّ حرف تاکید ہے-

یقیناً تمام انسان خسارے میں ہیں- تمام لوگ بڑی تباہی سے دوچار ہونے والے ہیں-

بچنے والا کون ہے؟ کون خسارے اور تباہی سے بچے گا؟

اِلَّا الَّذِينَ اٰمَنُوا --- سوائے ان کے جو ایمان لائے-

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ -- اور انہوں نے نیک عمل کیے، اچھے کام کیے، بھلے کام کیے-

وَتَوَاصَوا بِالحَقِّ -- اور انہوں نے ایک دوسرے کو وصیت کی، ایک دوسرے کو تاکید کی حق کی- "حق" ایک جامع لفظ ہے- یہاں صرف ترجمہ ہے-

ۙ وَتَوَاصَوا بِالصَّبرِ -- اور جنھوں نے ایک دوسرے کو صبر کی تاکید کی، صبر کی نصیحت کی۔

ترجمہ: "زمانے کی قسم! زمانہ گواہ ہے تمام انسان ہلاکت سے دوچار ہونے والے ہیں سوائے ان کے جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کیے اور جنہوں نے ایک دوسرے کو حق بات کی تاکید کی اور جنہوں نے ایک دوسرے کو صبر کی تاکید کی"۔

تو قرآن پاک کی یہ سورہ ایک سہل ترین اور جامع ترین سورہ ہے-

عام طور پر سورہ فاتحہ کی عظمت اور فضیلت اور اس کے جامع ہونے کا تصور ہوتا ہے- پھر سورہ اخلاص حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے مطابق تہائی قرآن کے مساوی- معلوم ہوتا ہے کہ یہ اس سے بھی جامع تر ہے؟

یہ ایک سمجھنے کی چیز ہے- ہم لوگ ظاہر اور آسان سا مطلب چن لیتے ہیں- اسلام کی جڑ توحید ہے- **سورہ اخلاص توحید کے موضوع پر جامع ترین سورہ ہے-** لیکن اس میں صرف جڑ کی بات ہوئی ہے- ابھی پورا درخت سامنے نہیں آیا۔

اس طریقہ سے قرآن پاک کا ایک فلسفہ ہے- وہ فلسفہ ہم پڑھیں گے تو منتخب نصاب کا دوسرا حصہ شروع ہوگا- اس فلسفے کے اعتبار سے عظیم ترین سورۃ، سورہ فاتحہ ہے- فلسفہ اپنی جگہ بڑی اہمیت کا حامل ہوتا ہے لیکن اس کے باوجود۔۔ جب ہم اسکو "سورہ العصر" کے اعتبار سے دیکھتے ہیں تو وہ ایک جزو قرار پائے گا، وہ ایک پہلو ہے۔

سورہ فاتحہ یقیناً قرآن پاک کی عظیم ترین سورہ ہے- جسے پورے قرآن کے ہم وزن قرار دیا گیا ہے لیکن اصل بات یہ ہے کہ قرآن مجید کا اصل موضوع کیا ہے؟

**قرآن پاک صرف فلسفہ کی کتاب نہیں ہے، یہ صرف توحید کی کتاب نہیں ہے، یہ کتاب ہدایت ہے- "ھدی الناس" "ھدی للمتقین" "راہ ہدایت ہے-** سورہ فاتحہ میں جب ہم نماز کی ہر رکعت میں پڑھتے ہیں کہ "اھدنا الصراط المستقیم"--- وہ صراط مستقیم کیا ہے؟ وہ راہ ہدایت ہے، ہدایت کی راہ صراط مستقیم ہے-

سورہ العصر راہ ہدایت کے لئے جامع ترین سورۃ ہے۔ ایک چھوٹی سی سورۃ ہونے کے باوجود اس نے صراط مستقیم کے سنگ ہائے میل کو اس طریقے سے اپنے اندر سمو لیا ہے کہ اس کی عظمت کو **امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ** بیان فرماتے ہیں:

**ترجمہ: "اگر لوگ سے سورہ پر تدبر کر لیں تو یہ ان کی ہدایت کے لیے کافی ہو جائے گی"۔**

ایک اور قول میں وہ کہتے ہیں:

**ترجمہ: "قرآن مجید میں اگر اس سورۃ "سورہ العصر" کے علاوہ کچھ نازل نہ ہوتا تب بھی یہ لوگوں کے لئے کافی تھی"۔**

قرآن پاک میں "دہر" بھی زمانے کے لیے آیا ہے اور "عصر" بھی۔ اور دونوں کے حوالے سے سورتیں موجود ہیں- "دہر" کا مطلب زمانہ اور "عصر" سے مراد تیزی سے گزرنے والا زمانہ، تیزی سے ختم ہونے والا زمانہ جیسے جھکڑ آتا ہے اور چلا جاتا ہے۔

سورہ العصر قرآن کی مختصر ترین سورتوں میں سے ایک ہے، یہ قرآن حکیم کی سہل ترین سورتوں میں سے ایک ہے- یہ قرآن حکیم کی جامع ترین سورتوں میں سے ایک ہے-

ایک خاص بات یہ ہے کہ اس سورۃ کی تین آیات میں سے جو مرکزی آیت ہے وہی اس سورت کی جان ہے- یعنی اِنَّ الۡاِنسَانَ لَفِی خُسرٍ -- یقیناً تمام انسان خسارے میں ہیں-

یہ جملہ پہلی آیت کے ساتھ بھی مکمل ہو جاتا- وَ الۡعَصرِ ۙ اِنَّ الۡاِنسَانَ لَفِی خُسرٍ

یہ تیسری آیت کے ساتھ بھی جملہ مکمل ہو جاتا- اِنَّ الۡاِنسَانَ لَفِی خُسرٍ ۙ اِلَّا الَّذِینَ اٰمَنُوا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ تَوَاصَوا بِالۡحَقِّ ۙ وَ تَوَاصَوا بِالصَّبرِ

تو اِنَّ الۡاِنسَانَ لَفِی خُسرٍ ۙ --- انسان خسارے میں ہے- یہ درمیانی آیت تین آیات میں عددی اعتبار سے بھی مرکزی ہے اور مضمون کے اعتبار سے بھی مرکزی-

زمانے کی گواہی کیا ہے؟ پوری انسانی تاریخ میں جو بھی چشم دیدہ گواہ ہے وہ زمانہ ہے- سورۃ الاعراف میں ہم دیکھتے ہیں تخلیق آدم کا ذکر ہوا، پھر قیامت کا، اس کے بعد جنت والے، دوزخ والے، اصحاب اعراف کا ذکر ہوا-

گویا یہ تو دو انتہائیں ہو گئیں- ابتدا -- انتہا- اس کے درمیان جو ذکر ہوتا ہے حضرت نوح علیہ السلام کا، حضرت صالح علیہ السلام کا، حضرت لوط علیہ السلام کا، حضرت شعیب علیہ السلام کا اور پھر بڑی تفصیل سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر--- یہ سب تاریخ ہے- یہ زمانہ ان تمام چیزوں کی گواہی دے رہا ہے کہ یہ تہذیبی ابھری، پھر چھا گئیں دنیا میں، پھر ختم ہو گئیں اور یہ سارا عروج و زوال زمانے نے اپنی آنکھوں سے دیکھا **یہ زمانہ چشم دید گواہ ہے-**

بڑی بڑی عظیم سلطنتیں بنیں اور ٹکڑے ٹکڑے ہو کر ہوا ہو گئیں- اسی طرح بڑے بڑے لوگ آئے دنیا کے اندر پھر ان کا نام و نشان مٹ گیا- ان کی یاد تک لوگوں کے ذہنوں

میں نہیں رہی-اس لیے کہا جارہا ہے زمانہ گواہ ہے تمام انسان خسارے میں ہیں-

ہم لوگ جو اللہ کی قسم کھاتے ہیں تو کیوں کھاتے ہیں؟ اپنی کسی اسائنمنٹ پر قسم کھاتے ہیں کہ اللہ کو گواہ کر کے کہہ رہا ہوں یعنی اللہ کو گواہ کر کے بات کہہ رہا ہوں-تو قسم کھاتے ہیں کسی عظیم شے کی اور ہمارے لئے اللہ سے زیادہ عظمت کسی کی نہیں-اس لیے ہم اللہ کی قسم کھاتے ہیں-لیکن قرآن پاک میں جو قسمیں اللہ نے کھائی ہیں ان میں "مجرد شہادت" ہے- (صرف گواہی) اس میں عظمت کا پہلو نہیں ہے-"مجرد" وہ اکیلا ہے جس کا کوئی ثانی نہیں، اس جیسا کوئی نہیں، اس کی قسموں کی گہرائی کو یا تو وہ جانتا ہے یا جسے وہ سکھادے کیونکہ وہ قسم ایک عظمت والی اور سب سے عظمت والی ہستی کھا رہی ہے-

تو　وَالعَصرِ اِنَّ الاِنسَانَ لَفِی خُسرٍ زمانے کی قسم! زمانہ گواہ ہے کہ انسان خسارے میں ہے-اب بچنے والے کون ہیں؟ بچے گا کون؟

اِلَّا الَّذِینَ اٰمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوا بِالحَقِّ ۙ وَتَوَاصَوا بِالصَّبرِ　**مگر وہ لوگ جو ایمان لائے، جنہوں نے نیک عمل کئے، ایک دوسرے کو حق کی تاکید کی اور ایک دوسرے کو صبر کی تاکید کی-**

یعنی کامیابی کا تعلق---"**ایمان**"، "**عمل صالح**"، "**تواصو بالحق**" اور "**تواصو بالصبر**" سے ہے-یہ چاروں کم از کم کامیابی کی شرائط ہیں-

اگر انداز یہ ہوتا زمانہ گواہ ہے وہ لوگ بہت اونچے مراتب حاصل کرلیں گے جنہوں نے یہ شرطیں پوری کردیں---تو ایک امکان تھا کہ اگر یہ چاروں شرائط پوری نہ ہوں تو بھی کم درجے کی کامیابی تو حاصل ہو ہی جائے گی-بہت اونچے مراتب نہ سہی نچلے درجے کے مراتب تک تو رسائی کا امکان ہے-یہ انداز نہیں ہے-

## انداز کیا ہے؟

وَالعَصرِ اِنَّ الاِنسَانَ لَفِی خُسرٍ اِلَّا الَّذِینَ اٰمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوا بِالحَقِّ ۙ وَتَوَاصَوا بِالصَّبرِ

زمانہ گواہ ہے، زمانے کی قسم! تمام انسان تباہ ہوگئے، برباد ہوگئے سوائے ان کے جو یہ چار شرطیں پوری کریں-یہ پاس مارکس ہیں-یہ فرسٹ ڈویژن، سیکنڈ ڈویژن کی بات نہیں ہورہی ہے- بلکہ درحقیقت یہ بنیادی طور پر کامیابی کے لوازم ہیں-نجات کے لوازم-ورنہ ناکامی ہے-خسارہ ہے-

<u>تو کیا ہیں نجات کے لوازمات؟</u>:- ایمان، عمل صالح، تواصو بالحق، وتواصو بالصبر

یہ کم سے کم لوازم ہیں نجات کے-ان میں سے کسی کو ساکن کرنے کا ہمیں اختیار نہیں ہے-

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ اپنی "تفسیر کبیر" میں فرماتے ہیں:

" اِلَّا الَّذِینَ اٰمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوا بِالحَقِّ ۙ وَتَوَاصَوا بِالصَّبرِ میں اللہ تعالی نے بڑی شدید وعید سنائی ہے"-(بڑا شدید ڈرسنایا ہے)

اس لئے کہ اللہ تعالی نے تو خسارے کا، بربادی کا، تباہی کا فیصلہ کردیا ہے تمام انسانوں کے لئے کہ یہ لوگ برباد ہوکر رہیں گے، تباہ ہوکر رہیں گے-سوائے ان کے جو ان چار شرطوں کو پورا کرنے والے ہوں اور وہ ہے: <u>ایمان، عمل صالح، تواصو بالحق اور تواصو بالصبر</u>---تو نجات معلق ہے ان چاروں چیزوں کے مجموعہ پر-

پانچوں بات وہ یہ ہے کہ یہ چاروں چیزیں لازم وملزوم ہیں ایک دوسرے کے لئے-ایمان اگر حقیقی ہوگا تو عمل صالح لازم پیدا ہوگا-یہ ممکن ہی نہیں کہ ایمان ہو اور عمل صالح نہ ہو-اس ایمان کی قیمت دو ڈھیلے کی نہیں جن کی موجودگی میں عمل درست نہ ہوا-

بہت سی احادیث بھی غلط اعمال کی بنیاد پر ایمان کی نفی آئی ہے---ایک حدیث ہے:

ترجمہ:"خدا کی قسم! وہ مومن نہیں، خدا کی قسم! وہ مومن نہیں، خدا کی قسم! وہ مومن نہیں"-صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے عرض کیا "یا رسول اللہ (خاتم النبیین ﷺ) کون"؟ فرمایا "وہ شخص جس کی ایذا رسائی کی وجہ سے اس کا پڑوسی چین سے نہیں ہے"-(السلسلۃ الصحیحۃ، حدیث نمبر 154)

دیکھئے مندرجہ بالا حدیث کو کہ یہاں کسی گناہ کبیرہ کا ذکر بیان نہیں ہوا، کسی زنا کا نہیں، ڈاکے کا نہیں، شرک کا نہیں-ذکر کیا ہے ایک انسان بدخلق ہے، پڑوسی کو تنگ کرتا ہے، اس کی وجہ سے پڑوسی پریشان رہتا ہے تو وہ شخص مومن نہیں ہے-

حضرت انس رضی اللہ تعالی عنہ ایک طویل عرصہ تک نو یا دس سال تک نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کے ذاتی خادم رہے-وہ گواہی دیتے ہیں کہ

"شاید ہی کبھی ایسا ہوا ہو کہ اللہ کے رسول (خاتم النبیین ﷺ) نے ہمیں خطبہ دیا ہو اور اس خطبے میں یہ الفاظ نہ ہوں "جس شخص میں ایمانداری کا وصف نہیں اس کا کوئی ایمان نہیں اور جس شخص میں ایفائے عہد کا مادہ نہیں اس کا کوئی دین نہیں"-

ایک ہے "قانونی ایمان" (اقرار بالسان) اس ایمان کی بات ہم نہیں کر رہے ہیں- اس کا تعلق اسلام سے ہے-

ایک ہے "تصدیق بالقلب" اس کا تعلق دل سے ہے وہ ہے اصل ایمان اور جب دل میں ایمان پیدا ہو جاتا ہے تو یقین کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے- پھر انسان کے اعمال قلب کے تابع ہو جاتے ہیں-

اس لئے زانی حالت ایمان میں زنا نہیں کر سکتا- چور حالت ایمان میں چوری نہیں کر سکتا- یہ کیسے ممکن ہے کہ دل میں ایمان ہو اور زنا اور چوری جیسے عمل بھی ہو رہے ہوں؟ یعنی ایمان حقیقی نہیں ہے قانونی ایمان موجود ہے- اس لیے مسلمان تو وہ رہے گا- زانی بھی مسلمان ہے، چور بھی مسلمان ہے-

تو "قانونی ایمان" اسلام ہے- "حقیقی ایمان" دل کے اندر کا ایمان ہوگا اور جب دل کے اندر ایمان ہوگا تو عمل درست ہو جائیں گے- وَ عَمِلُو الصّٰلِحٰتِ

عربی زبان میں ایک لفظ ہے فعل اور ایک ہے عمل-

**فعل کیا ہے؟:-** انسان سے جو بھی حرکت سرزد ہو رہی ہے تو وہ بلا ارادہ ہو یا ارادی طور پر ہو وہ سہولت سے ہوتی ہو، خواہ مشقت سے، خواہ کوئی تکلیف جھیلنی پڑے وہ فعل ہے-

**عمل کیا ہے؟:-** عمل کہتے ہیں مشقت طلب کام کو ارادے کے ساتھ کیا جائے- یعنی عمل وہ کام ہے جو مشقت طلب ہو، محنت طلب ہو، ارادے کے ساتھ کیا جائے- ہماری فری چوائس ہو اس کے اندر- کرنا نہ کرنا ہماری مرضی اور ارادے پر موقوف ہو-

**صالحات:-** صالح کس کو کہتے ہیں؟ جس میں صلاحیت ہو- صلاحیت ہے تو اس کو پروان چڑھا سکتے ہوں-

اعمال صالح وہ ہے جو انسان کے اندر ترقی پیدا کر دیں- اس کے روحانی، اخلاقی بلندی کا باعث ہوں- وہ ہیں عَمِلُو الصّٰلِحٰتِ

**تواصو بالحق:-** تواصو باب تفاعل ہے- تفاعل کے اندر دو چیزیں پیدا ہو جاتی ہیں- ایک تو باہم مل جل کر کوئی کام کرنا اور نمبر 2 اپنی ہمت سے، طاقت سے کوئی کام کرنا-

حق- عربی زبان میں حق کے چار معنی ہیں:

1۔ جو چیز فی الوقت فی الواقع موجود ہو وہ حق ہے-

2۔ حق وہ ہے جو موجود ہو اور نظر بھی آئے --- جو نظر تو آئے مگر ہو نہ- وہ باطل ہے، سراب ہے- نظر آ رہا ہے کہ پانی ہے لیکن ہے نہیں وہ سراب ہے۔

3- حق وہ ہے جو اخلاقاً ثابت ہو- یہ والدین کے حقوق ہیں اور یہ پڑوسیوں کے حقوق ہیں- عقل اس کا تقاضا کر رہی ہے کہ یہ لازماً ہونا چاہئیں۔

4- حق وہ ہے جو نتیجہ خیز ہو --- باطل وہ ہے جس کا کوئی نتیجہ نہ نکلے-

یہ چار معنی ہیں "حق" کے-

چھوٹے سے چھوٹا حق بھی ہے اور بڑے سے بڑا حق بھی ہے- چھوٹی برائی پر منع کرنا چھوٹا حق ہے- کسی نے کسی کے 100 روپے یا 500 روپے دینے ہیں وہ نہیں دے رہا- اس سے کہنا کہ "بھائی اس کے پیسے واپس کر دو" - یہ بھی تواصو بالحق ہے- بچے گلی میں کھیل رہے ہیں- اندیشہ ہے کہ کسی گاڑی کا شیشہ توڑ دیں گے ہمیں چاہئے کہ ان کو اس بات سے خبردار کریں منع کریں۔ یہ بھی تواصو بالحق ہے۔ "بیٹے یہ کھیلنے کا میدان نہیں کہیں میدان میں جا کر کھیلو- یہ گاڑیوں میں سے کسی گاڑی کا شیشہ ٹوٹ جائے گا- بری بات ہے" وغیرہ وغیرہ-

**سب سے بڑا حق ـــــ جہنم سے لوگوں کو بچانا، اللہ کے قانون کا نفاذ کرنا اور کروانا ہے-** یہ زمین اللہ تعالی کی ہے یہاں اللہ کا حکم ہی چلے گا- اس کا حکم ہی چلنا چاہیے-

زمین سے آسمان تک تواصو بالحق ہے- چھوٹا حق بھی ہے اور بڑا حق بھی ہے- گویا اس میں تمام منزلیں آ گئیں۔ ایک تو اجتماعی زندگی مل جل کر کام کرنا- اس لیے کہ یہ کام آسان نہیں ہے کیونکہ اگلا مرحلہ آئے گا" تواصو بالصبر "بڑے صبر کی ضرورت ہے، مشقتیں بھی جھیلنی ہوگی، تکلیف بھی برداشت کرنا ہوگی- یہ چھوٹے سے چھوٹے حق سے لے کر بڑے بڑے حق تک جب انسان حق کا علمبردار بنتا ہے۔

دعوت الی اللہ، دعوت الی سبیل اللہ، شہادت الی الناس، نہی عن المنکر، امر بالمعروف، دعوت الی الخیر -- اللہ کی زمین ہے، اللہ کا قانون نافذ ہونا چاہیے- اللہ کا نظام قائم ہونا چاہیے- اس کے لیے جدوجہد، اس کے لیے محنت، اس کے لئے کوشش، اس کے لئے بھاگ دوڑ، اس کے لئے اپنا وقت، اپنی صلاحیت، اپنے مالی وسائل کو صرف کرنا یہ سب کچھ تواصو بالحق میں آ گئے۔

سورہ النساء، آیت نمبر 135:- "ایمان والو عدل وانصاف کے علمبردار بن کر کھڑے ہو جاؤ اللہ کی گواہی دینے کے لیے"۔

**تواصوبالصبر**:- آخری مرحلہ تواصوبالصبر (یعنی صبر) کا ہے-، مصیبت پر صبر، آزمائشوں پر صبر، ہر تکلیف، ہر بیماری پر صبر، مخالفین کی طرف سے مصیبت پر صبر کرنا یہ ہے تواصوبالصبر ہے-

"تواصوبالحق" ذرا کڑوا ہوتا ہے- ہم بچوں سے کہیں گے بیٹا یہاں نہ کھیلو ہوسکتا ہے کہ اس میں سے کوئی بچہ یا سب ہی کہیں آپ اپنا راستہ لیں آپ کون ہوتے ہیں منع کرنے والے؟

اگر کہا بھائی اس کے پیسے واپس کردو- وہ کہے گا آپ کون؟ یہ میرا اور فلاں کا معاملہ ہے- آپ اپنے کام سے کام رکھیں- جوابی کارروائی ہوسکتی ہے چھوٹے حقوق میں---

اب ذرا بڑے حق کی بات دیکھتے ہیں:

جو وقت کے شیطان ہیں یعنی فرعون، نمرود وغیرہ وہ کب برداشت کریں گے کہ حق کا بول بالا ہو، اللہ کا دین قائم ہو جائے، ہماری بادشاہتیں ختم ہو جائیں- کوئی بھی فرعون، کوئی بھی نمرود یہ نہیں چاہے گا- تو ان لوگوں کی طرف سے پہنچنے والی تکلیف کو برداشت کرتے رہنا یہی تواصوبالصبر کا معاملہ ہے- دوسروں کو برداشت کرنا- اس کے لئے سورہ آل عمران، آیت نمبر 200 میں فرمان الٰہی ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَ صَابِرُوْا وَ رَابِطُوْا- وَ اتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ

ترجمہ: "اے ایمان والو صبر کرو اور صبر میں دوسروں کا جو آپ کے مدمقابل ہیں (جو دشمن ہیں) ان کا مقابلہ کرو (یعنی ان سے زیادہ صبر کرو) تاکہ تم فلاں کو پہنچو"۔

یہ کفار بھی تو صبر کر رہے، یہ ابوجہل بھی تو صبر کر رہا ہے- اپنے معبودوں کے لیے پہلے بدر میں بے شمار لوگ مارے گئے لیکن پھر جو مکہ کے مشرکین تھے وہ دوبارہ سے آ گئے- پہلے ہزار آئے تھے اب تین ہزار آئے- وہ اپنے باطل معبودوں کے لیے قربانی دینے کو تیار ہیں- ہمیں ان سے بڑھ کر قربانی دینی ہے- ہمیں ان سے بڑھ کر صبر کرنا ہے- ان کے مقابلے میں ڈٹے رہنا ہے-

ان باتوں کا نتیجہ کیا نکلا کہ ہمارے دل میں یہ بات پکی ہو جائے کہ انسان کی کامیابی کا دارومدار دولت پر نہیں ہے، جائیداد پر نہیں، دنیاوی اقدار پر نہیں، وجاہت پر نہیں بلکہ کس پر ہے؟---ایمان، عمل صالح، تواصوبالحق اور تواصوبالصبر پر ہے-

گویا اگر یہ چار چیزیں نہیں ہیں تو خواہ کوئی نمرود، فرعون کی طرح بادشاہت کا حامل ہو یا قارون کی طرح خزانوں کا مالک ہو یا اسے دنیا کے اعتبار سے بہت شہرت حاصل ہوگئی ہو لیکن وہ شخص ناکام ہے، نامراد ہے- اور جس کے پاس یہ چار چیزیں ہیں وہ خواہ مفلس ہو، قلاش ہو کسی جھونپڑی میں رہتا ہو، کسی چٹان پر سوتا ہو، اسے کھانے کے لئے مناسب غذا میسر نہ ہو، گمنام ہو، کوئی اسے جانتا نہ ہو- لیکن وہ کامیاب ہے، کامران ہے، وہ مصلحین میں سے ہے، راشدین میں سے ہے، فائزین میں سے ہے-

ان باتوں کا دل میں سما جانا بہت ضروری ہے اس سے ہمارا طرزِ عمل متعین ہوگا اور پھر اسی طرزِ عمل پر ہمارا دارومدار ہے کہ زندگی میں ہم کیا رخ اختیار کرتے ہیں؟

مزید برآں ان تمام باتوں کو صرف اور صرف ایک دفعہ سمجھ لینا اور دل میں سما لینا کافی نہیں- اسے بار بار تازہ کرنے کی ضرورت ہے، اس لئے کہ دنیا کے حالات کو دیکھ کر ہمارے اعصاب متاثر ہوتے ہیں- صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا معمول تھا-

ابوغزنیہ دارمی رحمۃ اللہ اور امام طبرانی رحمۃ اللہ اور امام ابویوسف رحمۃ اللہ میں لائے ہیں اس حدیث کو اور امام بیہقی شعب الایمان میں:

"حضرت محمد (خاتم النبیین ﷺ) کے صحابہ میں سے دو کی جب بھی ملاقات ہوتی تو وہ ایک دوسرے سے جدا نہ ہوتے تھے جب تک ایک دوسرے کو سورہ العصر نہ سنا لیں"-

نجات کا دارومدار ان چار چیزوں کے مجموعے پر ہے- دعوت وتبلیغ کے لیے ہماری امت کا زیادہ تر کا خیال یہ ہے کہ علماء کا کام ہے، ہم لوگ جنت، دوزخ اور آخرت کے محاسبہ کو مانتے تو ہیں لیکن ہم لوگوں کی اکثریت یہ سمجھتی ہے کہ ہم سب مومن ہیں، مسلم ہیں تو گویا ہماری نجات ہو جانی ہے- یہی تصور یہود میں بھی عام ہو گیا تھا "ہمیں تو آگ چھو ہی نہیں سکتی مگر گنتی کے چند دن"- (سورہ البقرہ، آیت نمبر 80)

ہم بھی یہی سوچے بیٹھے ہیں---ہمارے بعض شاعروں نے اس تصور کو بہت بڑھا دیا ہے:

عصیاں سے کبھی ہم نے کنارہ نہ کیا
پر تو نے دل آزردہ ہمارا نہ کیا
ہم نے جو جہنم کی بہت کی تدبیر
لیکن تیری رحمت نے گوارا نہ کیا

قرآن پاک کے مطابق یہ بات بالکل غلط ہے۔
جہنم کی تدبیر کریں گے تو جہنم ہی ملے گی۔ اللہ تعالی زبردستی کسی کو جنت میں داخل کرنے والا نہیں ہے۔ جنت کمانی ہے تو اس کے لیے محنت کرنی ہوگی۔ اس کے لیے اعمال صالح کرنے ہوں گے، تواصو بالحق اور تواصو بالصبر کے تقاضے پورے کرنے ہوں گے۔
ہمارے ہاں اللہ تعالی کی صفت غفاری اور رحیمی کا بہت حوالہ دیا جاتا ہے۔۔۔"رب بہت غفور رحیم ہے"۔
**یہ ضرور ہے کہ محض اعمال کی بنیاد پر کسی کی نجات نہیں ہوگی۔ اللہ کی رحمت کی ضرورت ہوگی۔ لیکن یاد رکھیں! بغیر عمل کے تو وہ رحمت ہمیں ملنے والی نہیں ہے۔** محنت کر کے اپنے آپ کو اس کا مستحق کرنا ہے۔ پھر وہ رحمت خداوندی ہماری دستگیری کرے گی۔ قرآن حکیم میں جہاں کہیں غفور رحیم آیا ہے وہاں پہلے کچھ شرائط بیان کی گئیں ہیں کہ اللہ تعالی کن کے لیے غفور رحیم ہے؟

مندرجہ بالا ان چاروں چیزوں میں ایک توازن کی ضرورت ہے۔ ایمان کے بھی بہت درجے ہیں، عمل صالح کے درجے بھی بہت ہیں، تواصو بالحق کے بھی درجے بہت ہیں، صبر کے بھی کھٹن سے کھٹن مراحل آسکتے ہیں۔

ایمان کو ترقی حاصل ہوگئی ہے، ایمان زیادہ نکھر گیا ہے، زیادہ چمک گیا ہے۔ اس تناسب سے اس پیمانے سے عمل صالح کے اندر بھی نکھار جوبن پر آجانا چاہیے۔ اس کے اندر بھی روشنی آجانی چاہیے اور پھر اس درجے میں تواصو بالحق کے اندر زیادہ کوشاں ہوں، زیادہ محنت کرے اور پھر زیادہ صبر کرے گویا سب کچھ توازن کے ساتھ ہو۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ "فقہ اکبر" اور علامہ جلال الدین سیوطی نے "جامعہ کبیر" میں حارث ابن نعمان رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کیا ہے کہ "وہ ایک بار حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے سوال کیا "اے حارث تم نے کس حال میں دن پایا"؟ میں نے عرض کیا "سچا مومن بن کر"۔ فرمایا "تمہارے ایمان کی حقیقت کیا ہے"؟ میں نے عرض کیا کہ "میں گویا عرش الٰہی کو ظاہراً دیکھ رہا ہوں اور گویا جنتیوں کو ایک دوسرے سے جنت میں ملتے ہوئے اور دوزخیوں کو دوزخ میں شور مچاتے دیکھتا ہوں۔ میرے سامنے 8 بہشت اور 7 دوزخ ایسے ظاہر ہیں جیسے بندر کے سامنے بت ہیں اور میں ہر ایک مخلوق کو ایسے پہچانتا ہوں جیسے چکی میں جو اور گیہوں۔ جنتی کون ہیں اور دوزخی کون ہیں؟ میرے سامنے یہ سب مچھلی اور چیونٹی کی طرح ہیں۔ چپ رہوں یا کچھ اور کہوں"۔ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے ان کا منہ پکڑ لیا کہ "بس! بس"۔

یہ بھی کیفیت ہے ایمان کے درجے کی۔ تو جب ایمان کا یہ درجہ ہو تو عمل بھی بہت بلند ہونا چاہیے۔ خدمت خلق اس کی زندگی میں بڑا بہت نمایاں ہونا چاہیے۔ اس کے اپنے کردار میں صرف فرائض ہی نہیں بلکہ فرائض سے بہت آگے سنت اور مستحبات ہوں۔ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے نقش پا کی زیادہ سے زیادہ پیروی اور آپ خاتم النبیین ﷺ کا انداز ہر طور پر اختیار کرنے کی مکمل اور ہر ممکن کوشش۔ پھر اُسی درجے میں حق کے لئے تن من دھن لگا دینا ہے۔ جان کی بازی کھیل جانی ہے اور پھر صبر۔ یہ تمام چیزیں بہت توازن کے ساتھ ہونی چاہیے اگر عدم توازن ہے تو کہیں نہ کہیں گڑبڑ ضرور ہے۔

ایک روایت ہے کہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا" اللہ تعالی نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو وحی کے ذریعے حکم دیا" فلاں فلاں شہروں کو ان کے مسکینوں سمیت تلپٹ کر دو، الٹ دو"۔ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا" جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا" اے رب! اے میرے پروردگار! ان بستیوں میں تیرا فلاں بندہ بھی ہے جس نے پلک جھپکنے جتنی دیر میں بھی کبھی معصیت نہیں کی ہے"۔ یہاں غور کرنے کا مقام ہے کہ اس سے اونچا کوئی نیکی کا مقام ہوسکتا ہے کہ گواہی دینے والا کوئی کرائے کا وکیل نہیں ہے حضرت جبرائیل علیہ السلام ہیں اور گواہی کہاں دے رہے ہیں بارگاہ خداوندی میں جہاں ابوجہل، فرعون اور نمرود جیسے لوگ جھوٹ نہیں بول سکیں گے، سچ ہی بولیں گے، یہ وہاں گواہی دے رہے ہیں۔ اس شخص کے ایمان اور عمل صالح کا کیا حال ہوگا جس کے بارے میں جبرائیل علیہ السلام کی گواہی ہے کہ اس نے پلک جھپکنے جتنی دیر بھی تیری معصیت میں نہیں گزاری ہے۔ حضور پاک خاتم النبیین صلی اللہ نے فرمایا" اس پر اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا" الٹو اس شخص پر بستی کو پھر دوسروں

پر-**اس لیے کہ اس شخص کے چہرے کا رنگ کبھی میری حمیت کی وجہ سے نہیں بدلا**"-یعنی یہ دیکھتا رہا کہ برائیاں پھیل رہی ہیں، منکرات کا عروج ہے، جو معروف ہے وہ دبا ہوا ہے-شریعت کی دھجیاں بکھیری جا رہی ہیں- اللہ کے احکامات کو توڑا جا رہا ہے اس نے باطل کا مقابلہ نہیں کیا، اس نے حق کی حمایت میں کھڑے ہو کر لوگوں کو حق کی دعوت نہیں دی-**وہ ان کی طرف سے دیے جانے والے تکلیف کا خوف کرتا رہا-اس نے اللہ کی خاطر لوگوں کی طرف سے دی جانے والی تکالیف کو برداشت نہیں کیا-یہ اتنا بڑا جرم ہے کہ اس پر پہلے بستی کو الٹو، اس کے بعد دوسروں پر الٹنا**——یہ ہے عدم توازن

**اس کی دوسری انتہا کیا ہوگی؟**

فرض کیا ایک شخص ہے اقامت دین کے لئے جدوجہد کر رہا ہے یہ تو اصو بالحق کی بلند ترین منزل ہے لیکن دوسری طرف حال کیا ہے؟

ایمان صرف سرسری سا حاصل ہے-یقین والے ایمان کی طرف کبھی دلچسپی نہیں ہوئی، توجہ ہی نہیں ہوئی-یعنی کہ اعمال میں نماز بھی بڑی مشکل سے پڑھی جا رہی ہے اگر یہ صورت حال ہے تو یہ بھی عدم توازن ہے جو ناپسندیدہ ہے-

تو ان چاروں اعمال میں توازن ہو یعنی اگر کوئی نیک ہے، عمل صالح کرتا ہے، خیر ہے-تو یہ خیر ہم سے لازماً معاشرے کے اندر سرایت کرے گی جیسے ایک بیماری دوسرے کو لگتی ہے-ایسی ہی خیر بھلائی جو ہے وہ ایک سے دوسرے تک پھیلتی ہے اور سرایت کرتی ہے-

فرض کیجیے اللہ تعالی نے ہمیں کوئی خیر یا بھلائی دے دے رکھی ہے-سیدھا راستہ دکھا رکھا ہے، جو صراط مستقیم ہے-سیدھا جنت کی طرف جانے والا راستہ-تو شرافت کا تقاضہ یہ ہے کہ ہم اپنے عزیزوں، رشتہ داروں، دوستوں، اقرباء اور عام انسانوں تک اس بھلائی، اس خیر کو، ان اصولوں کو شیئر کریں۔دولت ہے تو مساکین کے ساتھ شیئر کریں۔

اسی طرح ہدایت ملی ہے، معرفت حاصل ہوگئی ہے، اس کا علم حاصل ہو گیا ہے تو شیئر کریں-

حق مغلوب ہے، حق پامال ہو رہا ہے، باطل کا ڈنکا بج رہا ہے تو شرافت کا تقاضہ یہ ہے کہ حق کا ساتھ دیں-اگر نہیں دیا تو غیرت حمیت کچھ نہیں ہے-

اگر ہم سمجھتے ہیں کہ ایمان ہمیں حاصل ہو گیا ہے اور عمل نہیں ہو رہا تو سمجھ لینا چاہئے کہ ایمان ابھی حاصل نہیں ہوا ہے-اگر ایمان بھی ہے، اعمال بھی ہیں اور اعمال ہو رہے ہیں لیکن دعوت کا مرحلہ نہیں آ رہا تو سمجھ لیجئے کہ ہمارے اخلاق کو گھن لگ گیا ہے-

**اگر ہمارے صفات ہماری ذات سے نکل کر معاشرے میں سرایت نہیں کر رہیں۔یعنی دعوت الی الخیر، دعوت الی سبیل اللہ، امر بالمعروف نہی عن المنکر کا، حق کی حمایت، حق کی حمیت، حق کا بول بالا کرنے میں تن من دھن لگا دینے کا مرحلہ نہیں آیا تو گویا عمل صالح بھی دھوکہ ہیں، فریب ہیں، حقیقت نہیں ہیں-**

عام ذہنوں میں یہ بات ہوتی ہے کہ یہ تبلیغ تو ہمارا کام ہی نہیں ہے-یہ تو مولویوں اور علماء مبلغین کا کام ہے-جب کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "تم میں سے ہر شخص راعی ہے اور ہر شخص سے اس کی رعایا (یعنی ماتحت لوگوں) کے متعلق پوچھا جائے گا"-(بخاری و مسلم)

تو ایمان، عمل صالح، تو اصو بالحق، تو اصو بالصبر سے کامیابی حاصل ہوگی۔یہ دولت، اقتدار، جائیداد، سرمایہ سے نہیں حاصل ہو سکتی۔

**یہ چاروں چیزیں کم سے کم لوازمِ نجات ہیں-ان میں سے کسی کو چھوڑ دینے کا حق ہمیں حاصل نہیں ہے-**

پورا قرآن پاک جسے " کتاب مبین" کہا گیا ہے-بڑی روشن کتاب ہے، واضح کتاب ہے-بات بالکل سادہ الفاظ میں کہی گئی ہے-

قرآن پاک سورہ قمر، آیت نمبر 40,32,22,17 میں چار مرتبہ اللہ تعالی نے چیلنج کے انداز میں فرمایا:

وَ لَقَدۡ یَسَّرۡنَا الۡقُرۡاٰنَ لِلذِّکۡرِ فَهَلۡ مِنۡ مُّدَّکِرٍ

ترجمہ:" نصیحت اخذ کرنے کے لیے، ہدایت حاصل کرنے کے لیے ہم نے اس قرآن کو بہت آسان کر دیا ہے-تو ہے کوئی جو اس سے ہدایت اخذ کرے؟"

ادب میں ایک شے ہے جسے ہم کہتے ہیں " سہل ممتنع "---وہ آسان بات جو بظاہر بہت آسان نظر آئے مگر واقعتاً اس کی گہرائی، اس کے مضامین کا پھیلاؤ، انسان کے لئے حیران کن ہو اور اگر کوئی شخص اسی انداز میں کوئی بات کہنا چاہے تو وہ اُسے ناممکن نظر آئے-

"سہل ممتنع" اسے کہتے ہیں جس کے قریب جانا آسان نہ ہو-تو اس "سہل ممتنع" کی سب سے بڑی مثال قرآن حکیم کی یہ سورۃ العصر ہے:

وَ الۡعَصۡرِ ۙ اِنَّ الۡاِنۡسَانَ لَفِیۡ خُسۡرٍ ۙ اِلَّا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ تَوَاصَوۡا بِالۡحَقِّ ۙ وَ تَوَاصَوۡا بِالصَّبۡرِ

صَدَقَ اللّٰہُ العَظِیم

# ''متاع الغرور'' (دھوکے کا سامان)

سورہ حدید، آیت نمبر 20 میں فرمان خداوندی ہے:

اِعلَمُوا اَنَّمَا الحَیٰوۃُ الدُّنیَا لَعِبٌ وَّ لَھوٌ وَّ زِینَۃٌ وَّ تَفَاخُرٌ بَینَکُم وَ تَکَاثُرٌ فِی الاَموَالِ وَ الاَولَادِ کَمَثَلِ غَیثٍ اَعجَبَ الکُفَّارَ نَبَاتُہٗ ثُمَّ یَھِیجُ فَتَرٰہُ مُصفَرًّا ثُمَّ یَکُونُ حُطٰمًا وَ فِی الاٰخِرَۃِ عَذَابٌ شَدِیدٌ وَّ مَغفِرَۃٌ مِّنَ اللّٰہِ وَ رِضوَانٌ وَ مَا الحَیٰوۃُ الدُّنیَا اِلَّا مَتَاعُ الغُرُورِ

ترجمہ: ''جان لو کہ یہ دنیا کی زندگی تو کھیل کود اور آزمائش کے سوا کچھ نہیں اور تمہارا آپس میں بڑائی مارنا اور مال اور اولاد میں ایک دوسرے پر زیادتی چاہنا اس مینہ کی طرح ہے جس کا اگایا ہوا سبزہ کسانوں کو بھایا۔ پھر سوکھا کہ تو اسے زرد دیکھے پھر ریزہ ریزہ ہو گیا اور آخرت میں سخت عذاب ہے اور اللہ کی طرف بخشش اور اس کی رضا اور دنیا کا جینا تو نہیں مگر دھوکے کا سامان''۔

آج کا عنوان ''متاع الغرور'' دھوکے کا سامان اور یہ ترکیب قرآن پاک میں دو جگہ وارد ہوئی ہے: (سورہ حدید آیت نمبر 20- سورہ آل عمران، آیت نمبر 185)

وَ مَا الحَیٰوۃُ الدُّنیَا اِلَّا مَتَاعُ الغُرُورِ

ترجمہ: ''اور دنیا کی زندگی تو بس دھوکے کا سامان ہے''۔

''متاع الغرور'' (دھوکے کا سامان) اس حیات دنیاوی کو قرار دیا گیا ہے۔ یعنی دنیا کی زندگی سوائے دھوکے کے سامان کے کچھ نہیں۔

چار مقامات پر قرآن پاک میں اس دنیا کی زندگی کو لَھوٌ وَّ لَعِب یعنی کھیل اور تماشے سے تعبیر کیا گیا ہے: (سورہ الانعام، آیت نمبر 32-سورہ العنکبوت، آیت نمبر 64 -سورہ محمد، آیت نمبر 36-سورہ حدید، آیت نمبر 20)

وَ مَا ھٰذِہِ الحَیٰوۃُ الدُّنیَا اِلَّا لَھوٌ وَّ لَعِبٌ

ترجمہ: ''یہ دنیا کی زندگی تو سوائے کھیل اور تماشے کے کچھ نہیں''۔

لیکن اس اعتبار سے غور طلب بات یہ ہے کہ دنیا کی زندگی اللہ نے ہمیں دی ہے۔ یہ کائنات اس نے بنائی ہے۔ اس میں اس نے ہمیں بھیجا ہے۔ یہ تخلیق کسی کھیلیر کا کھیل نہیں ہے۔

رَبَّنَا مَا خَلَقتَ ھٰذَا بَاطِلًا

ترجمہ: ''اے میرے رب یہ زندگی تو نے خوامخواہ تو نہیں بنائی''۔ (سورہ آل عمران، آیت نمبر 191)

یہ کوئی وہم نہیں ہے حقیقت ہے، واقعہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی خلاقی کا مظہر ہے اس نے ہمیں خلافت کا مقام عطا کیا ہے۔

یہ تمام چیزیں اپنی جگہ پر ہیں۔ ان باتوں سے حیات دنیا ایک بہت بڑی حقیقت بن کر سامنے آتی ہے۔

یعنی یہ نہ وہم ہے، نہ گمان ہے- حقیقت ہے، واقعہ ہے، ٹھوس ہے، محسوس ہوتی ہے۔ اس کا دکھ اور کرب محسوس ہوتا ہے۔ اس کی مسرت اور خوشی بھی محسوس ہوتی ہے۔

ایک ایسی شے جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے ایک خلیفہ پیدا فرمایا: (سورہ البقرہ، آیت نمبر 30)

اِنِّی جَاعِلٌ فِی الاَرضِ خَلِیفَۃً

ترجمہ: ''میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں''۔

خلافت کا تاج آدم علیہ السلام اور اس کی نسل کے سر پر رکھا۔ تو ان معنوں میں تو یقیناً یہ حقائق ہیں۔ تو اسے دھوکے کا سامان کس اعتبار سے کہا گیا ہے؟

اگر حقیقت زندگی کا تصور ہمارے سامنے واضح ہو-

جس کو علامہ اقبال نے کیا ہی خوبصورتی کے ساتھ بیان کیا ہے:

تو اسے پیمانہ امروز و فردا سے نہ ناپ
جاوداں پیہم دواں، ہر دم جواں ہے زندگی

''انسان'' اللہ تعالی کی خلاقی کا نقطہ عروج ہے- اس کے لئے قرآن پاک سورہ ص، آیت نمبر 75 میں فرمان خداوندی ہے:

لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ

ترجمہ: ''میں نے اسے اپنے ہاتھوں سے بنایا''-

(سورہ بنی اسرائیل، آیت نمبر 20)

ترجمہ: ''اور بے شک ہم نے اولاد آدم کو عزت دی اور ان کو خشکی اور تری میں سوار کیا اور ان کی ستھری چیزیں (روزی) دیں اور ان کو اپنی بہت سی مخلوق سے افضل کیا''-

فَإِذَا سَوَّيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِن رُّوحِي (سورہ الحجر، آیت نمبر 29۔ سورہ ص، آیت نمبر 72)

یہ رُّوحِی مرکب اضافی ہے۔ خاص طور پر اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کی طرف روح کو منسوب کیا ہے۔ وہ روح جو حضرت آدم علیہ السلام میں پھونکی گئی تھی۔

فَإِذَا سَوَّيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِن رُّوحِي فَقَعُوا لَهُ سَاجِدِينَ

ترجمہ: ''جب میں اس میں اپنی روح پھونک دوں تو گر پڑنا اس کے سامنے سجدے میں''-

فَسَجَدَ الْمَلَائِكَةُ كُلُّهُمْ أَجْمَعُونَ

ترجمہ: ''سجدہ کیا تمام فرشتوں نے''- (سورہ الحجر، آیت نمبر 30- سورہ ص، آیت نمبر 73)

اس میں تمام فرشتے یعنی بڑے اور چھوٹے تمام فرشتے شامل ہیں۔

انسان کی زندگی 60، 70 برس کی نہیں ہے اس کی زندگی بہت طویل ہے- ہماری پہلی تخلیق ہوئی تھی عالم رواح میں۔ لشکروں کے لشکر تھے۔ آدم علیہ السلام سے لے کر آخری انسان جو دنیا میں قیامت تک پیدا ہوگا۔ سب کی ارواح عالم ارواح میں پیدا کر دی گئی تھی۔

وہاں عہد لیا گیا تھا أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ یعنی کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ ہم سب نے کہا تھا عہد کیا تھا قَالُوا بَلَىٰ (بھلا کیوں نہیں) شَهِدْنَا (ہم سب گواہ ہیں)- یہ عہد الست تھا۔ (تو ہی ہمارا رب ہے) یہ عہد ہم نے اپنے شعور کے ساتھ کیا تھا۔ کیونکہ ظاہر بات ہے کہ عہد وہ جو شعور سے کیا جائے جب تک انسان کو اپنی ذات کا شعور نہ ہو تو عہد کیسا؟ اس وقت ہم ہوش وحواس کے ساتھ تھے لیکن صرف ارواح تھیں۔ جسد نہ تھا۔

اور یہی وہ مقام ہے جس کے بارے میں حضور کریم خاتم النبیین ﷺ سے پوچھا گیا تھا اے اللہ کے رسول ﷺ آپ کو نبوت کب ملی؟ آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ابھی آدم علیہ السلام کا ہیولہ پانی اور گارے کے درمیان تھا۔ میں اس وقت بھی نبی تھا۔ یعنی عالم خلق کا ابھی آغاز نہیں ہوا تھا۔

عالم ارواح میں تمام روحیں اپنی امتیازی شان کے ساتھ تھیں۔ روح محمدی خاتم النبیین ﷺ کہیں تو غلط نہیں ہے۔ اس لئے کہ ارواح کا جو مادہ تخلیق ہوا ہے وہ نور ہے جیسے فرشتوں کا مادہ تخلیق نور ہے۔

مسلم شریف میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے:

''اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو نور سے پیدا کیا اور جنوں کو آگ کے شعلے سے اور آدم علیہ السلام کو اس (مادے) سے پیدا کیا گیا ہے جس کو تمھارے لئے بیان کیا گیا ہے''-

اور ارواح انسانیہ بھی نور ہیں ان سب کا مادہ تخلیق نور ہے۔ اس وقت ہم پیدا کئے گئے۔ صرف ارواح کی شکل میں۔ ہم سے عہد لیا گیا اور پھر سلا دیا گیا۔ یہ پہلی موت تھی جو ہم پر وارد ہوئی۔ (اس دنیا میں آنے سے پہلے)

سورہ مومن کی آیت نمبر 11 میں فرمایا گیا ہے:

ترجمہ: ''جہنم میں لوگ فریاد کریں گے اے اللہ تو نے ہمیں دو مرتبہ مارا اور دو مرتبہ زندہ کیا۔ اب ہم اپنے گناہوں پر قائل ہوئے تو آگ سے نکلنے کی بھی کوئی راہ ہے''

تو یہ دو موتیں کون سی ہیں؟ پہلی موت تو وہ تھی جب ارواح کو موت کی نیند سلا دیا گیا تھا۔ پھر عالم خلق- پھر آدم کا ہیولہ تیار ہوا۔ پھر آدم کی وہ روح جو کہ کولڈ سٹوریج میں تھی۔ جب وہ لا کر پھونکی گئی۔ جسد آدم مسجود نہیں تھا۔ مسجود تو تب ہوا ہے جب اس میں روح آدم لا کر پھونک دی گئی ہے۔

سورہ ص، آیت نمبر 72، 73

ترجمہ: ''پھر جب میں اسے ٹھیک بنالوں اور اس میں اپنی طرف سے روح پھونکو۔ تو تم اس کے لئے سجدے میں گرنا۔ تو سب فرشتوں نے سجدہ کیا۔ ایک ایک نے کہ کوئی

باقی نہ رہا''۔

یہاں سے حیات دنیاوی کا آغاز ہوگیا۔۔پھر موت۔۔یہ دوسری موت ہوئی پہلی موت تو وہ تھی جو ارواح کی موت تھی۔

لیکن جب دوسری موت جب دنیا سے رخصت ہونگے یہاں سے اب سیپریشن ہوجائے گی۔جو تخلیق مادہ زمین سے آیا تھا۔وہ جسد زمین میں گیا۔ختم ہوا گل سڑ گیا۔ جو روح اوپر سے آئی تھی۔وہ عالم بالا میں گئی۔

تو دو موت اور دو زندگیاں ہونگیں۔دو بار مارا۔پہلی موت ارواح کی موت اور دوسری جسد خاکی کے ساتھ-سورہ بقرہ،آیت نمبر 28 میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

كَيْفَ تَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَكُنتُمْ أَمْوَاتًا فَأَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ ثُمَّ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ

ترجمہ:''بھلا تم اللہ کے منکر کیسے ہو سکتے ہو۔حالانکہ تم مردہ تھے اس نے تمہیں زندہ کیا۔پھر تمہیں مارے گا۔پھر زندہ کرے گا۔پھر اس کی طرف پلٹ کر جاؤ گے''۔

چوتھی زندگی ہوگی قیامت کے دن،بعث بعد الموت پھر اس کے بعد ابدی زندگی ہمیشہ ہمیشہ کے لئے۔

پس یہی جو وقفہ ہے موجودہ 60،70،80،90،100 سال کا یہ امتحانی وقفہ ہے ہمیں جانچا جارہا ہے ہمیں پرکھا جارہا ہے۔سورہ الملک،آیت نمبر 2 میں فرمایا:

الَّذِي خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيَاةَ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا

ترجمہ:''اس نے موت اور زندگی کو اس لئے بنایا کہ دیکھوں تم میں سے کون اچھے اعمال کرتا ہے''۔

اس کے بعد آخرت کی زندگی ابدی زندگی کبھی نہ ختم ہونے والی زندگی ہے۔(سورہ العنکبوت،آیت نمبر 64)

وَإِنَّ الدَّارَ الْآخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ

ترجمہ:''اصل زندگی آخرت کی زندگی ہے کاش کہ انہیں معلوم ہوتا''۔

## موجودہ زندگی امتحانی وقفہ ہے۔

### حدیث:

ترجمہ:''مجھے دنیا سے کیا مطلب ہے،میری اور دنیا کی مثال ایسی ہے جیسے ایک سوار ہو جو ایک درخت کے نیچے سایہ حاصل کرنے کے لیے بیٹھے،پھر وہاں سے کوچ کر جائے اور درخت کو اسی جگہ چھوڑ دے''۔(جامع ترمذی)

تو عقلمند وہ ہے جو اس درخت کو اپنی منزل نہیں سمجھتا۔اپنا گھر نہیں سمجھتا۔تھوڑی دیر کا ستانا ہے پھر اپنا راستہ لینا ہے۔اور اپنی منزل کی طرف رواں دواں ہوجانا ہے۔بس اتنا تعلق منزل یاد رہے۔

ہماری حیات دنیا کا ایک ایک لمحہ قیمتی ہے۔کیوں؟ کیونکہ اس میں جو کچھ ہم کمارہے اس کے نتائج ابدی زندگی پر پھیلے ہوئے ملیں گے۔تو گویا یہ جو زندگی ہے یہ گھڑی محشر کی ہے۔یہاں کا ایک ایک لمحہ قیمتی ہے۔

قرآن پاک کا بیان اور یہ جو ہماری گفتگو کا عنوان ہے''متاع الغرور'' عملاً اس کے دو نتیجے نکلتے ہیں۔ایک نتیجہ جو صحیح ہے جو قرآن نکالنا چاہتا ہے،جس کی طرف اسلام راہنمائی کرتا ہے۔ایک ہے منفی نتیجہ جس کی اسلام نفی کرتا ہے۔وہ منفی نتیجہ کیا ہے؟

وہ منفی نتیجہ یہ ہے کہ دنیا دھوکے کی جگہ ہے چھوڑو گھر گرستی کو،دفع کرو،رب سے لو لگالو-یہ شادی کر کے گھر گرستی کا کھیل مول لینا۔کہاں ایک پیٹ کا پالنا،کہاں دس پیٹ کا پالنا ؟اس میں آدمی گم ہو کر رہ جاتا ہے۔لہذا چھوڑو اس جنجال کو پھر یہ تمدن،ہر طرف برائی،دھوکا ہے،فریب ہے جھوٹ ہے چھوڑ دو سب کچھ جاؤ کہیں پہاڑوں کی چوٹی میں ،کہیں غاروں میں،کہیں جنگلوں میں گم ہوجاؤ،اور بس اللہ اللہ کرو۔یہ ہے اس کا منفی نتیجہ جو دنیا میں نکلا ہے بلکہ تمام مذاہب عالم نے نکالا ہے۔

یعنی رہبانیت۔۔۔حضور کریم خاتم النبیین ﷺ نے رہبانیت کی شدومد سے نفی کی ہے۔حضور کریم خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا:

'' لا رہبانیت فی الاسلام''۔اسلام میں کوئی رہبانیت نہیں ہے- (قرطبی الجامع لاحکام القرآن،18:87-فتح الباری،9:111)

مکمل نفی۔۔۔فرمایا گھر بار اختیار کرنا۔یہ میری سنت ہے۔

صحابہ کرامؓ میں ہر طرح کے لوگ تھے۔کچھ درویش صفت لوگ بھی تھے۔جن پر درویشی کا غلبہ ہوگیا تھا۔

حضرت عبداللہ بن عمر بن العاصؓ ۔۔۔۔ بالکل درویش روزانہ روزہ ۔۔ ساری رات عبادت، نہ بیوی سے کوئی سروکار نہ کسی دوسرے سے کوئی سروکار۔ حضور کریم خاتم النبیین ﷺ کو اطلاع ملی بلا لیا۔ جواب طلبی ہوگئی۔ فرمایا'' اے عبداللہ مجھے خبر ملی ہے کہ تم رات بھر کھڑے رہتے ہو۔ دن میں روزہ رکھتے ہو- دیکھو تم پر تمہارے اس جسم کا اور نفس کا بھی حق ہے۔ اسے آرام بھی دو اس کی ضروریات بھی پوری کرو۔ پھر تم پر تمھاری بیوی کا بھی حق ہے- رات کو سوؤ بھی۔ مجھے دیکھو میں رات کو سوتا بھی ہوں ۔نماز بھی پڑھتا ہوں میں روزے بھی رکھتا ہوں ۔ ناغے بھی کرتا ہوں۔ دیکھو زیادہ سے زیادہ ہفتے میں دو دن روزہ رکھا کرو''- بولے ''حضور مجھے تھوڑی سی اور اجازت دے دیں''- ''اچھا ایک دن روزہ ایک دن ناغہ۔ اس سے زیادہ کی اجازت نہیں ہے''-

تین اور صحابہ کرامؓ پر اسی طرح کا کچھ غلبہ ہو گیا تھا- انہوں نے آ کر ازواج مطہرات سے معلوم کیا کہ آپ خاتم النبیین ﷺ رات کو کب کب نماز پڑھتے ہیں؟ کتنی رات آرام کرتے ہیں؟ کتنی رات سوتے ہیں۔؟ ایک ماہ میں کتنے روزے رکھتے ہیں۔ کتنے نوافل پڑھتے ہیں؟ وہاں تو کھلی کتاب تھی۔ ازواج مطہرات نے جو حقیقت تھی وہ صاف صاف بتا دی۔

ان لوگوں کے اندازے کے مطابق یہ تو کم تھا۔ ان کا خیال تھا کہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کو تو ضرورت ہی نہیں ہے آپ خاتم النبیین ﷺ تو معصوم ہیں۔ آپ خاتم النبیین ﷺ سے کوئی گناہ ہوتا ہی نہیں۔ نہ آپ خاتم النبیین ﷺ نے کبھی کوئی گناہ کیا ہے۔ ہم تو خطا کار ہیں۔ ہمارے لئے اتنی عبادت کہاں کافی ہو سکتی ہے؟

ان میں سے ایک صحابی نے عہد کیا "میں کبھی نہیں سوؤں گا۔ رات بھر کھڑا رہوں گا"۔ دوسرے نے کہا "میں ہمیشہ روزہ رکھوں گا۔ کبھی بھی ناغہ نہیں کروں گا"۔ تیسرے نے کہا "میں تو شادی بیاہ کے جنجال میں نہیں پڑوں گا"- حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کو اطلاع مل گئی۔ ان لوگوں کو بلا لیا۔ ڈانٹا اور کہا" آپ لوگوں نے یہ یہ کہا ہے"؟ پھر فرمایا: ''خدا کی قسم میں تم سب سے زیادہ متقی ہوں لیکن میں رات کو سوتا ہوں اور نماز بھی پڑھتا ہوں، روزے بھی رکھتا ہوں اور ناغے بھی کرتا ہوں۔ میں گھر گرستی کی زندگی بسر کرتا ہوں۔ میری بیویاں بھی ہیں- جو میری سنت کو پسند نہیں کرتا اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں"-

یہ احادیث کے حوالے سے منفی طرز عمل سے گریز ہے۔ قرآن پاک سورہ حدید، آیت نمبر 20 میں پانچ الفاظ کے حوالے سے ان دنیا کی زندگی کے کچھ حقائق بیان کئے گئے ہیں۔

اِعلَمُوا اَنَّمَا الحَیٰوۃُ الدُّنیَا لَعِبٌ وَّ لَھوٌ وَّ زِینَۃٌ وَّ تَفَاخُرٌ بَینَکُم وَ تَکَاثُرٌ فِی الاَموَالِ وَ الاَولَادِ

اس آیت پر غور کریں تو حیات دنیاوی کے پانچ ادوار نظر آتے ہیں۔ ابتدائی دور بالکل بچہ۔۔ لَعِبٌ کھیل بس اور کوئی کام نہیں۔

ذرا آگے teen ages میں انسان داخل ہوا تو معصومانہ کھیل نہیں۔ لَھوٌ

تھوڑا آگے چلئے تو انسان پر سب سے زیادہ دھن سوار ہو جاتی ہے بناؤ سنگھار فیشن، لباس ہیر کٹ، ہر شے کے بارے میں۔ زِینَۃٌ

اس سے آگے چلئے تَفَاخُرٌ بَینَکُم اپنی چودھراہٹ پر فخر ہوگا۔ اپنی زندگی پر فخر ہوگا-

لیکن اس کے بعد جب عمر ڈھلی تو انسان بڑا حقیقت پسندانہ (realistic) ہو جاتا ہے۔ اور مال اور اولاد کی کثرت کا ''ہوکا'' لگ جاتا ہے- تَکَاثُرٌ فِی الاَموَالِ وَ الاَولَادِ یعنی ہر حالت میں مال آنا چاہیئے۔

پھر سورہ التکاثر نے اس پر مہر لگا دی اَلھٰکُمُ التَّکَاثُرُ یعنی ''غفلت میں رکھا تم کو بہتات کی کثرت نے''- یہ تکاثر (کثرت) پیچھا نہیں چھوڑتا۔ اتنی دولت ہے کہ آپ کی دس نسلیں اطمینان سے بیٹھ کر کھا سکتی ہیں پھر بھی لالچ ختم نہیں ہوتا۔ ٹانگیں قبر میں جا لٹکی ہیں لیکن تکاثر مال پیچھا نہیں چھوڑتا۔

حَتّٰی زُرتُمُ المَقَابِرَ ''ہاں تک کے قبروں میں جا پہنچے''۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ دنیا کی زندگی تو انو stage سے گزر کر ختم ہو ہی جانی ہے جو پیدا ہوا ہے۔ وہ جوان بھی ہوگا بوڑھا بھی ہو جائے گا اور پھر موت بھی آئے گی- جیسا کہ سورہ العنکبوت، آیت نمبر 57 میں فرمان خداوندی ہے:

کُلُّ نَفسٍ ذَآئِقَۃُ المَوتِ ثُمَّ اِلَینَا تُرجَعُونَ

ترجمہ: ''ہر جان کو موت کا مزہ چکھنا ہے پھر ہماری ہی طرف پھروگے''-

اب ہر انسان جو زندگی گزارتا ہے وہ ان پانچ سٹیجز سے ہر صورت میں گزرے گا۔ تو آخرت میں جا کر یہ علیحدہ ہو جانی ہے۔ یا تو شدید عذاب یا اللہ کی مغفرت اور رضا

Now the choice is on us فیصلہ ہمیں خود کرنا ہے۔

یہاں پر آخری لفظ یہی ہیں کہ دنیا کی زندگی دھوکے کے سوا کچھ نہیں اور دنیا میں گم ہو گئے تو گیا سب کچھ۔

علامہ قبال نے کیا خوب کہا ہے:

کافر کی یہ پہچان کہ آفاق میں گم ہے
مومن کی یہ پہچان کہ گم اس میں ہے آفاق

پس دنیا میں رہو لیکن طالب دنیا نہ بنو، طالب جنت و آخرت رہو۔ دنیا میں رہو، اسے برتو - دنیا تو ہمارے لئے ہی پیدا کی گئی ہے - ''متاع'' ہے، متاع یعنی برتنے کی چیز ہے۔ ہاں حلال اور حرام کا خیال رکھو۔ مطلوب دنیا نہ ہو مطلوب آخرت ہو۔ منزل سامنے رہے۔ کہ میں تو اجنبی ہوں یہاں پر یہ میرا، میرا گھر نہیں۔

اللہ کی مرضی ہے۔ جب تک وہ چاہے گا ہم یہاں رہیں گے ہمارا دل یہاں نہیں لگنا چاہیے۔ کہ میں بازار سے گزرا ہوں خریدار نہیں ہوں۔ اگر ہم طالب دنیا نہ بنیں تو دھوکے کا سودا نہ کریں گے ہاں دنیا کی چیزوں کو پسند کریں۔ لیکن ان چیزوں کو دل میں نہ بسائیں -

سورہ حدید، آیت نمبر 26 اور 27 میں فرمایا:

ترجمہ: ''اور بے شک ہم نے نوح اور ابراہیم کو بھیجا اور ان کی اولاد میں نبوت اور کتاب رکھی تو ان میں کوئی راہ پر آیا۔ اور ان میں بہت سے فاسق ہیں۔ پھر ہم نے ان کے پیچھے اسی راہ پر اپنے اور رسول بھیجے اور ان کے پیچھے عیسیٰ بن مریم کو بھیجا اور اسے انجیل عطا فرمائی اور اس کے پیروں کے دل میں نرمی اور رحمت رکھی اور راہب بننا تو یہ بات انہوں نے دین میں اپنی طرف سے نکالی ہم نے ان پر مقرر نہ کی تھی ہاں یہ بدعت انہوں نے اللہ کی رضا چاہنے کو پیدا کی پھر اسے نہ نبھایا جیسا اس کے نبھانے کا حق تھا تو ان کے ایمان والوں کو ہم نے ان کا ثواب عطا کیا، اور ان میں سے بہت سے فاسق ہیں۔''

حضرت عیسیٰ ابن مریم کو انجیل دی اور جو لوگ ان پر ایمان لائے ان کے دلوں میں رفعت اور رحمت کے جذبات پیدا کر دیئے۔

اللہ کی ذات میں غرق دنیا اور انسانی ہمدردی حضرت عیسیٰؑ کا اپنا مزاج تھا ظاہر بات ہے کہ آپ علیہ السلام کے حوارین اور آپ علیہ السلام پر ایمان لانے والوں میں مدہوشی کا عکس پیدا ہونا تھا۔ مدہوشی ۔۔ اللہ کی ذات میں مگن ۔۔۔ یعنی وہ ایک خاص کیفیت تھی لیکن پھر فرمایا ایک شے کو انہوں نے خاص طور پر خود ایجاد کر لیا یہ ہم نے ان پر فرض نہیں کی تھی۔ رہبانیت یہ تھا منفی نتیجہ کہ دنیا کی ہر چیز سے گریز -

یہ رہبانیت اسلام کا راستہ نہیں ہے۔

اسلام میں ترک دنیا کے معنی ہیں ترک لذات دنیا، آسائشوں کو ترک کرنا، ناانصافی اور ظلم کے خلاف آواز اٹھانا، ارد گرد نگاہ رکھنا۔ خدمت خلق یہاں جہاد کی ضرورت ہے ہر وہ کوشش جو کلمتہ اللہ کو بلند کرنے کے لئے کی جائے جہاد ہے - جہاد ہم نہیں کر سکتے جب تک لذات دنیاوی سے کنارہ کش نہ ہو جائیں گے۔ جب تک اپنی ضروریات زندگی کم نہ کریں - ضروریات زندگی کو کم کریں گے تو وقت بھی فارغ ہو گا۔ وقت کو فارغ کریں گے تو اپنی اصلاح اور ارد گرد کے لوگوں پر نظر پڑے گی پھر محنت اور جہاد کے لئے وقت نکال سکیں گے۔ سورہ حدید، آیت نمبر 25 میں ہے:

لَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا رُسُلَنَا بِالۡبَیِّنٰتِ

ترجمہ: - ''ہم نے اپنے رسولوں کو بھیجا واضح چیزوں کے ساتھ'' (بینہ سے مراد معجزے بھی ہیں)

وَ اَنۡزَلۡنَا مَعَهُمُ الۡكِتٰبَ وَ الۡمِيۡزَانَ

ترجمہ: - ''اور ہم نے ان کے ساتھ کتاب اور عدل کی ترازو اتاردی'' -

یعنی ہم نے ان کے ساتھ کتاب اتاری اور میزان اتاردی کہ لوگ انصاف پر قائم ہوں یہ سب کچھ کس لئے کیا؟

لِيَقُوۡمَ النَّاسُ بِالۡقِسۡطِ

ترجمہ: - ''تاکہ لوگ عدل پر قائم ہوں'' -

یہ ہے soul objsctive ۔۔۔ یہ نہیں کہ کتاب پڑھ لی۔ قرآن ختم کیا۔ دعائے ختم قرآن پڑھ لی۔ دعا مانگ لی اور بس چھٹی۔

**''قائم کرو قرآن کو۔۔۔ میزان عدل نصب کرو'' اس کو سمجھو، اس پر عمل کرو، اس پر عمل کرواؤ۔ اس کے لئے کوشش کرو، اس کے مطابق زندگی بسر کرو۔**

میزان عدل نصب ہونا ہے- ہر ایک کو وہی تل کر ملے جو اس کا حق ہے- ہر ایک سے وہی وصول کیا جائے جو اس کے ذمے واجب ہے۔ اگر کچھ کرنا ہے تو قائم کرو اس قرآن کو، اس کے نظام کو، اس کے قانون کو، اگر کر لیا تو ٹھیک اور اگر نہیں تو بس پھر سب کہانیاں ہیں شریعت، دین، نماز روزہ حج کوئی حیثیت نہیں ان کی۔

قرآن مجید میں ہے حضور کریم خاتم النبیین ﷺ سے کہلوایا گیا ہے: (سورہ المائدہ، آیت نمبر 68)

ترجمہ: ''اے نبی ان سے کہہ دیجئے۔ اے اہل کتاب تمہاری کوئی حیثیت اور کوئی مقام نہیں (ہماری نگاہ میں) جب تک تم قائم نہیں کرتے تورات کو اور انجیل کو اور جو کچھ نازل کیا گیا تمہاری طرف تمہارے رب کی طرف سے۔ اور بے شک اے محبوب جو کچھ تمہاری طرف تمہارے رب کی طرف سے اترا اس میں بہت سوں کو شرارت اور کفر میں ترقی ہوگی۔ اور غم نہ کھاؤ کافروں پر''۔

علم کی حد تک شاید کوئی کتاب۔۔۔۔۔۔ شاید دنیا کی کوئی انقلابی کتاب نہ ہو- جس نے اس قدر کھل کر کہا ہو کہ ظالموں کی سرکوبی کرو- کچلوان کے سروں کو-

سورہ حدید، آیت نمبر 25 میں فرمان الٰہی ہے وَ اَنزَلنَا الحَدِیدَ ''ہم نے لوہا بھی اتارا ہے''-

ایک وقت آتا ہے کہ ظلم ختم نہیں ہوتا جب تک لوہے کی طاقت ہاتھ میں نہ ہو- تو ہم نے صرف کتاب ہی نہیں اتاری لوہا بھی اتارا ہے-

فِیهِ بَاسٌ شَدِیدٌ "اس میں جنگ کی صلاحیت ہے"- وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ "لوگوں کے لئے کچھ اور فائدے بھی ہیں"- لیکن یہ اسلحہ کے لئے ہیں- ''حدید'' اس لئے تو سورہ کا نام حدید ہے-

وَ لِیَعلَمَ اللّٰہُ مَن یَّنصُرُہٗ وَ رُسُلَہٗ بِالغَیبِ "اور اس لئے کہ اللہ دیکھے اس کو جو بے دیکھے اس کی اور اس کے رسولوں کی مدد کرتا ہے"- یعنی اللہ دیکھنا چاہتا ہے کہ اس کے وہ فرمانبردار بندے کون ہیں جو لوہے کی اس طاقت کو ہاتھ میں لے کر مدد کرتے ہیں اس کی اور اس کے رسول کی-

اِنَّ اللّٰہَ قَوِیٌّ عَزِیزٌ "بے شک اللہ قوت والا غالب ہے"- یعنی اللہ قوی ہے آن واحد میں کفر کو ختم کر سکتا ہے- ایک ہی وار میں ظالموں کو ختم کر سکتا ہے۔ لیکن پھر ہماری آزمائش کیسے ہوگی؟ کس کا مقام کیا ہے؟ کس کے پاس کتنا یقین کا سرمایہ ہے؟ کس کے ایمان کی گہرائی کتنی ہے؟ کس نے ہمارے دین کے لیے کون کون سی اور کس کس قسم کی قربانیاں دیں؟ یہ تو ہماری بھی آزمائش کا کورک دھندہ ہے۔ یہ ہے ترک دنیا کا حاصل جو نتیجہ خیز ہے۔

حضرت معصب بن عمیرؓ زمانہ جاہلیت میں بہت امیر تھے۔ کپڑے شام سے سل کر آتے تھے۔ ہر وقت عطر لگے ہوئے رہتے تھے۔ جہاں سے گزرتے گلی مہک جاتی- معلوم ہوا معصب گزرے ہیں۔ والد فوت ہو چکے تھے۔ بے شمار دولت چھوڑی تھی۔۔۔۔۔۔ خاندان کا نظام۔ چچا سربراہ تھا بدترین کافر تھا۔ حضرت مصعب بن عمیرؓ نے اسلام قبول کر لیا۔ بس پھر کیا تھا۔ کافروں میں طوفان کھڑا ہو گیا۔ چچا نے کہا نکل جاؤ گھر سے یہ دولت مشرک باپ کی ہے۔ اٹھ کر چل دیئے۔ چچا نے کہا یہ کپڑے بھی مشرک باپ کے ہیں۔ تمام کپڑے بھی اتار دئے۔ اور برہنا ہو کر گھر سے نکل گئے۔

ایک مرتبہ حضور کریم خاتم النبیین ﷺ مسجد میں تشریف فرما تھے سامنے سے مصعبؓ گذرے پھٹا ہوا کمبل جسم کے گرد لپٹا ہوا تھا۔ حضور کریم خاتم النبیین ﷺ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے فرمایا ''یہ اللہ اور اللہ کے رسول خاتم النبیین ﷺ کا دیوانہ کہاں سے کہاں پہنچ گیا؟''

پھر وہ وقت آیا کہ مدینہ میں لوگوں نے کہا ''حضور کریم خاتم النبیین ﷺ ہمیں قران پڑھانے کے لئے کوئی قاری دیجئے''۔ آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''مصعب جاؤ، مدینہ جاؤ قرآن پڑھاؤ''۔

ایک سال کی محنت، دعوت تبلیغ اور قرآن پڑھانے کے نتیجے میں اگلے ہی سال 75 افراد لا کر حضور کریم خاتم النبیین ﷺ کی جھولی میں ڈال دیئے۔

غزوہ احد میں علم ان کے ہاتھ میں تھا۔ وہ ہاتھ کٹ گیا دوسرے ہاتھ میں تھام لیا۔ پھر وہ کٹ گیا تو دونوں بازوں کے حصوں سے کچھ دیر پکڑا پھر شہید ہو گئے۔ جسم پر ستر کے لئے ایک چادر تھی۔ دفن کرنے لگے تو مسئلہ درپیش ہوا۔ کہا ''حضور کریم خاتم النبیین ﷺ مصعبؓ کی چادر تو اتنی چھوٹی ہے کہ سر ڈھانپتے ہیں تو پیر کھل جاتے ہیں پیر ڈھانپتے ہیں تو سر کھل جاتا ہے''- فرمایا ''سر کو چادر سے ڈھانپ دو اور پیروں پر گھاس ڈال دو''۔ یہ آخری لباس تھا جو آپ کو نصیب ہوا۔

**یہ ترک دنیا ہے اس کے معنی مثبت عمل کے لئے، جہاد کے لئے، قتال کے لئے، اللہ کی رضا کے لئے۔ اللہ کی راہ میں جدوجہد کے لئے اپنے معاشی معاملے کو پیچھے رکھنا۔ کم سے کم رکھنا۔ دنیا کے معاملات کو پیچھے کرتے جانا اور دین کے لئے جدوجہد کو زیادہ سے زیادہ کرتے جانا۔ یہ ہے درحقیقت ترک دنیا۔ نتیجہ خیز ظلم کے استحصال کے لئے حق کا**

**بول بالا کرنے کے لئے، عدل کے نظام کے لئے۔ یہ ہے وہ مثبت نتیجہ جس کی طرف قرآن ہمیں لانا چاہتا ہے۔**

تو خانقاہی نظام میں بھی۔ سلوک محمدی ﷺ جو اصل میں محمد خاتم النبیین ﷺ کا سلوک تھا وہ تصوف تھا۔ وہ ترک دنیا۔ مثبت نتیجہ والی ترک دنیا اس کے لئے فرمایا: (سورہ توبہ، آیت نمبر 24)

ترجمہ: ''اے نبی کہہ دیجئے لوگو تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری عورتیں اور تمہارا کنبہ اور تمہاری کمائی کے مال اور وہ سودا جس کے نقصان کا تمہیں ڈر ہے اور تمہارے پسند کا مکان یہ چیزیں (اگر یہ آٹھ چیزیں) محبوب تر ہیں اللہ سے اور اس کے رسول سے اور اس کی راہ میں جہاد سے۔ تو جاؤ انتظار کرو۔ یہاں تک کہ اللہ اپنا فیصلہ سنا دے''۔

یہ ہے ترک دنیا۔ یہ جو ساری محبتیں ہیں ان کو الگ رکھنا ہے۔ اللہ تعالیٰ اور اللہ کے رسول خاتم النبیین ﷺ کی محبت کو ترجیح دینی ہے۔

اللہ فاسقوں کو ہدایت نہیں دیتا۔ اللہ ہدایت اس کو دیتا ہے جو طالب ہدایت ہو۔ تو ''متاع الغرور'' اس معنی میں کہ دنیا کی کوئی شے اور دنیا کے کسی رشتے کی اور کسی چیز کی محبت ہمارے راستے میں بیڑی بن کر ہمارے پاؤں میں نہ پڑ جائے اگر یہ ہے تو متاع الغرور ہے۔ دھوکہ ہے فریب ہے۔ اگر یہ نہیں ہے تو دنیا برتنے کی چیز ہے اسے برتو۔ یہ دنیا ہی تو کھیتی ہے۔ یہاں جو بوئیں گے وہاں کاٹیں گے۔ یہاں پر ہی تو آخرت کے لئے کوشش کرنی ہے۔ یہاں دنیا میں ہی تو اعمال کرنے ہیں۔ آخرت کے لئے توشہ تیار کرنے کا وقت اس دنیا کا وقت ہی تو ہے۔

اب یہ دونوں پہلو ہمارے سامنے ہیں اور ہمارے سامنے رہنے چاہئیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ سچ اور حق کے لئے ہمارے دلوں کو کھول دے اور صرف ذہنوں کو ہی نہیں دلوں کو کھولے۔ اس لئے کہ دل کھلیں گے تو کوئی تبدیلی آئے گی۔

تو اللہ تعالیٰ دلوں کو کھولے اور اس متاع الغرور کے پھندوں سے ہمیں نکال کر اس کی راہ میں جہاد کرنے اور اصل مقصود و مطلوب آخرت کی زندگی کے حصول کی ہمیں توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

**********

# قرآن پاک کی نظر میں امید کا مستحق کون؟

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اِنَّ الَّذِیۡنَ یَتۡلُوۡنَ کِتٰبَ اللّٰہِ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَ اَنۡفَقُوۡا مِمَّا رَزَقۡنٰہُمۡ سِرًّا وَّ عَلَانِیَۃً یَّرۡجُوۡنَ تِجَارَۃً لَّنۡ تَبُوۡرَ ﴿۲۹﴾ لِیُوَفِّیَہُمۡ اُجُوۡرَہُمۡ وَ یَزِیۡدَہُمۡ مِّنۡ فَضۡلِہٖ ؕ اِنَّہٗ غَفُوۡرٌ شَکُوۡرٌ ﴿۳۰﴾

ترجمہ: ''بے شک جولوگ کتاب اللہ کی تلاوت کرتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں اوراس مال میں سے جوہم نے ان کو دیا ہے۔ظاہرً اور پوشیدہ طور پرخرچ کرتے ہیں۔ان کوایسی تجارت کی امید ہے جوانہیں خسارہ نہیں دے گی، اللہ تعالیٰ ان کو پوراپورا اجردیں گے۔ بلکہ اپنی طرف سے انہیں اورزیادہ دیں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ بخشنے والا اورقدر کرنے والا ہے''۔(سورہ فاطر، آیت نمبر 30-29)

آیت بالا کو پڑھ کرمعلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عمل کوتجارت کے نفع کی امید کا ایک طریقہ بتایا ہے۔آیت سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ امید کا مستحق وہ شخص ہوگا جومذکورہ بالا اعمال بجالائے گا۔آیت مذکورہ میں تین اعمال کا ذکر کیا گیا ہے۔

1۔قرآن پاک کی تلاوت کرتے ہیں2۔نماز ادا کرتے ہیں3۔مال خرچ کرتے ہیں

ان تینوں سے دراصل تمام عبادات کی طرف اشارہ ہے۔عبادات دوقسم کی ہیں۔

1۔مالی عبادت2۔بدنی عبادت

نماز پڑھنے میں اشارہ ہے بدنی عبادت کی طرف، مال خرچ کرنے میں اشارہ ہے مالی عبادت کی طرف۔نیز مالی اور بدنی عبادات کی بھی دوقسمیں ہیں۔

1۔ فرض　2۔ نفل

فرض توقرض ہے وہ مالک کولوٹانا ہی ہے۔یعنی ہرفرض عبادت کا ادا کرنا بے حدضروری ہے۔یہاں پرنفل کو(قرآن پڑھنا نفلی عبادت ہے) عبادت میں اس لیے داخل کیا گیا ہے کیونکہ اکثر ذہنوں میں نفل عبادات کی کوئی حقیقت ہی نہیں ہے۔حالانکہ یہ ایک بہت بڑی غلطی ہے لوگ نوافل کوایک زائداز ضرورت چیز سمجھتے ہیں۔ ہمیں یہ بتایا جاتا ہے کہ نفل وہ عبادت ہے کہ جس کے کرنے میں ثواب ہے اور نہ کرنے میں گناہ نہیں ہے، لوگ سمجھتے ہیں کہ جب یہ بات ہے تونوافل ادا کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ اورنہ ادا کرنے میں کیا حرج ہے، گویا ان کے نزدیک شریعت میں نوافل کا بیان ہی بے کار ہے۔**یادرکھیں نفل ایک عبادت ہے اورمحبت کی ایک بہت بڑی علامت ہے**۔اس کوایک مثال سے سمجھتے ہیں۔

ایک مالک اپنے ہاں دوملازم کھانا پکانے کے لیے رکھتا ہے۔ایک کے ذمہ دوپہر کا کھانا پکانا اورایک کے ذمہ رات کا کھانا پکانا ہوتا ہے۔تنخواہ یا معاوضہ دونوں کا برابر ہوتا ہے اوربس صرف کھانا پکانا ان کی ڈیوٹی ہے۔ان میں سے ایک ملازم دوپہر کا کھانا پکاتا ہے اور چلا جاتا ہے، جبکہ رات کا ملازم کھانا پکانے کے بعد باورچی خانے کو بھی صاف کرتا ہے، مالک کے لیے دسترخوان بھی لگاتا ہے، برتن بھی رکھتا ہے، اب دیکھئے کہ دونوں ملازموں میں فرق ہوگیا، مالک کے دل میں دوسرے ملازم کی قدر پہلے ملازم سے زیادہ ہوگی تو ملازم کوجس کام کے لیے رکھا جاتا ہے وہ تو اس کو کرنا ہی ہوتا ہے، اگر دوسرے ملازم کوآقا سے محبت نہ ہوتی تو وہ زیادہ کام کیوں کرتا؟ یادرہے کہ محبت اورخلوص کا نتیجہ دوسرے فریق کی طرف سے بھی محبت اورخلوص ہی ہوا کرتا ہے، یہی وجہ ہے کہ دوسرا ملازم آقا کا محبوب ہوگا اور پہلا ملازم صرف ملازم ہوگا۔

اب جوشخص احکام شرعی میں صرف فرائض ادا کرے، مثلاً صرف پانچ وقت کی نماز ادا کرے(صرف فرض) واجب زکوٰۃ ادا کرے، نفلی خیرات نہ کرے تو اس کے بارے میں کبھی نہیں کہا جائے گا کہ اسے اللہ تعالیٰ سے محبت ہے، کیونکہ وہ توصرف اپنا قرض اتارنے والا ہے۔ہم یہ کیوں کہہ رہے ہیں کہ فرض قرض ہے۔وہ اس لیے کہ ایک مرتبہ قبیلہ جہینہ کی ایک عورت نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کہا" میری والدہ نے حج کی منت مانی تھی لیکن وہ حج نہ کرسکیں اوران کا انتقال ہوگیا تو کیا میں ان کی طرف سے حج کرسکتی ہوں"؟ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا" ہاں ان کی طرف سے توحج کر۔کیا تمہاری ماں پرقرض ہوتا توتم اسے ادا نہ کرتیں؟ اللہ تعالیٰ کا قرضہ تواس کا سب سے زیادہ مستحق ہے کہ اسے پورا کیا جائے۔پس اللہ تعالیٰ کا قرض ادا کرنا بہت ضروری ہے"۔(صحیح بخاری، حدیث نمبر 1852)

اس لیے فرض قرض ہوا اس لیے اللہ تعالیٰ سے محبت کی علامت اس کے سوا کچھ نہیں کہ آدمی نفلی عبادت کی کثرت کرے۔

شریعت فرائض کی پابندی کا نام ہے اور طریقت نوافل کی زیادتی کا نام۔ فرائض کی ادائیگی سے انسان اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرتا ہے اور نوافل کی ادائیگی سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوتا ہے۔ تو نفل علامت ہیں محبت کی یعنی اللہ تعالیٰ کی محبت حاصل کرنے کے لیے نفل بے حد ضروری ہیں۔ ہاں نفل اور فرض کا درجہ اس لیے قائم کیا گیا ہے کہ اگر کہیں دونوں میں اہمیت کا مسئلہ آ پڑے تو فرض کے مقابلے میں نفل کو ترک کر دیں۔ مثلاً اگر فجر کی نماز میں صرف اتنا وقت رہ گیا ہے کہ صرف فرض ہی پڑھے جا سکتے ہیں تو ایسی صورت میں صرف فرض ادا کر لیں، تاکہ قضا کے گناہ سے بچ سکیں۔ اس سے کوئی یہ مطلب نہ نکالے کہ سنت کا کوئی مقام نہیں۔ فجر کی سنت تو وہ چیز ہے کہ جس کے لیے نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا کہ ''اگر گھوڑے بھی تم پر اتر جائیں تب بھی اس کو مت چھوڑو'' (یعنی اگر جنگ ہو رہی ہو)۔ اور نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا کہ ''منافق پر فجر اور عشاء بھاری ہوتی ہے''۔ (صحیح بخاری، حدیث نمبر 657)

اب نفل میں سب سے افضل تلاوت قرآن پاک ہے۔ اب مندرجہ بالا آیات سب سے پہلے نفل عبادت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور تلاوت کو اس لیے خاص کیا کہ نوافل میں تلاوت قرآن پاک سب سے زیادہ مرتبے کی چیز ہے۔ ویسے بھی طبعی طور پر ہر ایک کو اپنے کلام سے محبت ہوتی ہے اور اپنا کلام دوسروں کو محبت اور خلوص کے ساتھ پڑھتے دیکھ کر کتنی خوشی ہوتی ہے۔ حق تعالیٰ ہم جیسے (انسانوں کے لیے) تاثرات سے تو مبرا ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی بے حساب رحمت سے ہمارے ساتھ ہماری طبیعت کے مطابق معاملہ فرماتا ہے جس طرح ہماری لکھی ہوئی کتاب کو کوئی دوسرا پڑھے تو ہمیں اس سے محبت ہو جاتی ہے۔ یہی معاملہ قرآن پاک پڑھتے وقت اللہ اور بندے کا ہوتا ہے۔ پس جس شخص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو محبت ہو جائے اس کی عظمت کا تو کیا ہی کہنا؟۔

پس معلوم ہوا کہ تلاوت قرآن پاک اتنی بڑی دولت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہم کلامی ہے۔ جس شخص کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہم کلامی کی دولت مل جائے اس کا تو کیا ہی کہنا ہے۔ دیکھئے کسی بھی سربراہ مملکت سے ملاقات کے لیے، سفر، وقت، پیسہ، تکالیف سب کچھ برداشت کرنا پڑتا ہے۔ اس کے برعکس تمام کائنات کے مالک سے ملاقات کے لیے صرف کتاب اللہ کا پڑھنا اور ملاقات شروع۔ پھر دنیا کے سربراہ کے سامنے ذرا سی غلطی ہو جائے، کوتاہی ہو جائے، بے ادبی ہو جائے، نتیجہ ناخوش گواری۔ کلام الٰہی کو اٹک اٹک کر اگر تکلیف سے پڑھ رہے ہیں تو مجاہدے کا ثواب دیا جاتا ہے۔ مجاہدہ نام ہے محنت کا، تکلیف اور مشقت برداشت کرنے کا۔ **یاد رہے کہ روز محشر، نامہ اعمال کے تلتے وقت جو عبادت، کرنے میں جتنی تکلیف سے کی جائے گی وزن میں اتنی ہی بھاری ہوگی۔** قرآن پاک کے ایک حرف کی تلاوت سے دس نیکیاں ملتی ہیں۔ آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا'' میں یہ نہیں کہتا کہ الم پڑھنا ایک نیکی ہے بلکہ الف ایک نیکی ہے، لام ایک اور م ایک، تین حرف ہوئے اور ثواب 30 نیکیاں ہو گئیں''۔ (مشکوۃ)

آج کل تعلیم یافتہ طبقہ بچوں کو جدید تعلیم تو دلواتا ہے لیکن قرآن پاک کی تعلیم کو یہ کہہ کر بہانہ بنا لیتے ہیں کہ طوطے کی طرح پڑھنے سے کیا فائدہ؟، پڑھنا ہے تو سمجھ کر پڑھنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ ہم پر رحم کرے ہم کہتے ہیں کہ فائدہ کسے کہتے ہیں؟ کیا سارا فائدہ سمجھنے میں ہے؟ ہرگز نہیں۔ سمجھنا بھی ایک فائدہ ہے اور قرآن پاک کے مصنف کو خوش کرنا بھی ایک فائدہ ہے۔ بلکہ اگر ہم غور کریں تو سمجھنے کا آخیری انعام بھی مصنف کو خوش کرنا ہی ہوتا ہے۔ کیونکہ ہم اطاعت کے لیے ہی قرآن پاک کو پڑھتے ہیں اور رب کی کہی ہوئی باتوں پر عمل کرنے کے لیے قرآن پاک کو سمجھتے ہیں۔ اور اطاعت سے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے علاوہ کوئی اور مقصد نہیں ہوتا۔ جو لوگ کہتے ہیں کہ طوطے کی طرح پڑھنے سے کیا فائدہ؟ ان سے پوچھا جائے کہ سمجھ کر پڑھنے سے کیا فائدہ ہوتا ہے؟ تو جواب آئے گا کہ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا۔ اس بات سے کوئی یہ مطلب نہ نکال لے کہ سمجھ کر پڑھنا بے کار ہے۔ سمجھ کر پڑھنے میں تو ایک خاص رغبت اللہ تعالیٰ سے ظاہر ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ایک ایک حکم کی پیروی سمجھ کر اور جان کر کرتا ہے۔ یہاں کہنے کا مطلب یہ ہے کہ کتاب الٰہی ایک ایسی کتاب ہے کہ صرف پڑھنے سے ہی مصنف راضی ہو جاتا ہے۔ اس کا علم حاصل کرنا فرض عین نہیں ہے۔ بلکہ فرض کفایہ ہے۔ فرض عین وہ فرض ہوتا ہے جو سب پر فرض ہو جیسے نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ۔ اور فرض کفایہ وہ فرض ہے جو امت میں سے کچھ لوگ ادا کر دیں تو ہر ایک کے سر سے اتر جاتا ہے۔ جیسے علماء کا وجود، اعتکاف، نماز جنازہ، وغیرہ۔ ہم لوگ بندر کی طرح مغربی دنیا کی نقل کو باعث فخر سمجھتے ہیں، ہم نے دین کو بہت ہی پیچھے رکھ دیا ہے، بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ پیچھے پھینک دیا ہے۔

مغربی دنیا کے نزدیک اپنے دین کی اتنی قدر ہے کہ اپنے باطل مذہب کی اشاعت کے لیے وہ کتنی کوششیں کرتے ہیں یہ لوگ اپنے دونوں ہاتھوں سے سرمایہ پادریوں پر لٹاتے ہیں۔ دوسری طرف ہم اپنے مولویوں کی مدد کرنا تو ایک طرف ان کی طرف توجہ بھی نہیں دیتے۔ ہمارے ہاں سب سے زیادہ بدحال ہمارے وہ مولوی ہیں جو پانچ وقت ہمیں نماز پڑھاتے ہیں۔ ہماری اکثریت دولت طلب ہوگئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے کو بھی جب ہی مفید، سمجھا جاتا ہے جب ہماری ہر دعا قبول ہوتی رہے۔ ایک بڑے عہدے دار بے نمازی تھے، ان کی بیوی بڑی نمازی تھی ایک دن انہوں نے بیوی سے کہا'' اتنے دنوں سے نمازیں پڑھتی ہے کیا فائدہ ہوا؟ کونسی

دولت مل گئی؟ کونسا خزانہ تیرے ہاتھ آ گیا''۔ گویا فائدہ صرف دولت اور پیسے کا نام ہے۔ مال کے بغیر کسی فائدے کو آج کل فائدہ ہی نہیں سمجھا جاتا۔ گویا ہم اللہ تعالیٰ سے صرف مال ہی کے واسطے سے تعلق رکھنا چاہتے ہیں۔ حالانکہ ہمارا تعلق اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسا ہونا چاہیے جو اور کسی کے ساتھ نہ ہو۔ محبت، عقیدت، عظمت اور اخلاص والا تعلق۔ یقین کریں حق تعالیٰ بہت کچھ دیں گے، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ لہٰذا بندے کو بندہ ہونے کے ناطے سے لالچی نہیں ہونا چاہیے۔ دراصل اللہ تعالیٰ کی قدر ہی نہیں ہے ورنہ اس ذات کا نام لینے کو ہی باعث فخر اور باعث قسمت سمجھتے۔

تلاوت قرآن پاک اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہم کلامی ہے۔ کچھ لے کر بھی کلام میسر آتا ہے تو ضروری ہوتا۔ اور اللہ تعالیٰ کا ہم پر احسان ہوتا اور کہاں یہ کہنا کہ کیا مل گیا؟ تو ایک حرف پر 10 نیکیاں اور ہر نیکی دوچند کر دی جائے گی یعنی ایک کے بدلے میں دس تو ہر ایک کے لیے لازمی، اور یہ اللہ تعالیٰ کی مرضی ہے کہ کسی کو ایک کے بدلے میں 50، کسی کے لیے ایک کے بدلے میں ایک ہزار اور کسی کو ایک ایک لاکھ عطا کرے۔ یہ بندے کے اخلاص اور محبت پر منحصر ہے۔

اب ہم دوبارہ سورہ فاطر کی ان آیات کا ترجمہ کرتے ہیں۔

ترجمہ: ''بے شک جو لوگ کتاب اللہ کی تلاوت کرتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں اور اس مال میں سے جو ہم نے ان کو دیا ہے۔ ظاہراً اور پوشیدہ طور پر خرچ کرتے ہیں۔ ان کو ایسی تجارت کی امید ہے جو انہیں خسارہ نہیں دے گی، اللہ تعالیٰ ان کو پورا پورا اجر دیں گے۔ بلکہ اپنی طرف سے انہیں اور زیادہ دیں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ بخشنے والا اور قدر کرنے والا ہے۔''

تھوڑا سا غور کریں تو ایک خاص چیز اس آیت میں ہے۔ ''ان کو ایک ایسی تجارت کی امید ہے جو کبھی خسارہ نہ دے گی'' یہ بات لوگوں کو ایک خاص قسم کی غلط فہمی میں مبتلا کر دیتی ہے۔ غلطی یہ ہے کہ ہم کم و بیش ہر ایک کی زبان سے یہ کلمہ سنتے ہیں اور یہ بات درست بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ہمیشہ اچھی امید رکھنی چاہیے۔ یہ بات ہمارے عقائد میں شامل ہے کہ امید نہ رکھنے والا کافر ہے۔ بس امید کے معنی اور مفہوم کو سمجھنے میں مسلمانوں نے اتنی بڑی غلطی کی ہے کہ اس کو دیکھ کر کہا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو ہدایت دے۔ امید کا غلط مطلب نکال لینے سے ہم میں دلیری آ گئی ہے۔ اتنی دلیری کہ اکثر مسلمانوں کو نہ فسق و فجور کا خوف رہا اور نہ رشوت اور سود کا ڈر رہا۔ اور نہ ظلم ستم کا احساس۔ زمانہ کچھ ایسا آ گیا ہے کہ برے کام کو برا سمجھنا ہی چھوڑ دیا ہے۔ کسی خیر خواہ نے ٹوک دیا۔ یا ضمیر میں کوئی خلش ہو تو جواب میں بے اختیار کہہ دیتے ہیں ''اللہ غفورُ الرحیم ہے''۔ پوچھا جائے ''اللہ تعالیٰ کا غفورُ الرحیم ہونا کہاں سے معلوم ہوا''؟ تو فوراً جواب آئے گا ''قرآن پاک سے''۔ مگر یہ تو دیکھیں کہ جس آیت میں اللہ تعالیٰ کا غفور رحیم ہونا ثابت ہے اس میں کوئی قید ہے یا نہیں ہے۔ اب اگر قید نہیں ہے تو یہ حکم عام ہوا تو مسلمانوں کا کیا کہنا۔ کافر اور مشرکین بھی چھوٹ گئے۔ اب وہ کفر و شرک جو چاہے کریں کیونکہ اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔ مسلمان اس کے جواب میں کہیں گے کہ کفار اور مشرکین کے لیے نہیں اللہ تعالیٰ صرف مسلمانوں کے لیے غفور رحیم ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ یہ بشارت اتنی عام نہیں ہے، جتنا ہم مسلمانوں نے اپنی لاعلمی کی وجہ سے سمجھ لی ہے۔ اگر ایسا ہو تو اعمال کی بنیاد ہی ختم ہو جاتی ہے۔ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ کی کوئی ضرورت ہی نہ رہے۔ قرآن پاک میں کوئی ایسی جگہ نہیں جہاں مسلمانوں کے لیے کسی قید کے بغیر امید اور آس کا ذکر ہو۔ جو لوگ قرآن پاک میں غور کرتے ہیں وہ نوٹ کریں کہ جس جس آیت میں غفور رحیم آیا ہے اس میں اللہ تعالیٰ نے کچھ پابندیاں اور کچھ کام کرنے کے لیے کہا اور بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کس کے لیے غفورُ رحیم ہے؟۔ یعنی غفورُ رحیم ہونا مشروط ہے۔ ہماری یہ غلطی صرف شرعی ہی نہیں ہے عقلی بھی ہے۔ ہم نے دین کی ناسمجھی کی وجہ سے قاعدے اور قانون کو الٹ دیا ہے۔ دنیا کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا ''اے نبی خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم ہم آپ سے روزی کموانا نہیں چاہتے روزی تو ہم آپ کو دیں گے'' ایک جگہ یہ کہا گیا کہ مقدر کی روزی انسان کو اس طرح پہنچ کر رہتی ہے جس طرح مقدر کی موت پہنچ کر رہتی ہے''۔ پھر اللہ تعالیٰ کیا چاہتے ہیں، اس کے لیے فرمان الٰہی ہے

وَمَاخَلَقْتُ الجِنَّ وَالاْنْسَ اِلاَّ لِیَعْبُدُوْن ((سورۃ الذاریات 51:56)

ترجمہ: ''ہم نے جن اور انس کو صرف اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا''

ایک اور جگہ فرمایا:

الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْت والْحَیَاۃَ لِیَبْلُوَ کُم ایکُمْ اَحْسَنُ عَمَلاً (سورۃ الملک 67:2)

ترجمہ: ''میں نے موت اور زندگی کو صرف اس لیے بنایا کہ میں دیکھ سکوں کہ تم میں سے کون اچھے عمل کرتا ہے''۔ گویا اللہ تعالیٰ نے ہمیں عبادت اور اچھے اعمال کے لیے پیدا فرمایا:

آخرت کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں سورۃ البقرہ آیت نمبر 286 میں فرمایا ''کہ انسان کے لیے وہی کچھ ہے جو کچھ کہ اس نے کمایا'' ایک اور جگہ سورۃ الحشر آیت نمبر 18 میں فرمایا'' جلد ہی انسان دیکھ لے گا کہ اس نے کل کے لیے کیا بھیج رکھا ہے'' اب دیکھئے ہم نے اپنی من مانی کر کے معاملے کو کتنا الٹ دیا ہے۔ آخرت کی بجائے دنیا کو کمانے کا ذریعہ بنا لیا اور آخرت کے معاملے میں امید لگا لی کہ اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ غفورُ رحیم ہے تو پھر دنیا کے معاملے میں کوشش کیوں کی جاتی؟ کہ پہلے خوب محنت کی جاتی ہے اور پھر دعا کی جاتی ہے، کبھی نہیں دیکھا گیا کہ کوئی آدمی نہ ہل چلائے، نہ بیج ڈالے، نہ پانی دے اور امید لگا کر بیٹھ جائے کہ رب غفورُ رحیم ہے۔ فصل خود بخود اُگ کر تیار ہو جائے گی یہاں پر تو تمام تدابیر کی جاتی ہیں اور پھر امید لگائی جاتی ہے۔ محنت، مشقت، عمل کے بعد امید کی'' اب اللہ تعالیٰ کرم کرنا کہ تو غفورُ رحیم ہے''۔ اب کہا جائے گا یہ ٹھیک طریقہ ہے، عقل یہ کہتی ہے کہ جس درجے کی امید ہو اسی درجے کی کوشش کرنی چاہیے، جتنا زیادہ اجر درکار ہو گا اتنا زیادہ کام بھی کرنا پڑے گا (اس اصول کے تحت، دنیاوی اجر کا موازنہ کریں اور دیکھیں دونوں میں مقدار ہی کا فرق نہیں، فانی اور باقی کا فرق بھی ہے)۔

دنیا کے سارے کام ساری مصروفیات چھوڑ کر ایک دن رخصت ہو جانا ہے۔ ہمیشہ کی زندگی دوسرے جہان میں گزارنی ہے۔ اس لحاظ سے دنیا اور آخرت میں کوئی نسبت ہو ہی نہیں سکتی۔ پھر دونوں کی طلب میں بھی فرق ہونا چاہیے۔ یعنی آخرت کی امید کے لیے زندگی بھر کی کوشش نہ کافی سمجھی جائے۔

مغرب کی تعلیم اور مغرب کی نقالی کی وجہ سے ہم نے اپنی عقل سے کام لینا بالکل چھوڑ دیا ہے۔ سارے اسباق میں سے صرف ایک امید کا سبق یاد کر لیا ہے۔

ایک ڈپٹی کمشنر تھے ایک دن انہوں نے ایک اللہ والے سے کہا'' حضور مجھے اللہ تک پہنچنے کے لیے کوئی آسان سا راستہ بتا دیجئے''۔ اللہ والے نے کہا'' برخودار کیا کام کرتے ہو''؟۔ انہوں نے جواب دیا'' میں ڈپٹی کمشنر ہوں''۔ اللہ والے نے کہا'' ڈپٹی کمشنر کے عہدے تک پہنچنے کے لیے آپ کو کتنے عرصے تک محنت کرنی پڑی'' ؟۔ ڈپٹی کمشنر نے جواب دیا'' سولہ سال پڑھائی کی اور اس کے بعد والے سالوں میں بے حد محنت کی۔ بے شمار امتحانات دیئے تب جا کر یہاں پہنچا ہوں''۔ اللہ والے نے کہا'' ڈپٹی کمشنر کے عہدے تک پہنچنے کے لیے 20 سال کا عرصہ لگایا ہے، بے حد محنت کی اور بے شمار امتحانات دے ڈالے اور اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کے لیے سہل سا طریقہ معلوم کرنا چاہتے ہیں'' ؟؟ تو یہی حالت ہماری ہے۔ قرآن پاک کی تمام تر تعلیمات میں سے صرف'' امید'' کی تعلیم ہمیں پسند آئی ہے۔ مگر ہماری پسند سے کیا ہوتا ہے؟ اس سے احکام الٰہی کی حقیقت تو نہیں بدل سکتی۔ مرنے کے بعد معلوم ہو جائے گا کہ کن غلطیوں میں عمر گزری؟ تو دنیا ہی میں کیوں نہ اس غلطی کو دور کر لیا جائے۔ دوسری غلطی یہ ہوتی ہے کہ تھوڑی سی عبادت کر کے اپنے آپ کو ولی سمجھنے لگتے ہیں۔ تصوف کی اصطلاح میں اسے'' عُجب'' کہتے ہیں۔ تکبر اور عُجب میں یہ فرق ہوتا ہے کہ تکبر میں انسان اپنے آپ کو بڑا اور دوسرے کو اپنے سے کم تر سمجھتا ہے (حقیر)۔ جبکہ عُجب میں انسان دوسرے کو کم تر نہیں جانتا لیکن اپنے آپ کو کچھ سمجھتا ہے۔ یعنی دوسرے سے بہتر سمجھتا ہے۔ اسے'' خود بینی'' بھی کہتے ہیں۔ **یاد رہے کہ خود بین بندہ خدا بین نہیں ہوا کرتا۔ جس نے اپنے آپ کو کچھ سمجھا اس نے خدا کو نہیں سمجھا۔ خدا کو سمجھنے والا بندہ اپنی ذات کی نفی کر دیتا ہے۔ یعنی وہ جان جاتا ہے کہ ''میں کچھ نہیں ہوں''** شیطان اسی عجب کی وجہ سے ملعون ہوا تھا۔ ورنہ اس کی عبادت و ریاضت کسی سے چھپی ڈھکی نہ تھی۔ مگر عربی کی ایک کہاوت ہے کہ:۔

ترجمہ:'' ہمارا تو یہ حال ہے کہ دو دن نماز کی پابندی کر لیں تو وحی اترنے کا انتظار کرنے لگتے ہیں اور چار دن کے بعد اللہ تعالیٰ سے ملاقات کے متمنی ہو جاتے ہیں (تمنا کرنے لگتے ہیں)''

ایسی امید بس آخرت کے بارے میں رکھتے ہیں دنیا کے بارے میں کبھی بھی اسطرح کی امید نہیں باندھتے۔ دنیا میں تو کسی چیز کا پھل لینے کے لیے جان توڑ کوشش کرتے ہیں پھر اس سے فضل کی امید کرتے ہیں۔ نفس اور شیطان کا کتنا بڑا دھوکا ہے کہ'' امید'' کے ساتھ دنیا کا نام لگے تو اس میں کچھ شرائط ہوں اور آخرت کا نام لگے تو اس میں کوئی شرط کوئی قید نہ ہو۔ ہم ایسے معصوم اور بھولے بن گئے ہیں کہ ہمیں یہ سمجھ نہیں آتا کہ نری باتوں، خالی آرزوؤں اور موہوم امیدوں سے بھی کہیں کام چلتا ہے؟

جونہی موت آئے گی، نفس اور شیطان دونوں دامن جھاڑ کر دور جا کھڑے ہوں گے اور کہیں گے کہ سچی بات تو اللہ ہی کی تھی ہم نے جو وعدے کئے تھے وہ جھوٹے تھے۔ شیطان بھاگتا ہوا کہے گا آج میں وعدہ خلافی کر رہا ہوں، جو میرا کرنا ہے کر لو۔ کس قدر حسرت اور یاس کا وقت ہو گا۔ اس لیے اس بُرے وقت سے پہلے ہمیں ہوش میں آ جانا چاہیے۔ اس خوش فہمی میں نہیں رہنا چاہیے کہ کچھ کریں یا نہ کریں۔ بخش دیئے جائیں گے۔ نماز، روزہ، اور احکامات الٰہی کی پیروی کئے بغیر اللہ تعالیٰ سے امید رکھتے ہیں کہ وہ غفور رحیم ہے ایسے ہی بخش دے گا تو یہ غلط امید ہے اور عنقریب غلطی کھل جائے گی۔ یاد رکھیں۔ قرآن پاک میں جہاں بھی اللہ تعالیٰ کی ''غفور رحیم'' کی آیت ہے یعنی جس آیات کے آخر میں اس کا غفور رحیم ہونا آیا ہے۔ تو اس سے پہلے آیت جہاں سے شروع ہو رہی ہے وہاں دیکھئے کہ وہاں بتایا گیا ہے کہ کس کے لیے غفور رحیم اور کس کے

لیے غفور شکور ہے۔اب آیت کو پھر دہراتے ہیں۔

ترجمہ:''بے شک جولوگ کتاب اللہ کی تلاوت کرتے ہیں،نماز قائم کرتے ہیں اوراس مال میں سے جوہم نے ان کو دیا ہے۔ظاہرً اور پوشیدہ طور پرخرچ کرتے ہیں۔ان کوایسی تجارت کی امید ہے جوانہیں خسارہ نہیں دے گی،اللہ تعالیٰ ان کو پوراپورا اجر دیں گے۔بلکہ اپنی طرف سے انہیں اورزیادہ دیں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ بخشنے والا اورقدر کرنے والا ہے''۔اس لیے ہمیں عمل کی کوشش کے بعد اللہ تعالیٰ سے اچھی امید رکھنی چاہیے،لیکن اس کے باوجود ''ریا''(دکھلاوا)اورتکبر کو پاس نہیں آنے دینا چاہیے۔اس لیے کہ ہماری کوشش کے بعد جونتیجہ آتا ہے وہ بھی فضل خداوندی سے ہوتا ہے دیکھئے اللہ تعالیٰ ایک کام کے متعلق جو بظاہر ہمارے اختیار میں معلوم ہوتا ہے فرماتے ہیں''اپنے بیج بونے کوتوتونے دیکھ لیا،مگر یہ نہ سوچا کہ اس کوتم اگاتے ہو یا ہم''ظاہر کی نظر میں توکھیتی کا تیار ہونا اورغلہ کا حاصل ہونا انسان کا ایک ظاہری فعل ہے۔مگر اس پرحق تعالیٰ کا یہ سوال۔''اس کھیت کوتم تیار کرتے ہو یا ہم''ظاہر'' ہے ہم نے توبیج ڈالا،پانی دیا،بیج ڈال کراوپر سے زمین میں پانی دینے سے تومطلب یہ ہوا کہ کیچڑ میں بیج چلا گیا۔اب دیکھئے اس پانی اورمٹی سے کیا ہوتا ہے؟۔اللہ تعالیٰ ہی اپنی قدرت سے زمین کو پھاڑ کراس میں سے ننھی سی کونپل کو باہر نکالتا ہے اور پھراس کو بڑھاتا ہے یہاں تک کہ وہ پھل دینے کے قابل ہوجاتا ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ اپنے کسی بھی کام کوحسب توقع دیکھ کراس کی نسبت اپنی طرف کرنا ٹھیک نہیں ہے۔ہم نے توصرف آلات کا استعمال کیا ہے۔جبکہ آلات کواستعمال کرنے کی سمجھ،عقل اورفہم بھی تواسی کی عطا کی ہوئی ہے۔اس لیے جب بھی کچھ اچھا ہوتا ہے تومالک کائنات کی نظر کرم سے اور جب برا ہوتا ہے تو ہماری بداعمالیوں کی وجہ سے ہوتا ہے۔

اب حق تعالیٰ کے ساتھ ہمیں اپنا برتاؤ اورحق تعالیٰ کی ہم پرنظر کرم کو دیکھئے۔جن کاموں پراس نے ہم سے اجروثواب کا وعدہ کیا ہے ان کو ہم کہاں تک پورا کرتے ہیں حالانکہ ان کاموں کوہم اگرکریں گے تواس میں ہمارا ہی فائدہ ہے۔ہماری اس عبادت اوران نیک کاموں کی اللہ تعالیٰ کوضرورت نہیں ہے جیسے کوئی کہے''بھئی اللہ کو ہماری نمازوں کی ضرورت نہیں''تواس کو سمجھ لینا چاہیے کہ بے شک اللہ تعالیٰ کو ہماری نماوزں کی ضرورت نہیں،ہماری نمازوں کی توہمیں خودضرورت ہے۔ہم اللہ تعالیٰ کے احکامات کوکہاں تک پورا کرتے ہیں؟ہم ہرگز پورانہیں کرتے اورمزدوری پوری بلکہ پوری سے زیادہ لگا رکھی ہے اوراس کا نام''امید''رکھ دیا جائے اورستم بالائے ستم یقین کرلیا ہے کہ یہی وہ امید ہے جس کی نسبت حدیث پاک میں آیا ہے کہ''ایمان،امیداورخوف کے درمیان ہے''اورجس کے بارے میں واردہوا ہے کہ''ناامیدی کفراور شیطان کا کام ہے''حق تعالیٰ نے اس آیت میں جس سے زیرنظر مضمون کا آغاز ہوا ہے۔اس غلطی پرتنبیہہ فرمادی ہے اور''اجر کوعمل پرمرتب فرمایا ہے''یعنی کہ جولوگ تلاوت قرآن پاک کریں گے اورنماز قائم کریں گے اوراس مال میں سے جواللہ تعالیٰ نے انہیں دیا ہے ظاہرً اور پوشیدہ طور پرخرچ کریں گے ان کوایسی تجارت کی امید ہے جوانہیں خسارہ نہیں دے گی یعنی ایسے ہی لوگ آخرت میں مال ومال ہوں گے۔

حق کا سرمایہ مہنگا ہے اور وہ سرمایہ جنت ہے-پس جنت کی امید سے پہلے جنت کی قیمت بھی دیکھ لیں۔تواتنی بڑی چیز کے لیے جس کی قیمت تمام دنیا بھی نہیں دے سکتی یہ تھوڑے سے گنے چنے اعمال چیز ہی کیا ہیں؟لیکن کوئی یہ نہ سمجھے کہ اگر یہ اعمال کچھ نہیں تو پھرعمل کی ضرورت ہی کیا ہے؟۔یادرکھیئے کہ دروازہ اس کے لیے کھلتا ہے جودستک دیتا رہتا۔اورمنزل پروہی پہنچتا ہے جواپنی قوت اوراستطاعت کے بل پرمنزل کی جانب قدم اٹھانا شروع کردیتا ہے۔تلاوت قرآن حق تعالیٰ کے ساتھ ہمکلامی ہے۔ہمکلامی کی اجازت کچھ پاس سے دے کربھی مل جائے توعنایت خداوندی ہوتی۔نہ کہ لوگ پوچھتے ہیں کہ کیا ملے گا؟کیا فائدہ ہوگا۔ملنے کی بھی سن لیجئے، حدیث شریف میں آیا ہے کہ ایک حرف پرایک نیکی اور ہرنیکی دوچندکردی جائے گی۔یعنی ایک کے بدلے 10۔۔۔دس۔۔۔کتنا بڑا فائدہ ہے چھوٹی سے چھوٹی سورت پر اتنا ثواب ملے گا کہ اٹھائے نہ اٹھے گا۔شاید کوئی ستم ظریف اس دنیا میں یہ بھی کہہ دے کہ نیکی لے کرکیا کریں گے؟نیکی کرنے سے کیا فائدہ ہوگا؟کیونکہ فائدہ توآج کل روپے،پیسے ہی کا جانا جاتا ہے۔یادرکھیں کہ نیکی کا سکہ وہاں چلے گا جہاں روپے پیسے کا سکہ کام نہ آئے گا۔ایک ایک نیکی کی محرومی سے جنت میں اٹک اٹک جائیں گے۔

ایک روایت میں آیا ہے کہ ایک شخص کی نیکیاں اور بدیاں برابر ہوں گی اب اسے جنت میں جانے کے لیے صرف ایک نیکی کی ضرورت ہوگی وہ شخص پورے میدان حشر میں ایک نیکی کی درخواست ہرایک سے کرے گا۔وہ اپنے ہررشتہ دار،بیوی،بیٹی،بیٹا،بھائی،بہن،ماں غرض کے ہرایک کے پاس جائے گا لیکن اس دن نیکی ہی کی ضرورت ہر ایک کو ہوگی۔اس لیے ہرجگہ اسے مایوسی کا منہ دیکھنا پڑے گا۔پھرایک شخص ایسا وہاں پر ہوگا جس کے پاس صرف ایک ہی نیکی ہوگی وہ کہے گا''میرے پاس صرف ایک ہی نیکی ہے مجھے تو ویسے بھی دوزخ میں ہی جانا ہے یہ نیکی میں تمہیں دے دیتا ہوں''اس کے جواب پرحق تعالیٰ کی رحمت جوش مارے گی اوران دونوں کو جنت کا پروانہ مل جائے گا۔''حکم ہوگا ایک کوہم نے اپنے قانون کے مطابق بخشا اوردوسرے کواپنی رحمت سے''۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے ایک مرتبہ رب تعالیٰ کو خواب میں دیکھا اور پوچھا "باری تعالیٰ مجھے وہ عمل بتادے کہ تیرا قرب نصیب ہوجائے"۔ جواب ملا ''تلاوت قرآن'' عرض کیا باری تعالیٰ سمجھ کر بلا سمجھے۔ جواب ملا'' کوئی پابندی نہیں''۔

قرآن مجید تو وہ کلام ہے جس کا ہمیں مل جانا ہی عنایت وفضل خداوندی ہے۔ اگر کسی کو قرآن پاک پڑھنا نہیں آتا تو اس کی زیارت کا بھی ثواب ہے۔ ایک شخص کے متعلق روایت ہے کہ اس کے مرنے کے بعد اس کی قبر سے خوشبو آیا کرتی تھی۔ لوگ اس کی بیوی کے پاس گئے اور پوچھا کہ ''بھلی مانس مرنے والے کے اعمال کیا تھے''؟۔ ان نے جواب دیا نماز پڑھتا تھا لیکن قرآن پاک پڑھنا نہیں آتا تھا۔ روزانہ صبح اٹھ کر فجر کی نماز پڑھنے کے لیے مسجد جاتا اور جب نماز پڑھ کر واپس آتا تو نہایت ادب سے قرآن پاک اٹھاتا اس کو چومتا۔ اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم اور اس کے بعد بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھتا۔ اس کے بعد قرآن پاک کی ہر سطر پر انگلی پھیرتا اور کہتا'' باری تعالیٰ یہ سچ ہے''۔ ''باری تعالیٰ یہ بھی سچ ہے''۔ ''باری تعالیٰ یہ حق ہے''، ''باری تعالیٰ یہ بھی حق ہے''۔ اس طرح تین چار صفحے پڑھتا۔ اس کے بعد نشانی لگاتا اور قرآن کو چوم کر بند کرتا۔ دعا کرتا اور قرآن پاک اس کی جگہ پر انتہائی ادب سے رکھ دیتا تھا۔ اگلے دن پھر یہی عمل کرتا اور وہاں سے شروع کرتا جہاں پہلے دن ختم کیا تھا۔ بس اس کا یہ عمل ہی تمام عمر رہا۔

اب دیکھئے قرآن پاک اللہ تعالیٰ کا کلام اور احکام الٰہی سے بھرپور کتاب ہے۔ وہ شخص روزانہ اللہ تعالیٰ کے سامنے یہ اقرار کرتا تھا کہ باری تعالیٰ تو نے جو کچھ اس میں لکھا ہے اور جو حکم بھی تو نے دیا ہے وہ بالکل ٹھیک ہے اور یہ اس کی اللہ سے کمال محبت کی وجہ سے تھا۔ اللہ تعالیٰ تو اخلاص کو دیکھتا ہے وہ دلوں کے حالات سے خوب واقف ہے۔ وہ اپنے چاہنے والے کو کیا کچھ نہیں دیتا۔ اس نے کہا ہے کہ ''میں نے اپنے احکامات کی پیروی کرنے والوں کے لیے وہ کچھ تیار کر رکھا ہے جو نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی کے دماغ میں اس کا تصور ہوسکتا ہے''۔

بعض لوگ قرآن پاک کو پڑھنا اس وجہ سے چھوڑ دیتے ہیں کہ انہیں قرآن پاک ٹھیک طرح سے پڑھنا نہیں آتا۔ ان کے دل میں شیطان یہ بات ڈال دیتا ہے کہ اگر قرآن پاک ٹھیک پڑھنا نہیں آتا تو پھر غلط پڑھنے کا کیا فائدہ؟ نفس کہتا ہے ٹھیک ہے غلط پڑھنے سے تو اور گناہ ہوگا۔ اس غلطی کو بھی سمجھ لینا چاہیے۔ نفس اور شیطان کے بہکانے میں نہیں آنا چاہیے۔ غلط پڑھنے سے گناہ اس وقت ہوتا ہے جب ٹھیک پڑھنا آتا ہو اور لاپرواہی کی وجہ سے غلط پڑھے۔ ورنہ رک رک کر اور کوشش کر کے پڑھنا بہت افضل ہے۔ ایسے پڑھنے والے جو شوق، رغبت اور محبت سے پڑھیں اور پھر بھی غلطی دور نہیں ہو رہی ہوتی۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو دگنا ثواب دیتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو ریاضت اور مجاہدے کا ثواب دیا جاتا ہے۔ کیونکہ اصل میں تو ثواب اس کی ذات سے محبت کرنے پر دیا جاتا ہے۔ حق تعالیٰ تو صرف اور صرف دل کو دیکھتے ہیں اور دل کی محبت کی قدر بھی کرتے ہیں۔ مشہور ہے کہ حضرت بلال ؓ ''اشھد'' کی جگہ ''اسد'' کہتے تھے۔ اسی طرح حضرت حبیب عجمی کا رشین اورق درست نہیں تھا۔ ایک دن حبیب عجمیؒ نماز پڑھا رہے تھے حضرت حسن بصریؒ کا ادھر سے گزر ہوا۔ حضرت حسن بصریؒ نے ان کے ساتھ نماز میں شامل ہونا چاہا لیکن ان کی تلاوت کی وجہ سے شریک نہ ہوئے۔ اسی رات حضرت حسن بصریؒ نے خواب میں اللہ تعالیٰ کی زیارت کی پوچھا ''اے میرے پروردگار آپ کے نزدیک کونسا عمل زیادہ پسندیدہ ہے'' کہا ''وہ نماز جو حبیب عجمیؒ کے پیچھے پڑھی جائے''۔ مطلب یہ کہ اللہ تعالیٰ تو دل کو دیکھتا ہے اس کی نگاہ دل پر، بندے کے اخلاص پر ہوتی ہے۔ لیکن تلاوت قرآن جتنی بڑی چیز ہے اتنی ہی اس کی طرف سے غفلت برتی جاتی ہے۔ ہم لوگوں نے اپنی اس غفلت سے گھروں کو قبرستان بنالیا ہے بلکہ قبرستان سے بھی بدتر۔ کیونکہ قبرستان میں تو ہر روز کوئی نہ کوئی تلاوت کرنے چلا ہی آتا ہے۔

پس ثابت ہوا کہ عمل کے بغیر ''امید'' جہالت ہے۔ بیوقوفی ہے۔ حق تعالیٰ نے صاف اور واضع طریقہ بتادیا ہے کہ کتاب اللہ کی تلاوت، نماز، اللہ کی راہ میں خرچ، یعنی بدنی، مالی اور نفلی عبادت کرو اور اس کے بعد رحمت خداوندی کے امیدوار ہو۔ نہ یہ کہ اس خام خیال میں غرق رہو کہ اللہ تعالیٰ تو غفور رحیم ہے۔ بس مرنے کی دیر ہے۔ مرتے ہی وہ غفور رحیم انہیں بخش دے گا۔ اس بات کو سمجھ لینے کے بعد آیئے ایک مرتبہ پھر ہم آیات بالا پر توجہ دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

ترجمہ: ''بے شک جو لوگ کتاب اللہ کی تلاوت کرتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں اور اس مال میں سے جو ہم نے ان کو دیا ہے۔ ظاہرً اور پوشیدہ طور پر خرچ کرتے ہیں۔ ان کو ایسی تجارت کی امید ہے جو انہیں خسارہ نہیں دے گی، اللہ تعالیٰ ان کو پورا پورا اجر دیں گے۔ بلکہ اپنی طرف سے انہیں اور زیادہ دیں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ بخشنے والا اور قدر کرنے والا ہے۔''

**********

# کتاب خداوندی اور شخصیات مقدسہ

## دین کی تاریخ کا ایک اصول

دین کی تاریخ پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوجاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہدایت کے دو طریقے مقرر فرمائے ہیں جب یہ دونوں طریقے جمع ہوتے ہیں تو سیدھے راستے کی ہدایت ہوتی ہے دونوں نہ ہوں تو بالکل گمراہی رہتی ہے اور دونوں میں سے ایک ہو تو راستہ ٹیڑھا رہتا ہے جب دونوں چیزیں جمع ہوتی ہیں تو سیدھے راستے کی طرف راہنمائی مل جاتی ہے۔ یہ دو طریقے جو مندرجہ ذیل ہیں:۔

1۔ **قانون خداوندی:** جو انبیاء کے قلوب مبارک پر آسمان سے نازل ہوتا ہے اور قانون الٰہی کہلاتا ہے یہ من جانب اللہ ہوتا ہے۔

2۔ **شخصیات:** وہ شخصیتیں ہیں جن کے ذریعے سے اس قانون کی معرفت حاصل ہوتی ہے اس قانون کے احکام معلوم ہوتے ہیں۔ احکام کی علتوں اور بنیادوں کا پتہ چلتا ہے۔ مسائل کے دلائل کا علم ہوتا ہے تو ہدایت کے یہی دو طریقے ابتدا سے لے کر آج تک رہے ہیں۔

حضرت آدمؑ پر اللہ تعالیٰ نے تیس صحیفے نازل فرمائے لیکن ان صحیفوں کے ساتھ حضرت آدمؑ کو بھی بھیجا گیا تا کہ ان صحیفوں کے مطالب کو سمجھا سکیں۔ ان احکام پر لوگوں کو مطلع کر سکیں۔ صحفِ ابراہیمؑ آئے تو حضرت ابراہیمؑ بھی ساتھ آئے تا کہ صحیفوں کے مطالب لوگوں کو بتا سکیں۔ ان کے مطالب اور معنی لوگوں کو سمجھا سکیں اور حق تعالیٰ کی جو مرادات ہیں کہ فلاں آیت کا یہ مطلب ہے۔ فلاں آیت سے یہ مراد ہے۔ اس مراد کو لوگوں پر واضع کر سکیں اگر تورات آئی تو حضرت موسیٰؑ کو بھی بھیجا گیا۔ انجیل آئی تو حضرت عیسیٰؑ بھی بھیجے گئے، زبور آئی تو حضرت داؤدؑ بھی بھیجے گئے۔ اور جب قرآن پاک آیا تو نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کی ذات اقدس بھی دنیا میں بھیجی گئی تا کہ آپ خاتم النبیین ﷺ قرآن کریم کے حقائق لوگوں کو بتائیں اور مرادات بھی لوگوں کو سمجھائیں۔ آپ خاتم النبیین ﷺ کے چار فریضے قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر بیان فرمائے لہٰذا حق تعالیٰ قرآن پاک میں سورۃ آیت البقرہ، آیت نمبر 151 م میں فرماتے ہیں:

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ وہی ہے جس نے امتیوں میں ایک نبی بھیجا جو ان کو آیات پڑھ کر سناتا ہے۔ انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں سکھاتا ہے، کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے جبکہ پہلے یہ صریح گمراہی میں تھے۔''

یعنی اللہ وہی ذات ہے جس نے امتیوں میں ایک نبی بھیجا جو خود بھی اُمّی ہیں (یعنی دنیا کے کسی مکتب میں نہیں پڑھے) انبیاء کبھی بھی دنیا کے کسی مکتب سے تعلیم یافتہ نہیں ہوتے۔ اس لیے کہ وہ تو دنیا کو علم دینے کے لیے آتے ہیں۔ علم لینے کے لیے نہیں آتے۔ حق تعالیٰ براہ راست ان کو علم کی دولت سے نوازتے ہیں۔ انبیاء براہ راست حق تعالیٰ شانہ کے شاگرد ہوتے ہیں تو جو خود اللہ تعالیٰ سے فیضان حاصل کریں وہ دنیا سے علوم کا فیضان کیوں حاصل کریں گے؟ اس لیے کہ انبیاء علم لینے کے لیے نہیں بلکہ علم دینے کے لیے دنیا میں تشریف لاتے ہیں۔

## اللہ تعالیٰ کے شاگرد اور انسانیت کے استاد

قرآن پاک میں بھی جہاں کہیں انبیاء کی تعلیم کا ذکر ہے تو حق تعالیٰ نے اسے اپنی طرف منسوب فرمایا ہے کہ ہم نے ان کو تعلیم دی۔ آدمؑ کے بارے میں فرمایا

ترجمہ: " اور آدمؑ کو تمام اشیاء کی تعلیم دی یعنی تمام چیزوں کے نام سکھا دیئے"۔ (سورہ البقرہ، آیت نمبر 31)

اس طرح حضرت یوسفؑ کو خصوصیت سے تعبیر خواب کا علم دیا تو فرمایا: (سورہ یوسف، آیت نمبر 6)

**ویعلمک من تاویل الاحادیث**

ترجمہ: '' اور تجھے معاملہ فہمی (یا خوابوں کی تعبیر) بھی سکھائے گا ''۔

حضرت داؤدؑ کے بارے میں سورۃ سبا نمبر 11-10 فرمایا: (مفہوم)

مفہوم: ''ہم نے ہی تو زرہ سازی کا علم آپ کو دیا''۔

حضرت خضر علیہ السلام نے آپ علیہ السلام کو تعلیم دی اور ان چیزوں کا علم دیا جن کو آپؑ نہیں جانتے تھے یہ آپؑ پر اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل اور انعام ہے جو ہم نے خزانہ غیب سے عطا کیا ایک اور جگہ ارشاد فرمایا ''اے پیغمبر ہم نے آپ خاتم النبیین ﷺ کی طرف اپنی روح کی وحی کی'' یہاں علم کو روح خداوندی کہا گیا۔ اس روح سے اقوام زندہ ہیں کوئی قوم جہالت سے زندگی نہیں پا سکتی۔ جس قوم نے زندگی پائی ہے تو دنیا کی زندگی

دنیا کے علم سے اور آخرت کی زندگی آخرت کے علم سے پائی ہے۔

زندگی بہر حال علم کے تابع ہے۔ جہالت سے نہ دنیا بن سکتی ہے نہ آخرت چل سکتی ہے۔ تو انبیاءؑ کرام اللہ تعالیٰ کے شاگرد ہیں۔ یہ دنیا والوں کے شاگرد نہیں ہوا کرتے۔ یہ دنیا والوں کے استاد ہیں۔ انہیں علم اللہ تعالیٰ کی ذات کی طرف سے پڑھایا جاتا ہے۔ تو قانون خداوندی، یا قانون ہدایت یا قانون الٰہی یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ہدایت کے لیے ایک قانون رکھا اور قانون کے ساتھ ایک شخصیت بھی رکھی۔ قرآن کریم اور اس کے ساتھ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کی ذات بابرکات اسی اصول پر نازل کی گئی۔ قرآن پاک حق بن کر آیا اور نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کی ذات بابرکات معلم بن کر آئی۔ چنانچہ قرآن پاک میں ایک جگہ ارشاد فرمایا گیا ہے کہ ''جب آپ خاتم النبیین ﷺ پر وحی نازل ہوئی تو ابتداء میں آپ خاتم النبیین ﷺ کی عادت شریف اس کو بار بار دہرانے کی تھی تا کہ کوئی چیز بھول نہ جائے''۔

حق تعالیٰ نے قرآن پاک سورہ القیامۃ آیت نمبر 16-17 میں فرمایا:

ترجمہ: ''زبان کو جلدی جلدی حرکت نہ دیں، جلدی نہ کریں ہم اس کو آپ (خاتم النبیین ﷺ) کے سینہ میں جمع کر دیں گے اور آپ (خاتم النبیین ﷺ) سے پڑھوا دیں گے''۔

اور سورۃ الحجر، آیت نمبر 9 میں ارشاد فرمایا:

ترجمہ: ''ہم نے اسے نازل کیا اور ہم ہی اس کی حفاظت فرمانے والے ہیں''۔

جمع کرنا، محفوظ کرنا پڑھوانا حق تعالیٰ کا کام ہے۔ حق تعالیٰ نے اپنا وعدہ پورا فرمایا۔ قرآن پاک اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اب تک بالکل محفوظ ہے اس میں کسی قسم کا ردو بدل نہیں کیا گیا تو نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کو بھیجا گیا کہ لوگوں کو قرآن کے معنی سمجھائیں۔ محض لغوی معنی مراد ہوتے تو آپ خاتم النبیین ﷺ کی ضرورت نہ ہوتی۔ حضرت جبرائیلؑ قرآن پاک بیت اللہ کی چھت پر رکھ دیتے اور اعلان کر دیتے کہ ''اے لوگو تم مریضان نفوس ہو اور یہ نسخہ شفا ہے۔ اپنا علاج خود کر لو'' مگر دنیا میں بھی یہ قانون نہیں ہے کہ طب کی کتاب دیکھ کر آدمی اپنا علاج خود کرے جب تک طبیب یا معالج نہ علاج کرے''۔

تو کتاب الٰہی نسخہ شفا ہوتی ہے اور انبیاء کرام حکما بنا کر بھیجے جاتے ہیں۔ انبیاء کرام اطبا روح (روح کے معالج) ہیں۔ جو روح کے نشیب و فراز جان کر نسخہ تجویز فرماتے اور علاج کرتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ قرآن پاک محض لغت کے بل بوتے پر نہیں سمجھا جاتا۔ لغوی معنی مراد نہیں ہوتے بلکہ وہ معنی مراد ہوتے ہیں جو شریعت میں بتائے جاتے ہیں۔ مثلاً صلوٰۃ کا لفظ ہے۔ اس کے معنی ''رحمت'' اور دعا کے ہیں۔ بس گھر میں بیٹھ کر دعا کرے مسجد میں جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ نمازی ہو گیا۔ یہ لغتاً تو ٹھیک ہے کیونکہ صلوٰۃ کے معنی دعا مانگنے ہی کے ہیں مگر متکلم جو (کہنے والے بتانے والے، بولنے والے) کی مراد وہ نہیں ہے۔ صلوٰۃ سے متکلم کی مراد یہ ہے کہ نیت اس طرح کرو، ہاتھ اس طرح باندھو، رکوع ایسے اور سجود اس طرح کرو اور پھر سلام پھیر کر صلوٰۃ کو ختم کرو۔ اس مجموعہ کو صلوٰۃ کہتے ہیں۔ یا مثلاً ''حج'' کا لفظ ہے حج کے معنی لغت میں قصد کرنے کے ہیں۔ تو گھر میں بیٹھ کر لوگ قصد کر لیں، حاجی ہو گئے اتنا پیسہ خرچ کرنے اور مشقت برداشت کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ لغت کے لحاظ سے تو حج ہو گیا لیکن اس سے متکلم کی مراد یہ نہیں ہے تو مراد ربانی کون سمجھائے گا؟ جو اس کتاب مقدس کے ساتھ سمجھانے کے لیے بھیجا گیا ہے۔ اس نے بتایا ہے کہ حج چند مخصوص افعال کا نام ہے اور وہ افعال اس طرح انجام دیتے ہیں۔ صرف قصد کرنے کا نام نہیں ہے۔ اگر بتلانے والا نہ ہو تو انسان لغت کا معنی ہی سمجھے گا۔ اسی طرح وضو ہے کہ کس طرح کرنا اور اس میں کون کون سے اعضاء کا دھونا فرض اور کونسے اعضاء کا دھونا سنت ہے تو اگر معلم آ کر ان چیزوں کو تعلیم نہ دے گا تو مراد ربانی سامنے نہیں آئے گی۔

## حفاظت قرآن و حفاظت معنی قرآن :

حق تعالیٰ نے قرآن پاک کے الفاظ کی حفاظت کی بھی گارنٹی دی کہ ہم اس کو محفوظ رکھیں گے اور معنی میں بھی اس کی گارنٹی دی اور معنی وہ بیان ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی مرادات کو آپ خاتم النبیین ﷺ نے اپنے الفاظ میں بیان فرمایا جن کو ہم حدیث کہتے ہیں تو حدیث قرآن ہی کا بیان ہیں۔ یا یوں سمجھ لیجئے کہ قرآن پاک کی اولین تفسیر حدیث ہے۔ یا حدیث نبوی خاتم النبیین ﷺ کی اولین تفسیر قرآن پاک ہے۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے سورۃ النحل۔ آیت نمبر 44 میں فرمایا ہے:

ترجمہ: ''اے پیغمبر ہم نے آپ (خاتم النبیین ﷺ) کی طرف یہ ذکر نازل کیا ہے تا کہ آپ (خاتم النبیین ﷺ) اس کو کھول کھول کر (اس کے مرادات) اور اس کے معنی بیان کر دیں''۔

تو اللہ تعالیٰ نے آپ خاتم النبیین ﷺ پر ذکر نازل کیا۔ آپ خاتم النبیین ﷺ کو مبین قرار دیا۔ آپ خاتم النبیین ﷺ کے قلب مبارک پر جو معنی اترتے تھے آپ

خاتم النبیین ﷺ وہ بیان فرما دیتے تھے تو بیان سے مراد درحقیقت حدیث ہے۔ آپ خاتم النبیین ﷺ کے اقول اور آپ خاتم النبیین ﷺ کے افعال سے قرآن پاک کے معنی متعین ہو جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب حضرت علیؓ نے حضرت ابن عباسؓ کو خوارج کے مقابلے کے لیے بھیجا کہ ان سے جا کر مناظرہ کریں تو ان کو وصیت کی کہ ''خوارج کے سامنے قرآن سے دلیل پیش نہ کرنا، سنت سے دلیل پیش کرنا'' (یعنی حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے اقوال، افعال، اعمال اور احوال سے) حضرت ابن عباسؓ کو تعجب ہوا۔ عرض کیا ''امیر المومنین قرآن تو وہ ہے جس کے لیے اللہ تعالیٰ کے رسول خاتم النبیین ﷺ نے مجھے دعا دی ہے کہ ''اے اللہ ابن عباسؓ کو کتاب اللہ کی تعلیم دے اور اس کی حکمت اس کے دل میں ڈال دے'' تو میں تو حکمت قرآن کا حامل ہوں اور آپؓ اس سے مجھے روک رہے ہیں کہ قرآن سے دلیل نہ دوں؟ قرآن سے استدلال نہ کروں؟ اس میں کیا مصلحت ہے'' ؟ حضرت علیؓ نے فرمایا ''قرآن پاک کے جملے ''ذی وجوہ'' ہیں اصولی جملے ہیں (کئی کئی معنوں میں ڈھل سکتے ہیں) آپ اپنے طور سے آیت کے ایک معنی بیان کریں گے۔ فریق مخالف اس آیت کا ایک پہلو دیکھ کر دوسرا معنی بیان کر دے گا۔ عوام کہیں گے یہ بھی قرآن پڑھ رہے ہیں وہ بھی قرآن پڑھ رہے ہیں۔ حق واضح نہیں ہوگا لیکن حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے قول و افعال سے جب آپ دلیل دیں گے تو لوگوں کو اس میں بولنے کی گنجائش نہیں رہے گی''۔

تو حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے جو کر کے دیکھایا اور جو ارشاد فرمایا وہ بیان قرآن ہے اور بیان قرآن ہی حدیث ہے۔ انکار حدیث کرنے والا کبھی بھی کوئی مراد ربانی کو نہیں سمجھ سکتا اور منکرین حدیث اس لیے حدیث کا انکار کرتے ہیں کہ قرآن پاک سے اپنی مرضی کے مطلب نکال سکیں۔ حدیث بریک لگاتی ہے کہ مراد ربانی یہ ہے۔ بعض صحابہ کرامؓ نے کسی آیت کا مطلب آپ خاتم النبیین ﷺ سے معلوم کیا آپ خاتم النبیین ﷺ نے جواب دیا ''اللہ تعالیٰ نے اس کا مطلب مجھے ابھی تک نہیں سمجھایا'' جب وحی آ گئی تو آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا'' اس کا مطلب یہ ہے، اس سے اللہ تعالیٰ کی مراد یہ ہے''۔ تو جب حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کو خود اپنی مرضی سے کسی آیت کا مطلب بتانے کا حق نہیں ہے تو دوسرے کس کھیت کی مولی ہیں؟ تو قرآن علوم کا جامع ہے اور حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی ذات بابرکات اعمال کا جامع۔ جو قرآن کہتا ہے آپ خاتم النبیین ﷺ اس کو کر کے دیکھاتے ہیں۔ یوں سمجھ لیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس دنیا پر دو قرآن پاک اتارے ہیں۔

1۔ ایک علمی قرآن جو کاغذوں میں محفوظ ہے اور 2۔ ایک عملی قرآن جو آپ خاتم النبیین ﷺ کی ذات ہے۔

قرآن پاک علم کا مجموعہ ہے اور آپ خاتم النبیین ﷺ کی ذات، عمل کا، اخلاق کا اور کمالات کا مجموعہ تو آپ خاتم النبیین ﷺ نے قرآن پاک کے لفظ بھی تلاوت فرمائے، معنی بھی سمجھائے، مراد ربانی بتائی، اس کی حکمت بیان فرمائی تو سب کچھ سامنے آ گیا۔ کچھ بھی چھپا ہوا نہ رہا۔ لیکن اگر دل میں ٹیڑھا پن ہے تو ہر چیز غلط سمجھ میں آئے گی۔ دل میں اگر اور الٹا پن ہے تو کتنا ہی صحیح معنی بیان کر دیں اوندھا ہی سمجھا جائے گا۔ اس لیے کہ سمجھ ہی اوندھی ہے۔ اس لیے ضرورت تھی کہ جہاں الفاظ پیش کئے جائیں وہاں معنی بھی پیش کئے جائیں۔ عمل کا نمونہ بھی دیکھایا جائے اور جہاں عمل کا نمونہ دیکھایا جائے وہاں لوگوں کے دلوں کو بھی مانجھا جائے تاکہ ٹیڑھ بالکل نکل جائے اور قلب کے اندر استقامت پیدا ہو جائے۔ اس لیے انبیاء نے قلب انسانی کو اپنا موضوع ٹھہرایا کہ قلب کو درست کرو تاکہ سارا انسان درست ہو جائے، فلسفیوں نے اپنا موضوع دماغ کو ٹھہرایا کہ عقل درست کرو تو دنیا سنورے گی، قلب چاہے برباد ہو جائے۔ اس لیے کہ فلسفیوں نے انسان کی دنیا سدھارنے کا فلسفہ بتایا ہے اور قرآن میں اللہ تعالیٰ نے انسان کو دین و دنیا دونوں سدھارنے کے قاعدے بیان فرمائے ہیں۔

## امت کے فرائض

اللہ تعالیٰ نے حضور پاک خاتم النبیین ﷺ پر چار فریضے عائد کئے تھے۔ تلاوت آیات، تعلیم کتاب، تعلیم اسوہ، اور تزکیہ نفس۔ اب پوری امت بحیثیت مجموعی اپنے پیغمبر کی قائم مقام ہے اور یہ چاروں فریضے اس امت پر بھی عائد ہیں۔ یعنی پہلا فریضہ تلاوت آیات، قرآن پاک کی آیات کے الفاظ پڑھ کر سنائیں۔ اس کے ساتھ ہی یہ ضروری ہے کہ امت میں معلمین بھی ہوں۔ اس لیے کہ دین کے بارے میں شخصی رائے معتبر نہیں۔ قرآن ہو یا حدیث ہو وہ نقل کی جائے گی۔ سلف کے دائرے میں محدود رہ کر قرآن کے معنی متعین کئے جائیں گے۔ اگر سلف کا دامن (مجتہد حضرات کا) چھوٹ گیا اور شخصی رائے نظر آئی تو ہوائے نفس پیدا ہوگی۔ نفس میں آزادی پیدا ہوگی تو آدمی من کا پجاری اور نفس کا بندہ اور نفس کا مطیع ہو جائے گا۔ اگر قرآن پاک کے الفاظ کو سامنے رکھ لیں اور کوئی معلم نہ ہو تو ہم مراد ربانی کو ہرگز نہ سمجھ پائیں گے بلکہ اُس وقت انسان کے نفس پر جو کیفیت غالب ہوگی اسکے مطابق معنی سمجھ میں آئیں گے۔ اس لیے لازم ہوا کہ متعین طریقہ پر ہم وہی سمجھیں جو اس آیت کے متعلق حضور پاک خاتم النبیین ﷺ سمجھے تھے۔ اور جو انہوں نے ہمیں سمجھایا تھا۔ جو حضرات صحابہ کرامؓ سمجھے اور پھر صحابہ کرامؓ نے سلف اور آئمہ کرام کو سمجھایا۔ اس کے بغیر ہم مرادات ربانی

تک نہیں پہنچ سکتے۔

# صاحب قرآن

قرآن پاک ہمارے پاس علمی شکل میں آیا اور نبی کریم خاتم النبیین ﷺ ہمارے پاس عملی شکل میں قرآن پاک کی تفسیر بن کر آئے۔ قرآن پاک پورے کا پورا نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کا سراپا ہے۔ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ قدیم ہے، غیر مخلوق ہے۔ قرآن مجید بھی مخلوق نہیں ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے اندر سے نکل کر آرہا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ لیکن قرآن مجید میں جو چیز آئی ہے۔ جو بیان ہوا ہے، وہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کی صفات ہیں۔ ''بشیر'' نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کی صفت ہے ''نذیر'' حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی صفت ہے۔ ''سراج منیر'' آپ خاتم النبیین ﷺ کی صفت ہے، رحمت اللعالمین آپ خاتم النبیین ﷺ کی صفت ہے۔ ''طٰہٰ'' ہمارے نبی پاک خاتم النبیین ﷺ کی جبیں مبارک ہے۔ جس سے ساری دنیا روشن ہے۔ ''مزمل'' وہ چادر ہے جو آپ خاتم النبیین ﷺ اوڑھا کرتے تھے (کملی تھی) مدثر وہ رضائی مبارکہ ہے جو آپ خاتم النبیین ﷺ اوڑھا کرتے تھے۔ اگر قرآن پاک کا نچوڑ نکالیں، عطر نکالیں تو نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کی صفت بنتی ہے۔ قرآن جامع ہے اور نبی کریم خاتم النبیین ﷺ ناطق (بولنے والے) آپ ناطق قرآن ہیں، یعنی آپ خاتم النبیین ﷺ بولنے والا قرآن ہیں۔

کسی نے حضرت عائشہؓ سے سوال کیا" نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کا اخلاق کیسا تھا"؟ تو آپؓ نے جواب دیا" آپ خاتم النبیین ﷺ کا اخلاق قرآن پاک تھا"۔ (صحیح مسلم)

قرآن اور صاحب قرآن میں بہت مشابہت ہے۔ قرآن حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کا تعارف اور حضور پاک اتم النبیین ﷺ قرآن کا تعارف ہیں۔ جس طرح قرآن مجید لاریب ہے، اس میں کوئی شک نہیں۔ اس میں کوئی جھول نہیں، اس میں کوئی فکر نہیں، اس میں کوئی خامی نہیں، کوئی تضاد نہیں، اسی طرح سے حضور پاک خاتم النبیین ﷺ میں کوئی خامی نہیں، جس طرح قرآن پاک لاریب ہے، اسی طرح نبی کریم خاتم النبیین ﷺ بھی لاریب ہیں، بے عیب ہیں۔

وہ کمال حسن حضور ہے کہ گمان نقص جہاں نہیں
یہی پھول خار سے دور ہے یہی شمع ہے کہ دھواں نہیں

جس طرح قرآن مجید میں کوئی نقص نہیں اسی طرح حضور پاک خاتم النبیین ﷺ میں بھی کوئی نقص نہیں ہے اور اگر کسی کو نقص نظر آتا ہے تو یہ اس کی اپنی نظر کا قصور ہے۔

ہمیں قرآن پاک سے متعلق کس نے بتایا یہ قرآن پاک ہے؟ کس نے قرآن پاک کو متعارف کروایا۔ یہ نبی پاک خاتم النبیین ﷺ کی زبان مبارکہ نے بتایا ہے، حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی ذات اور صفات میں اگر نقص نکالیں گے تو پھر قرآن مجید بھی شک والا بن جائے گا۔ قرآن مجید لاریب جب میرے نبی خاتم النبیین ﷺ لاریب ہوں گے، اگر حضور پاک خاتم النبیین ﷺ میں شک کریں گے تو سارا قرآن شک میں پڑ جائے گا۔ ساری شریعت میں شک پڑ جائے گا۔ معلوم نہیں نماز غلط بتادی ہے یا پتہ نہیں روزہ غلط بتادیا ہے، ہر عمل میں ہر رکن میں شک نظر آئے گا۔ قرآن مجید معجزہ ہے، حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کا سب سے بڑا معجزہ قرآن پاک ہے۔ ویسے تو حضور پاک خاتم النبیین ﷺ سر سے لے کر پاؤں تک معجزہ ہیں، نہ قرآن کی مثل کوئی کتاب آسکتی ہے اور نہ صاحب قرآن کی کوئی مثل ہوسکتا ہے۔ وہ بھی بے مثل ہے یہ بھی بے مثل ہے۔ قرآن پاک سورہ بنی اسرائیل، آیت نمبر 88 میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

ترجمہ: ''اگر آدمی اور جن سب اس بات پر متفق ہوجائیں کہ اس قرآن کی مانند کچھ لے آئیں تو اس کی مثل نہ لاسکیں گے''۔

تو قرآن مجید ایک ایسا معجزہ ہے جو مٹ نہیں سکتا۔ اسی کی حفاظت کی ذمہ داری خود اللہ تعالیٰ نے لے رکھی ہے، سورہ الحجر، آیت نمبر 9 میں فرمان الٰہی ہے۔:

ترجمہ: ''بے شک ہم نے اسے اتارا ہے (قرآن کو) اور بے شک ہم خود اس کے نگہبان ہیں''۔

اور حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی حفاظت کی ذمہ داری بھی اللہ تعالیٰ نے خود لی ہے۔ سورہ المائدہ آیت نمبر 67 میں فرمان الٰہی ہے:

**واللہ یعصمک من الناس**

ترجمہ: ''اور اللہ تمہاری نگہبانی کرے گا لوگوں سے''۔

اب قرآن پاک بھی ہمیشہ رہے گا اور ذات مصطفی خاتم النبیین ﷺ اور سیرت مصطفی خاتم

النبیین ﷺ بھی ہمیشہ رہے گی۔حضور پاک خاتم النبیین ﷺ تمام سابقہ شریعتوں کو منسوخ فرمانے والے ہیں۔قرآن مجید آخری کتاب ہے۔اس کے بعد کوئی کتاب نہیں آئے گی۔حضور پاک خاتم النبیین ﷺ خاتم الانبیاء ہیں۔آخری نبی اور رسول ہیں آپ خاتم النبیین ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔اس طرح قرآن اور صاحب قرآن میں بڑی مطابقت ہے۔قرآن کی ایک شان ہے،اس طرح صاحب قرآن بھی بہت شان والا ہے۔قرآن مجید سے کچھ لگ جائے،مس ہو، مثلاً کوئی کپڑا غلاف قرآن،تو وہ غلاف بھی متبرک اور معتبر بن جاتا ہے۔گندا ہونے پر اگر ہم اس غلاف کو دھوتے ہیں تو اس کا پانی گٹر یا عام نالی میں نہیں بہاتے بلکہ الگ کسی مٹی وغیر پر جا کر ڈالتے ہیں۔اسی طرح نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کی شان ہے۔آپ خاتم النبیین ﷺ کے بال مبارک آپ خاتم النبیین ﷺ کے ناخن مبارک،اور آپ خاتم النبیین ﷺ کی حیات مبارک میں آپ خاتم النبیین ﷺ کا لعاب دہن۔آپ خاتم النبیین ﷺ کا غسالہ مبارک،آپ خاتم النبیین ﷺ کا پسینہ مبارک سب ہی چیزیں ہمارے لیے تبرک اور معتبر ہیں۔قرآن مجید نور ہے۔جب اس کی تلاوت کرتے ہیں تو یہ نور ہمارے اندر جاتا ہے اور ہم میں نورانیت پیدا کرتا۔یہ نور ہی کی طاقت ہے جو دم کرنے میں ہم بیمار یا مریض کے اندر اتارتے ہیں تاکہ اس کی بیماریاں اس نور سے جل جائیں۔نبی کریم خاتم النبیین ﷺ بھی نور ہیں اور اسی نور کی یہ عظمت ہے کہ جو کوئی نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کا ذکر کرتا ہے۔درود شریف پڑھتا ہے،نعت شریف پڑھتا ہے اس کا باطن نور سے منور ہو جاتا ہے۔قرآن مجید قریب رہنے والا،ساتھ رہنے والا ساتھی ہے۔جس کے سینے میں قرآن ہے وہ حافظ ہے یا اگر اسے چند آیات یا چند سورتیں حفظ ہیں تو تمام زندگی،قبر،حشر،میزان،پل صراط، قیامت ہر جگہ قرآن ساتھ رہے گا۔کوئی ایسا مقام نہیں ہے کہ جہاں قرآن مجید ہم سے جدا ہو جائے۔

ایک مرتبہ صحابہ کرام نے عرض کیا ''یا رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ ہم ایک قبر کے اندر سے سورہ ملک کی آواز سن رہے ہیں''۔آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''قبر والا سورہ ملک کا حافظ تھا۔سورۃ ملک نے اس پر قبضہ کر لیا ہے۔دنیا میں بھی ساتھ تھی اور اب وہ ہر وقت قبر میں بھی اس کے ساتھ ہے''۔(جامع ترمذی)

اگر ہم آپ خاتم النبیین ﷺ پر درود پڑھیں گے تو یہ آپ خاتم النبیین ﷺ سے محبت ہے،زیادہ محبت والے آپ خاتم النبیین ﷺ کے عاشق کہلاتے ہیں۔انہیں تو درود وسلام اور ذکر اللہ اور ذکر محمد خاتم النبیین ﷺ سے فرصت ہی نہیں ہوتی۔اس طرح حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی ذات اقدس بھی اپنے عاشق کو دیکھتی ہے اور آپ خاتم النبیین ﷺ کی روح اقدس عاشق مومنین کے بہت قریب ہو جاتی ہے۔

قرآن پاک سورہ الاحزاب،آیت نمبر 6 میں فرمان الٰہی ہے:

ترجمہ:''اور یہ نبی مسلمانوں کا انکی جان سے زیادہ قریب ہے''۔

تو اگر زندگی میں آپ خاتم النبیین ﷺ کا ساتھ بنا لیا ہے۔تو آپ خاتم النبیین ﷺ قبر میں بھی موجود ہوں گے اور جب سوال ہوگا۔

**ماتقول فی حق ھذہ الرجل محمد صلی اللہ علیہ و الہ وسلم**

ترجمہ:''اس ہستی کے بارے میں جو تیرے سامنے تشریف فرما ہیں تو دنیا میں کیا کہتا تھا''؟

اگر تو یہ گواہی دے دی کہ یہ تو میرے نبی محمد خاتم النبیین ﷺ ہیں جو ہمارے پاس حق لے کر آئے اور ہم نے ان کی پیروی کی۔تو اسی لمحہ جنت کی کھڑکی کھل جائے گی۔حضور پاک خاتم النبیین ﷺ پل صراط پر،میزان پر،حوض کوثر پر ہر جگہ ہمارے ساتھ ہوں گے۔قرآن پاک اگر ساتھ رہتا ہے تو صاحب قرآن بھی کبھی ساتھ نہیں چھوڑتے ہیں۔قرآن پاک اللہ کی کتاب ہے بابرکت ہے۔اس لیے ہم قرآن پاک کو بوسہ دیتے ہیں۔اسی لیے نبی کریم خاتم النبیین ﷺ سے نسبت رکھنے والی ہر چیز کو ہم بوسہ دیتے ہیں۔آپ خاتم النبیین ﷺ کے کپڑوں کو،مسجد نبوی کی سنہری جالی کو،نعلین مبارک کو،یہ عظمت رسول ہے،یہ ادب رسول ہے۔اللہ تعالیٰ ہمیں عظمت رسول کو سمجھنے کی توفیق دے۔قرآن مجید میں ہر خشک و تر چیز کا علم ہے۔سورہ انعام،آیت نمبر 59 میں فرمان الٰہی ہے۔

ترجمہ:''اور نہ کوئی تر اور نہ خشک (ایسی چیز رہ گئی ہے) جو اس روشن کتاب میں لکھی نہ ہو''

سورہ النمل،آیت نمبر 75 میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

ترجمہ:''اور جتنے غائب ہیں آسمانوں کے اور زمین کے سب ایک بتانے والی کتاب میں ہیں''۔

اور ساری کائنات کا علم ہمارے نبی خاتم النبیین ﷺ کے سینے میں ہے۔

قرآن مجید میں خشک و تر ہے تو نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کے دل میں سب کچھ ہے۔اب اس قرآن پاک ہی میں سب سے پہلے سورہ فاتحہ ہے جس کی پہلی آیت ہے۔

الحمد اللہ رب العلمین

ترجمہ: ''سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے۔''

اس آیت کا مطلب کچھ لوگ یہ لیتے ہیں کہ ساری تعریفیں اللہ کی ہی ہیں باقی کسی کی تعریف نہیں۔ اگر دیکھتا ہے تو اللہ، سنتا ہے تو اللہ، شفا دیتا ہے تو اللہ، ہادی ہے تو اللہ، خالق ہے تو اللہ، مالک ہے تو اللہ، رزاق ہے تو اللہ، مارتا ہے تو اللہ، زندہ کرتا ہے تو اللہ۔ اب چونکہ ساری تعریفیں صرف اللہ کے لیے ہیں۔ اس لیے نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کی بھی کوئی تعریف نہیں اور آپ خاتم النبیین ﷺ کی حیثیت اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں خدانخواستہ چوڑے چماڑ سے بھی کم ہے (نعوذ باللہ)۔ یہ بات ان لوگوں کی کتاب ''تقویت الایمان'' میں بالکل اسی عبارت کے ساتھ موجود ہے کہ آپ خاتم النبیین ﷺ کی عظمت اللہ کے سامنے کیا ہے۔ ان کی نگاہ میں۔ (نعوذ باللہ)

گویا الحمد للہ کی تعریف کر کے انہوں نے نبی کریم خاتم النبیین ﷺ سمیت ہر بندے کی تعریف کی نفی کر دی ہے۔ اگر اس بات کو مان لیا جائے تو پھر یہ دیکھئے کہ اللہ تعالیٰ ''حی'' ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ زندہ ہے تو پھر اس کے مقابلے میں باقی سب مردہ ہونے چاہیں۔ لیکن ہم مردہ تو نہیں ہیں پھر ہم کہاں سے آ گئے؟۔ اب اگر اللہ تعالیٰ کی اس تعریف کو لے لیں کہ اللہ تعالیٰ زندہ ہے، کیونکہ تمام تعریفیں اگر اسی کے لیے ہیں تو باقی سب کو مردہ ہونا چاہیے لیکن ہم تو مردہ نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ بصیر ہے اللہ تعالیٰ دیکھتا ہے۔ اور سارا دیکھنا اس نے اپنے لیے رکھا ہے تو باقی سب لوگوں کو اندھا ہونا چاہیے۔ پھر ہم کیسے دیکھتے ہیں؟ اللہ تعالیٰ ''سمیع'' ہے اللہ تعالیٰ سنتا ہے۔ اگر سارا سننا صرف اسی کے لیے ہے تو ہم کیسے سنتے ہیں؟۔ ہمیں تو پھر بہرا ہونا چاہیے۔ نہ ہم بہرے ہیں، نہ اندھے ہیں، نہ گونگے ہیں، نہ ہم مردہ ہیں تو پھر یہ کیا ہوا کہ اگر الحمد اللہ کی تعریف کی جائے تو پھر ہمارا وجود نہیں ہونا چاہیے۔ اللہ زندہ ہے اور ساری تعریف زندگی کی اللہ تعالیٰ کی ہوگی تو پھر پیچھے مردے ہی رہ جائیں گے۔ پھر ہم کیسے ہیں۔؟ اولیاء اللہ کیسے ہیں؟ بادشاہ کیسے؟ حکومتیں کیسی؟

اصل بات سمجھنے کی یہ ہے کہ سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کی حقیقی ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ حقیقی طور پر تعریف کے قابل ہے۔ لیکن اس کی عطا سے بندوں کو بھی مل جاتی ہیں۔ ہم عطا میں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں نظر عطا فرمائی ہے۔ تو ہم بصیر بن گئے، اللہ تعالیٰ نے ہمیں زندگی عطا فرمائی تو ہم ''حی'' بن گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ملکیت عطا فرمائی تو میں اپنے گھر کی مالک بن گئی۔ یہ مقابلے کی بات نہیں ہے یہ تو اللہ تعالیٰ کے عطا کی بات ہے۔ تو الحمد للہ رب العالمین، اللہ تعالیٰ کی حقیقی تعریف ہے۔ (یعنی تعریف حقیقی) قرآن پاک سورہ آل عمران۔ آیت نمبر 26 میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

ترجمہ: ''(اللہ ہی) تمام جہان کا مالک ہے (حقیقی بادشاہ ہے) جسے چاہے سلطنت دے اور جس سے چاہے سلطنت چھین لے۔ جس کو چاہے عزت دے اور جسے چاہے ذلت دے''۔

اب حضرت عیسیٰؑ کو دیکھیں کہ وہ مردوں کو زندہ کر رہے ہیں۔ حالانکہ زندگی دینا مردوں کو زندہ کرنا یہ کام تو اللہ تعالیٰ کا ہے۔ اب حضرت عیسیٰؑ گھوارے میں ہیں آٹھ پہر کے بچے ہیں اور فرما رہے ہیں ''میں علم غیب رکھتا ہوں'' میں بتا سکتا ہوں کہ تم کیا کھا کر آئے ہو اور کیا اپنے گھر میں رکھ کر آئے ہو؟ بلکہ مضارع کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے کہ تم کیا کھاتے رہے ہو اور قیامت تک کیا کھاتے رہو گے؟ یہ میں جانتا ہوں۔ کہتے ہیں نا کہ دانے دانے پر مہر ہوتی ہے اور حضرت عیسیٰؑ جانتے تھے کہ کونسا دانہ کس کی خوراک ہوگا۔ یہ عطائی علم ہے، یہ کوئی مقابلہ نہیں ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرمایا کرتے تھے، مردہ لاؤ میں اس کو زندہ کر دوں گا۔ کوڑھی لاؤ میں اس کا علاج کر دوں گا۔ اب حضرت کس زمانے میں کوڑھی کو شفایاب کر رہے ہیں۔ جبکہ کوڑھ کا علاج آج تک دریافت نہیں ہو سکا اور نہ ہی وجہ کوڑھ معلوم ہو سکی کہ یہ بیماری کس وجہ سے ہو جاتی ہے؟ لیکن حضرت عیسیٰؑ اپنا ہاتھ مبارک پھیرتے تو کوڑھی فوراً شفایاب ہو جاتا۔ آپ پیدائشی نابینا کو بینائی عطا فرما دیتے تھے۔ پیدائشی نابینا کی آنکھوں اور دماغ میں دیکھنے کا نظام ہی نہیں ہوتا یعنی جس کی آنکھوں میں دیکھنے کا نظام ہی نہیں ہے اس کو بینائی کامل جانا واقعی معجزہ ہے۔ مٹی کا پرندہ بنا کر اس میں پھونک مارتے وہ اڑنے لگتا۔ تو یہ سب کچھ۔ ان تمام افعال کا کرنے والا حقیقی مالک اللہ کی ذات ہے لیکن اس نے عطائی طور پر حضرت عیسیٰؑ کو یہ تمام معجزات عطا کر دیئے۔ اب حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی جب آئیں گے تو امام مہدی کے پیچھے نماز پڑھیں گے۔ اور پھر اسلام قبول کریں گے۔ گویا کہ وہ امت محمدی خاتم النبیین ﷺ میں شامل ہوں گے تو بات بنے گی کیونکہ ان کی اپنی شریعت تو منسوخ ہو چکی ہے۔ تو وہ پھر نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کے امتی ہوئے۔ اور اگر اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کے ایک امتی کو اس پائے کے معجزات عطا فرمائے ہیں تو آپ خاتم النبیین ﷺ کو جو کچھ دیا ہوگا وہ تو ہماری عقلوں سے بھی ماورا ہوگا۔

حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیض نے ان کے والد محترم کی آنکھیں درست فرما دیں۔ مدینہ منورہ کی مٹی میں شفا ہے یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی عطا ہے۔ وہ حقیقی مالک ہے اور باقی سب عطائی طور پر اس کے دینے اس کے عطا کرنے سے مالک ہوئے۔ قرآن مجید فرماتا ہے

انا اعطینک الکوثر (اے محبوب ہم نے بے شک تمہیں خیر کثیر عطا فرمائی)۔ بے شمار خوبیاں عطا فرمائیں"۔

یہ کوثر کیا ہے؟ فرمایا" ماسوائے اللہ کے باقی سب کوثر ہے۔ اس میں آسمان ہے، زمین ہے، خزانے ہیں، جنت ہے، دوزخ، ہے، ہوا ہے، سمندر ہے، سونا چاندی، سب کچھ تمام خزانے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو عطا کر دیئے"۔ اور پھر فرمایا سورہ الضحیٰ، آیت نمبر 4

ترجمہ: "بے شک تمہاری آنے والی گھڑی پہلی گھڑی سے بہتر ہے۔"

ہر آنے والی گھڑی میں آپ خاتم النبیین ﷺ کے لیے خیر کثیر میں اضافہ ہوتا رہے گا۔ آپ خاتم النبیین ﷺ کا رتبہ، درجہ ہر آنے والی گھڑی میں بڑھتا رہے گا۔ حقیقی اور ذاتی طور سے تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کی ہیں لیکن وہ اپنی عطا سے جس کو چاہے تعریف کے قابل بنا دے۔ اس میں کوئی شرک نہیں، کوئی مقابلہ نہیں، باری تعالیٰ خالق ہیں، باقی سب مخلوق خالق اور مخلوق کا کیا مقابلہ؟ خیر کثیر کے مالک نبی کریم خاتم النبیین ﷺ ہیں۔ ان کے لیے ہر آنے والی گھڑی ان کی پہلی گھڑی سے بہتر ہے اور اللہ تعالیٰ کی رضا آپ خاتم النبیین ﷺ کو حاصل ہے۔ اسی سے بڑھ کر اور کیا تعریف ہو گی لیکن پھر بھی تا حال حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی تعریف بیان نہیں کی جا سکتی۔ یہ تو اس راز کی تعریف ہو رہی ہے۔ جس پر ستر ہزار پردے ہیں۔ صرف ایک پردہ ذرا سا کھسکا تو حضرت عائشہ صدیقہؓ کو کچھ پتہ چل گیا تو انہوں نے دنیا کو بتا دیا اور یہ تعریف اب ہم کر رہے ہیں۔ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی پوری زندگی اور عظمت ابھی تک پردے میں ہے۔ راز ہے اور قیامت کے دن اسی راز سے پردہ اٹھ جائے گا۔ اس دنیا میں نہ وہ الفاظ ہیں نہ علم۔ نہ شعور ہے نہ فہم ہے اور نہ ہی وہ ادراک ہے جس سے ہمیں اس راز کا پتہ چل جائے۔ اگر ہم کروڑوں سال تک الحمد اللہ کہتے رہیں، یا حی یا قیوم کہتے رہیں۔ سبحان اللہ کہتے رہیں، اللہ اکبر کہتے رہیں، اور جو کچھ بھی اللہ تعالیٰ کی تعریف ہے وہ ہم کرتے رہیں تو یہ قبول نہ ہو گا۔ جب تک ہم یا رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ نہ کہیں۔ اور ہم یہ کیوں نہ کہیں جبکہ اس کا حکم تو اللہ تعالیٰ نے خود قرآن پاک میں ہمیں فرما رہے ہیں۔ (سورۃ الاحزاب، آیت نمبر 56)

اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ؕ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَ سَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ۝

ترجمہ: "بے شک اللہ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں نبی پر اے ایمان والو تم بھی درود بھیجو اور سلام بھی کثرت کے ساتھ"۔

تو توحید کی ایسی تعریف جس سے نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کی عظمت گھٹے وہ توحید کی تعریف نہیں بلکہ وہ بندے کی بے ایمانی کی نشانی ہوتی ہے۔ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کی تعریف ہی دراصل اللہ کی تعریف ہے۔ مثال سے سمجھتے ہیں۔

ایک مسجد بنائی گئی۔ بہت خوبصورت بنی۔ اس کا مینار، اس کا محراب بہت ہی خوبصورت۔ ہم مسجد کی تعریف کرتے ہیں تو دراصل یہ اس کاریگر کی تعریف ہوتی ہے جس نے وہ مسجد بنائی ہے۔ اس کاریگر کو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا۔ اسے کاریگری عطا فرمائی، اسے شعور دیا، اسے عقل عطا فرمائی، تو کاریگر کی تعریف دراصل اللہ تعالیٰ کی تعریف ہے کیونکہ تمام صلاحیتوں کا مالک اللہ تعالیٰ ذاتی طور پر ہے۔ اس نے عطائی طور پر کاریگر کو سب کچھ دیا تو اصل تعریف تو اللہ تعالیٰ کی ہوئی۔ اللہ تعالیٰ کی ذات بے مثل ہے۔ اس کی کوئی مثل نہیں ہے۔ وہ جسم سے پاک، وہ زماں سے پاک، وہ مکاں سے پاک، اٹھنے، بیٹھنے سے پاک، کھانے پینے اور سونے سے پاک۔ اسے کسی چیز کا کوئی فائدہ نہیں۔ اسے کسی کے کام کی ضرورت نہیں۔ اس کی عظمت کو کوئی بڑھا نہیں سکتا۔ نہ کوئی اس کے رتبہ کو کم کر سکتا ہے۔ نہ ہی ہماری عبادت کی اسے ضرورت ہے۔ ہماری عبادت کی ضرورت ہمیں خود ہے۔ یہ جو عرش و کرسی ہے تو یہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بیٹھنے کو نہیں بنائی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ بیٹھنے اور چلنے پھرنے سے پاک ہے۔ علامہ عسقلانیؒ فرماتے ہیں، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اپنے محبوب کو عرش پر بیٹھائے گا۔ حضرت غوث اعظمؒ فرماتے ہیں "نبی کریم خاتم النبیین ﷺ قیامت کے دن عرش پر جلوہ افروز ہوں گے"۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب خاتم النبیین ﷺ کے لیے عرش اور کرسی بنائی ہے۔ سب کچھ حضور خاتم النبیین ﷺ کے لیے بنایا گیا یہ دنیا آپ خاتم النبیین ﷺ کے لیے بنائی گئی۔ آپ خاتم النبیین ﷺ کے طفیل سب کچھ ہے اور آپ خاتم النبیین ﷺ کے بغیر کچھ بھی نہیں ہے۔ اس لیے حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی تعریف دراصل اللہ تعالیٰ ہی کی تعریف ہے۔

صلح حدیبیہ کے موقع پر جب صحابہ کرامؓ نے حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے دست اقدس پر بیعت کی تو صحابہ کرامؓ کے ہاتھوں پر حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کا ہاتھ مبارک تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے سورہ فتح، آیت نمبر 10 میں فرمایا:

يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ

ترجمہ:"ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے "۔

اللہ تعالیٰ نے حضور خاتم النبیین ﷺ کے ہاتھ کو اپنا ہاتھ قرار دیا۔ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کا فعل اللہ تعالیٰ کا فعل ہے۔ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کا ارشاد اللہ کا ارشاد ہے۔

سورہ نجم، آیت نمبر 3 میں اللہ تعالیٰ فرمایا ہے:

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ترجمہ: ''اور وہ کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کرتے''۔

اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی اطاعت کی اللہ کی اطاعت ہے۔

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ج (سورہ النساء آیت نمبر 80)

ترجمہ: ''جس نے رسول کی اطاعت کی صرف اس نے اللہ کی اطاعت کی"۔

حضرت احمد رضا بریلویؒ فرماتے ہیں

اے رضا! خود صاحب قرآن ہے مداح حضور
تجھ سے کب ممکن ہے پھر مدحت رسول اللہ ﷺ ؟

حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی نافرمانی دراصل اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہے۔ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی رضا اللہ کی رضا ہے۔ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے معجزات، کمالات، تصرفات جتنے بھی بیان کریں۔ وہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی تعریف ہے اور حقیقت میں وہ اللہ تعالیٰ کی تعریف ہے۔

یاد رکھیں اللہ تعالیٰ کے کسی نبی کی تعریف کریں یا کسی ولی کی تعریف کریں، وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ ہی کی تعریف ہوتی ہے۔ ہمیں تو ہر وقت اللہ تعالیٰ کے تقویٰ کا اور اس بات کا دھیان رہے کہ ہمارے قلوب حق تعالیٰ کے حبیب اور محبوب خاتم النبیین ﷺ کی محبت سے بھرپور ہوں۔ جیسا کہ صحابہ کرامؓ اور تابعین اور تبع تابعین نے ہمیں یہی راستہ دکھایا ہے۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ کی تدفین سے فراغت کے تین دن بعد ایک اعرابی پہنچا اور نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کی قبر اطہر پر اس نے اپنے وجود کو گرا دیا اور قبر اطہر کی مٹی اپنے سر پر ڈال کر عرض گزار ہوا۔ ''اے اللہ کے رسول آپ خاتم النبیین ﷺ نے جو ارشادات فرمائے وہ ہم نے سنے، اللہ سے لے کر جو آپ خاتم النبیین ﷺ نے ہمیں پہنچایا وہ ہم نے محفوظ کرلیا اور آپ خاتم النبیین ﷺ پر نازل ہونے والی آیات میں یہ بھی ہے کہ:

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ۝ (سورۃ النساء، آیت نمبر 64)

ترجمہ: ''اگر یہ آپ (خاتم النبیین ﷺ) کے امتی اپنی جانوں پر (گناہ کر کے) ظلم کر بیٹھیں۔ پھر آپ (خاتم النبیین ﷺ) کی خدمت میں حاضر ہو کر اللہ تعالیٰ سے استغفار کریں اور اللہ کے رسول (خاتم النبیین ﷺ) بھی ان کی مغفرت کی سفارش کریں تو وہ ضرور اللہ تعالیٰ کو قبول کرنے والا اور نہایت مہربان پائیں گے'' -

''اے اللہ کے رسول خاتم النبیین ﷺ، میں نے بھی اپنی جان پر ظلم کیا ہے اور مغفرت طلب کرنے کی خاطر آپ خاتم النبیین ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں''۔ جب یہاں تک پہنچا تو حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ قبر اطہر سے آواز آئی ''تمہاری مغفرت ہوگئی''۔

محمد عتبیؒ فرماتے ہیں کہ میں مدینہ منورہ حاضر ہوا۔ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کی قبر اطہر کے پاس پہنچا۔ اتنے میں ایک اعرابی آئے اپنے اونٹ کو بٹھایا اس کو باندھا اور قبر مبارک پر حاضری دی، انہوں نے بڑی اچھی طرح سلام پیش کیا اور بہت ہی اچھی دعا کی۔ اس کے بعد انہوں نے کہا ''اے اللہ تعالیٰ کے پیغمبر میرے ماں باپ آپ خاتم النبیین ﷺ پر قربان اللہ تعالیٰ نے اپنی وحی کے ساتھ آپ خاتم النبیین ﷺ کو خصوصیت دی۔ آپ خاتم النبیین ﷺ پر یہ کتاب اتاری جس میں اولین اور آخرین کا علم جمع فرما دیا۔ اس میں اس کا یہ ارشاد ہے۔ اور اس کا قول حق ہے۔ ''اگر یہ آپ خاتم النبیین ﷺ کے امتی اپنی جانون پر ظلم کریں، پھر آپ خاتم النبیین ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اللہ تعالیٰ سے استغفار کریں، اور اللہ کے رسول بھی ان کی مغفرت کی سفارش کریں تو وہ ضرور اللہ تعالیٰ کو توبہ قبول کرنے والا نہایت مہربان پائیں گے'' میں بھی آپ خاتم النبیین ﷺ کی سفارش کا طلب گار ہوں، پھر قبر شریف کی طرف متوجہ ہو کہ انہوں نے یہ اشعار پڑھے:

ترجمہ: ''جتنے انسان زمین کے نیچے مدفون ہیں، ان میں آپ خاتم النبیین ﷺ کو سب پر فضیلت حاصل ہے۔ آپ خاتم النبیین ﷺ کے اعضاء مبارک

کی خوشبو سے پہاڑ اور میدان سب معطر ہیں۔آپ خاتم النبیین ﷺ وہ نبی ہیں جن کی شفاعت کی امید اس وقت کی جاسکتی ہے جس وقت قدم پل صراط پر پھسل رہے ہوں گے۔ میری جان اس زمین کے ٹکڑے پر قربان جو آپ خاتم النبیین ﷺ کا مسکن ہے۔اس میں عفت وجود وکرم اور تمام اخلاق کریمہ مدفون ہیں۔اور آپ خاتم النبیین ﷺ کے دونوں ساتھیوں کو بھی میں کبھی بھولوں گا نہیں۔میری طرف سے آپ تینوں پر سلام جب تک قدم چلتے رہیں۔''

پھر وہ اعرابی سوار ہو کر چلے گئے۔محمد عتبیؒ فرماتے ہیں کہ مجھ پر غنودگی طاری ہوئی اور مجھے سرکار مدینہ کی خواب میں زیارت ہوئی تو آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "اے عتبیؒ تو اس اعرابی کے پاس جلدی سے جا اور اسے بشارت دے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی مغفرت کر دی ہے''۔

سمعانیؒ نے روایت کی کہ ابوشجاع وزیر کا جب آخری وقت قریب ہوا اور دنیا سے عقبیٰ کی طرف جانے کا وقت آ گیا تو انہیں مسجد نبوی خاتم النبیین ﷺ میں لایا گیا، قبر کے کنارے کھڑے ہو کر روتے رہے اور فرمایا'' اے اللہ کے رسول خاتم النبیین ﷺ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اگر یہ آپ خاتم النبیین ﷺ کے امتی اپنی جانوں پر (گناہ کر کے) ظلم کر بیٹھیں، پھر آپ خاتم النبیین ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اللہ سے استغفار کریں اور اللہ کے رسول بھی ان کی مغفرت کی سفارش کریں، تو وہ ضرور اللہ تعالیٰ کو توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں گے۔اے اللہ کے رسول خاتم النبیین ﷺ میں بھی آپ خاتم النبیین ﷺ کے پاس آیا ہوں، مجھے اپنے گناہوں کا اعتراف ہے، اپنے جرائم کا اقرار کرتا ہوں اور آپ خاتم النبیین ﷺ کی شفاعت کا امیدوار ہوں''۔ پھر وہ روتے ہوئے واپس ہوئے اور اسی دن ان کا انتقال ہو گیا۔

حضرت جعفر صادقؒ نے فرمایا "امام احمدؒ کے ایک پڑوسی تھے جو گناہوں میں آلودہ رہتے تھے۔ایک روز امام احمدؒ کی مجلس میں آئے اور سلام کیا تو امام صاحب نے انہیں اچھی طرح جواب نہ دیا اور انہیں دیکھ کر خوش گواری کا اظہار نہ کیا۔انہوں نے عرض کیا "اے ابوعبداللہ آپ مجھ سے کیوں ناراض ہیں؟ میرے متعلق جو کچھ آپ کو معلوم ہے وہ سب کچھ میں چھوڑ چکا ہوں، ایک خواب کی بنا پر جو میں نے دیکھا۔آپ خاتم النبیین ﷺ کی زیارت مجھے خواب میں ہوئی اور آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا'' تو میرے پاس کیوں نہیں آتا کہ مجھ سے دعا کی التجا کرے؟'' وہ فرماتے ہیں میں نے عرض کیا'' اے اللہ کے رسول خاتم النبیین ﷺ مجھے آپ کے پاس حیا آنے میں مانع ہے۔مجھے اپنی سابقہ زندگی کی وجہ سے آپ خاتم النبیین ﷺ کے سامنے آتے ہوئے شرم آتی ہے''۔آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا کہ ''اگر چہ تجھے حیا مانع ہے لیکن پھر بھی تو کھڑا ہو جا''۔ میں کھڑا ہو گیا تو حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے میرے لیے دعا فرمائی۔خواب سے بیداری کے بعد جس حالت میں ساری زندگی میں نے گزاری تھی میرے دل میں وہ مبغوض اور ناپسندیدہ ہو گئی''۔

امام احمدؒ اپنے اصحاب مجلس اور شاگردوں کو یہ قصہ سنایا کرتے اور اس کو بیان کرنے کی وصیت فرمایا کرتے اور ارشاد فرماتے "اس میں بڑا نفع ہے"۔

الحمدللہ بے شک سب تعریف اللہ کے لیے ہی ہے۔لیکن وہ اپنی صفات کا مظہر جس کو بھی بنا دے وہ بھی قابل تعریف ہو جائے گا۔اور حقیقت میں وہ اللہ تعالیٰ ہی کی تعریف ہو گی۔وہ ذات جس پر اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے درود بھیجیں، وہ ذات جس کی شفاعت کے لیے اللہ تعالیٰ خود فرمائیں۔اس کی تعریف، درحقیقت اللہ تعالیٰ ہی کی تعریف ہو گی۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اس نقطہ کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔(آمین)

یہ دنیا اور اس کی تمام رنگینیاں صرف اور صرف صاحب قرآن ہی کی وجہ سے ہیں-

وہ زباں جس کو سب کن کی کنجی کہیں
اس کی نافذ حکومت پر لاکھوں سلام

**********

# حدیث کیا ہے؟(قرآن فہمی کے لیے حدیث کی ضرورت)

## حدیث کیا ہے؟

### حدیث کے لفظی معنی

(1) بات چیت (2) گفتگو (3) بیان (4) نئی بات (5)نئی چیز (6) ذکر (7)قصہ

### شرعی اصطلاح میں حدیث کے معنی

رسول پاک خاتم النبیین ﷺ کے قول،فعل اور عمل کو حدیث کہتے ہیں۔حدیث بیان کرنے والے یا حدیث کا علم رکھنے والے کو''محدث'' کہتے ہیں۔

### خبر:

خبر کے لفظی معنی ہیں،اطلاع،آ گاہی،واقفیت،پتا،سراغ،پیغام

### شرعی اصطلاح میں خبر کے معنی۔

جو بات نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کے علاوہ کسی بھی دوسرے سے مروی ہو اسے خبر کہتے ہیں اور خبر بیان کرنے والے کو''آثار'' کہتے ہیں۔

### حدیث اور خبر میں فرق

1۔ حدیث رسول پاک خاتم النبیین ﷺ سے مروی ہوتی ہے جبکہ خبر کسی غیر سے مروی ہوتی ہے۔

2۔ حدیث کا درجہ بلند اور معتبر ہے،جبکہ خبر کا درجہ حدیث کے مقابلے میں کمتر ہے۔

3۔ حدیث رسول پاک خاتم النبیین ﷺ کی زبانی ہوتی ہے،خبر صحابہ کرامؓ کی زبانی ہوتی ہے۔

4۔ حدیث خبر کے درجہ میں آجائے گی لیکن خبر حدیث نہیں ہوتی۔

تاہم عام طور پر خبر اور حدیث میں تخصیص نہیں کی جاتی۔

### راویوں کے حساب سے حدیث یا خبر کی اقسام

بلحاظ عدد رواۃ حدیث(خبر) کی چار اقسام ہیں۔

(1)حدیث متواتر (2)حدیث مشہور (3)حدیث عزیز (4)حدیث غریب

### حدیث متواتر

حدیث متواتر وہ حدیث ہے جس میں مندرجہ ذیل 4 شرائط پائی جائیں۔

1۔ راویوں کی تعداد کم از کم 4 ہو اور زیادہ سے زیادہ کی کوئی حد نہیں،یعنی محدث سے لے کر حضور پاک خاتم النبیین ﷺ تک اس کی اتنی سندیں ہوں کہ عادتاً اتفاقاً جھوٹ پر متفق ہونا محال ہو۔بعض علماء نے ہر زمانے میں چار یا پانچ یا سات یا بارہ یا چالیس یا ستر کی تعداد خبر متواتر یا حدیث متواتر کے لیے بیان کی ہیں۔

2۔ سند کے ہر مرحلے میں(ابتداء سے انتہاء تک)راویوں کی تعداد چار سے کم نہ ہو۔(سورۃ النجم۔آیت نمبر 4 - 3 )

3۔ راوی پر کذب کا اہتمام نہ ہو(الزام یا گمان نہ ہو)

4۔ سننے والے کو اس سے علم یقین حاصل ہو جائے کہ اس میں راوی کے گمان اور عقل وتخیل کو دخل نہیں ہے اور راوی کو اپنے بیان پر اطمینان ہو۔

خبر متواتر حدیث کو قطعی صحت کی حامل قرار دیا جاتا ہے اور اس کی سند وغیرہ پر جرح نہیں کی جاتی۔

### حدیث مشہور

حدیث مشہور وہ ہے کہ ہر طبقہ میں اس کی کم از کم تین راوی ہوں۔حدیث مشہور میں حدیث متواتر کی بعض شرائط مفقود ہوتی ہیں۔مثلاً دوسری شرط یا چوتھی شرط۔ حدیث مشہور کی ایک اور قسم بھی ہے جس کو مشہور عوام کہا جاتا ہے۔یاد رہے کہ مشہور اس خبر کو بھی کہتے ہیں جو زبان زد مخلوق ہوا گرچہ کوئی ایک سند بھی نہ ہو۔

### حدیث عزیز

خبر عزیز وہ ہے کہ ہر طبقہ میں اس کے کم از کم دو راوی ہوں۔ اگر کسی مقام پر دو سے زیادہ ہوں تو مضائقہ نہیں، بعض محدثین نے خبر عزیز کو خبر صحیح یا حدیث صحیح بھی کہا ہے۔ امام بخاریؒ نے اپنی کتاب صحیح بخاری میں جو احادیث درج کی ہیں وہ خبر عزیز پر مشتمل ہیں۔

## حدیث غریب

خبر غریب وہ ہے جس کی اسناد میں کسی جگہ صرف ایک راوی ہو اور اس کے ساتھ کوئی شریک نہ ہو۔ خبر غریب کو خبر فرد یا حدیث فرد بھی کہتے ہیں۔

## حدیث فرد کی دو قسمیں ہیں:

(1) فرد مطلق　　(2) فرد نسبی

## فرد مطلق

فرد مطلق وہ ہے جس کی سند میں صحابی سے روایت کرنے والا منفرد ہو، اس کے علاوہ دوسرے راوی منفرد ہوں یا نہ ہوں، کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ فرد مطلق کے علاوہ سارے راوی منفرد ہوتے ہیں۔

## فرد نسبی

فرد نسبی وہ ہے جس کی سند میں صحابی سے روایت کرنے والا کوئی نہ ہو بلکہ بعد کے کوئی راوی منفرد ہوں۔

## حجیت حدیث (اہمیت و ضرورت حدیث)

حدیث نبوی کو قرآن کے بعد دوسرا درجہ حاصل ہے ایک مسلمان کے لیے اللہ تعالیٰ کے حکم کے بعد رسول پاک خاتم النبیین ﷺ کے فرمان پر عمل کرنا لازم ہے۔ کسی بات کی حیثیت و اہمیت اس بات کے کہنے والے کی شخصیت و مقام کے لحاظ سے متعین کی جاتی ہے۔

آیئے دیکھتے ہیں کہ حدیث جس کی جانب منسوب ہے ان کا اللہ تعالیٰ کے ہاں کیا مقام ہے؟

1۔ مَنْ يُطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ (سورۃ النساء، آیت نمبر 80)

2۔ واطیعوَ اللہ و اطیعو الرسول (سورۃ محمد، آیت نمبر 33- سورۃ تغابن، آیت نمبر 12)

3۔ واطیعوِ اللہ و اطیعو الرسول (سورۃ انفال، آیت نمبر 1)

4۔ واطیعوَ اللہ و اطیعو الرسول لعلکم ترحمون (سورۃ آل عمران، آیت نمبر 132)

5۔ قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ (سورۃ آل عمران، آیت نمبر 31)

مطالعہ قرآن سے ثابت ہوتا ہے۔

1۔ مسلمان ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کے ساتھ ساتھ حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ کی رسالت پر ایمان لانا لازم ہے۔

2۔ اطاعت رسول خاتم النبیین ﷺ دین کی اساس ہے۔ اس سے انکار کرنا کفر ہے۔

3۔ اطاعت رسول خاتم النبیین ﷺ اطاعتِ الٰہی ہے۔

حدیث کے بارے میں مندرجہ ذیل باتیں یقین کے ساتھ کی جاسکتی ہیں:

1۔ حدیث اس مقدس ہستی کے کلام کا مفہوم ہے جس کی زبان پر قرآن پاک نازل ہوا۔

2۔ حدیث اللہ تعالیٰ کے احکامات و ارشادات کا مجموعہ ہے جسے رسول پاک خاتم النبیین ﷺ کی زبانی بیان فرمایا گیا۔

ارشاد الٰہی ہے کہ:

ترجمہ: ''یہ محمد خاتم النبیین ﷺ اپنی زبان سے (اپنے پاس سے) کچھ نہیں کہتے۔ ان کے ارشادات وحی ربّانی ہوتے ہیں''۔ (سورہ نجم، آیت نمبر 4-3)

3۔ حدیث رسول پاک خاتم النبیین ﷺ کے ان مقدس فیصلوں کا نام ہے جن پر عمل کئے بغیر انسان مومن نہیں ہوسکتا۔

4۔ حدیث دین و ایمان کی جڑ ہے اور بنیاد ہے۔ جسے ذات خدا نے اپنی محبت کی علامت قرار دیا ہے۔

مثلاً قرآن پاک میں فرمان الٰہی ہے (سورہ آل عمران، آیت نمبر 31)

ترجمہ : ''　　اے محمد خاتم النبیین ﷺ کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی

کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا''۔

5۔ حدیث پاک اسلام کی بنیادی تعلیم ہے۔جس پر اہل سنت صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین ائمہ کرام اور مجتہدین عمل کرتے آئے ہیں۔

6۔ حدیث پاک قرآن پاک کی تفسیر ہے جس کے بغیر قرآن پاک کی تفہیم ناممکن ہے۔حدیث، قرآن کی وہ تفسیر ہے جس کی تعلیم حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کو خود اللہ تعالیٰ نے فرمائی اور بہت تفصیل سے ذہن نشین کروائی۔

## قرآن فہمی کے لیے حدیث کی ضرورت

قرآن فہمی کے لیے حدیث کی اشد ضرورت ہے۔یہ بات یوں بھی کہی جاسکتی ہے کہ حدیث فہمی کے بغیر قرآن فہمی ناممکن ہے۔

1۔ مثلاً درج ذیل امور کی تشریح صرف حدیث ہی سے ممکن ہے۔قرآن میں اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔''نماز قائم کرو'' قرآن پاک میں اس نماز کو قائم کرنے کا طریقہ، قیام رکوع، سجود وغیرہ کی ترتیب اور رکعت کی تعداد وغیرہ بیان نہیں کی گئیں۔ان سب باتوں کا علم ہمیں حدیث نبوی خاتم النبیین ﷺ ہی سے حاصل ہوتا ہے۔

2۔ قرآن پاک میں زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم ہے مگر زکوٰۃ نصاب کی مقدار مقرر نہیں کی گئی۔نہ یہ بتایا گیا کہ کن چیزوں پر کیا کیا اور کتنی زکوٰۃ ہے۔چنانچہ زکوٰۃ کے سلسلے میں یہ تمام احکامات حدیث نبوی خاتم النبیین ﷺ سے ہی حاصل ہوتے ہیں۔

3۔ قرآن پاک میں حج کا حکم ہے لیکن حج کس طرح کیا جائے؟ یہ حدیث نبوی خاتم النبیین ﷺ سے معلوم ہوتا ہے اور یہ بھی حج زندگی میں کتنی بار کرنا ہے؟ اور کون کون لوگ حج کرنے کے زمرے میں آتے ہیں؟۔

4۔ قرآن پاک میں روزے کا حکم ہے لیکن سحری کے اوقات، افطار کے اوقات، تمام باتیں حدیث نبوی خاتم النبیین ﷺ سے معلوم ہوتی ہیں۔

5۔ قرآن پاک میں حکم ہوا کہ چوری کرنے والے مرد اور چوری کرنے والی عورت کے ہاتھ کاٹ دو۔لیکن یہ نہیں بیان کیا گیا کہ کونسا ہاتھ اور کس قدر ہاتھ کاٹا جائے۔اس امر کی تشریح حدیث میں کی گئی ہے۔

6۔ قرآن پاک میں حلال اور حرام اشیاء کے بارے میں ایک اصول بیان کر دیا گیا ہے کہ طیب چیزیں حلال اور غیر طیب چیزیں حرام ہیں۔مزید وضاحت رسول پاک خاتم النبیین ﷺ پر چھوڑ دی گئی ہے۔چنانچہ حلال اور حرام کی وضاحت حدیث ہی کے ذریعے ہوسکتی ہے۔

## حجیت حدیث نگاہ رسول خاتم النبیین ﷺ میں

رسول پاک خاتم النبیین ﷺ مسلمانوں کو قرآن اور اپنی سنت پر عمل کرنے کا حکم فرماتے رہے۔اس سلسلے میں چند مثالیں درج ذیل ہیں۔

1۔رسول پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا''خبردار رہو، مجھے قرآن دیا گیا اور اس کے ساتھ ویسی ہی ایک اور چیز (یعنی حدیث یا سنت رسول خاتم النبیین ﷺ ہے)''(سنن ابی داؤد)

2۔رسول پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا''میری تمام امت جنت میں جائے گی۔سوائے ان کے جو انکار کریں''۔صحابہ کرامؓ نے عرض کیا''یا رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ انکار کون کرتا ہے؟'' آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا''جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں جائے گا اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے انکار کیا۔''(بخاری)

3۔ رسول پاک خاتم النبیین ﷺ فرمایا''جس نے میری سنت کو زندہ کیا اس نے مجھے زندہ کیا''(ترمذی شریف)

## حجیت حدیث صحابہ کرامؓ کی نظر میں

حضرت ابوبکرؓ کا طرز عمل یہ تھا کہ آپؓ کے پاس جب کوئی معاملہ پیش (آتا) ہوتا تو آپؓ قرآن پاک میں اس کا حکم تلاش کرتے، اگر وہاں حکم پاتے اس کے مطابق فیصلہ کرتے۔اس کی موجودگی میں دوسری جانب متوجہ نہ ہوتے۔اگر معاملے کا کتاب اللہ میں حکم نہیں ملتا تو رسول پاک خاتم النبیین ﷺ کی سنت کے مطابق (حدیث کے مطابق) فیصلہ کرتے یہی عمل حضرت عمرؓ، حضرت عثمان غنیؓ، حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی اپنے اپنے عہد خلافت میں کرتے رہے، یعنی اول قرآن اور اس کے بعد سنت نبوی خاتم النبیین ﷺ پر عمل فرماتے۔

## حجیت حدیث فقہا و آئمہ کرام کی نظر میں

تمام آئمہ کرام نے قرآن پاک کے بعد دوسرا درجہ حدیث نبوی خاتم النبیین ﷺ کو دیا ہے۔انہوں نے حدیث فہمی کے لیے اپنی عمریں گزاریں اور آنے والی نسلوں کے لیے　　حدیث کی کتب مرتب کیں۔حضرت امام ابوحنیفہؒ فرمایا کرتے تھے کہ جو بات رسول

پاک خاتم النبیین ﷺ سے منقول ہو وہ بصر و چشم تسلیم ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کا یہ قول بھی ہے کہ جب حدیث صحیح موجود ہو تو میرا ایمان وہی ہے۔ امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں ''جس نے حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی حدیث کو رد کیا وہ تباہی کے کنارے پر جا پہنچا۔''

# قرآن مجید کی سچائی اور سائنس کے اعتراضات

جدید سائنسی علوم جن کائناتی سچائیوں پر سے پردہ اٹھا رہے ہیں اور قدم قدم پر انکشافات کی نئی نئی دنیاؤں کے ظہور کی تصدیق کر رہے ہیں اس سے اسلام اور پیغمبر اسلام کی آفاقی تعلیمات کی سائنسی توجیہہ خود بخود ہوتی جا رہی ہے اور آج کا سائنس دان اپنی سائنسی تحقیقات کے حوالے سے قرآن کو الہامی کتاب اور حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کو اللہ کا آخری نبی تسلیم کرنے پر مجبور ہے۔

## قرآن مجید اور سائنس

### 1۔ فرعون کا انجام:

(سورہ یونس۔ آیت نمبر 91 تا 92)

ترجمہ: ''پہلے سرکشی کرتا رہا اور مفسدوں میں شامل رہا (یعنی فسادی تھا۔ اب نجات چاہتا ہے) آج ہم تیرے بدن کو پانی میں تہہ نشین ہونے سے نجات دیں گے (یعنی لاش کو) تاکہ تو اپنے پچھلوں کے لئے عبرت (نشانی) ہو''۔

بے شمار تاریخی حقائق سے یہ بات ثابت ہوگئی ہے کہ حنوط شدہ لاش جس کا نام ''رامن دوئم'' اس فرعون (خدا) کی ہے جو سمندر میں غرق ہوا تھا۔ اس کی لاش ساحل پر آ لگی تھی اور وہاں سے اس لاش کو اس جگہ لایا گیا جہاں وہ آج کل موجود ہے۔ اللہ نے فرعون کو بچانے کا وعدہ پورا کیا۔ تاکہ وہ آنے والے لوگوں کے لیے عبرت کا نشان بن سکے اور لوگوں کو اس حقیقت کا یقین ہو جائے کہ دنیا کی کوئی طاقت اللہ تعالیٰ سے ٹکر لینے والوں کو نہیں بچا سکتی۔

### 2۔ سورج اور چاند

سورہ انبیاء۔ آیت نمبر 33

ترجمہ: ''وہ اللہ ہی ہے جس نے رات اور دن اور سورج اور چاند کو پیدا کیا۔ یہ سب اپنے اپنے مدار میں تیر رہے ہیں''۔

سورہ یٰسین آیت نمبر 39 اور 40

ترجمہ: ''اور چاند کی ہم نے منزلیں مقرر کر رکھی ہیں۔ حتیٰ کہ وہ پھر پھرا کر کھجور کی سوکھی شاخ کی مانند رہ جاتا ہے۔ نہ سورج کے بس میں ہے کہ وہ چاند کو جا پکڑے اور نہ رات دن پر سبقت لے سکتی ہے اور یہ سب اپنے اپنے مدار میں تیر رہے ہیں''۔

قرآن پاک نے ستاروں اور سیاروں کے مداروں کا ذکر کیا ہے۔ آج سے ہزار ڈیڑھ ہزار سال قبل دنیا میں افلاک یا مداروں کا کوئی ذکر نہیں تھا لیکن علم فلکیات کی پیش رفت کے نتیجے میں آج ہم بخوبی جانتے ہیں کہ ستاروں اور سیاروں کے مدار قرآن کی اصطلاح میں فلک ہیں اور یہ کہ قرآن پاک نے جو افلاک (مداروں) کا نظریہ پیش کیا ہے آج اس کا اعتراف سائنس نے صدیوں بعد کر دیا ہے۔

### 3۔ کائناتی کشش

سورہ رعد، آیت نمبر 2

ترجمہ: "اور اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو بغیر ستونوں کے اونچا کھڑا کیا۔ چنانچہ تم ان کو اس طرح دیکھ رہے ہو۔ پھر عرش قائم فرمایا ہوا اور سورج اور چاند کو کام میں لگا دیا۔ ہر ایک معین وقت تک چلتا رہتا ہے۔ وہی اللہ ہر کام کی تدبیر فرماتا ہے"۔

سورہ یٰسین۔ آیت نمبر 39 تا 40

ترجمہ: ''اور چاند کے لئے منزلیں مقرر کیں یہاں تک کہ ایسا رہ جاتا ہے جیسے کھجور کی پرانی ٹہنی۔ نہ سورج کی مجال ہے کہ چاند کو جا پکڑیں اور نہ رات دن سے پہلے آ سکتی ہے''۔

ہم جانتے ہیں کہ مشہور سائنس دان نیوٹن سے پہلے کسی کو معلوم نہ تھا کہ کشش ثقل (Force of

(Gravity ہوتی ہے۔ نیوٹن کی جس دریافت نے اسے پوری دنیا میں مشہور کیا۔ وہ کشش ثقل کی دریافت ہے۔ نیوٹن نے اس بات کو ثابت کیا کہ چیزوں کا زمین پر گرنا، چاند کی گردش، سورج کے گرد چکر لگانے والے تمام سیاروں کی گردش ایک ہی قانون کے تحت ہیں اور وہ قانون ''کائناتی کشش'' کا ہے۔

## 4۔ شیریں اور کھاری پانی کی خصوصیات کا برقرار رہنا

سورہ الرحمن، آیت نمبر 20-19

ترجمہ ''اسی نے دو دریاؤں کو ملایا اور ان دونوں کے درمیان میں ایک قدرتی حجاب ہے کہ دونوں ایک دوسرے پر بڑھ نہیں سکتے''۔

سورۃ الفرقان آیت نمبر 53

ترجمہ: ''اور وہی ہے جس نے رواں کئے ملے ہوئے دو سمندر (یعنی ظاہراً دونوں کو ملا دیا) جن میں سے ایک نہایت شیریں ہے اور ایک کڑوا کھارا اور ان کے درمیان اپنی قدرت سے ایک حجاب (پردہ) رکھا اور روکی ہوئی آڑ۔''

قدرت الٰہیہ سے ان میں ایسی حد فاصل ہے کہ ایک جانب سے پانی لیا جائے تو شیریں اور دوسری طرف سے پانی لیا جائے تو کھاری ہے'' (ان میں قدرتی دیوار حائل ہے نہ کھاری سمندر شریں کو نمکین و تلخ بنا سکتا ہے اور نہ شریں سمندر کھاری کو میٹھا کر سکتا ہے)۔

جدید سائنسی تحقیقات سے یہ بات ثابت ہوئی ہے کہ وہ جگہیں جہاں دو دریا آپس میں ملتے ہیں وہاں دونوں کے پانیوں کے بیچ میں ایک دکھائی نہ دینے والی رکاوٹ موجود ہے۔ جو دونوں دریاؤں کے پانی کو ایک دوسرے میں حل ہونے سے بچاتی ہے۔ اس رکاوٹ کی وجہ سے ایک ہی سمندر میں ہونے کے باوجود دونوں دریاؤں کا پانی الگ الگ خصوصیات کے ساتھ سینکڑوں میل تک اس طرح سفر کرتا ہے کہ دونوں کا درجہ حرارت Density اور Salinity ایک دوسرے سے مختلف ہوتا ہے۔ یہ معلومات جدید سائنسی آلہ کی بدولت حال میں ہی دریافت ہوئی ہے۔ جب کہ قرآن پاک نے اس کی خبر آج سے چودہ سو سال قبل دے دی تھی۔

## 4۔ زمین کا پتی اگر پہاڑ نہ ہوتے

سورۃ لقمان، آیت نمبر 10

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو بلا ستون بنایا۔ تم ان کو دیکھ رہے ہو۔ اور زمین میں پہاڑ ڈال رکھے ہیں کہ وہ تم کو لے کر ڈانواں ڈول نہ ہو جائے اور اس میں ہر قسم کے جانور پھیلا رکھے ہیں اور ہم نے آسمان سے پانی برسایا پھر اس زمین میں ہر طرح کے عمدہ جوڑے اُگائے''۔

اس آیت میں بیان کیا گیا ہے کہ پہاڑ زمین میں میخوں کی طرح ہے جو زمین کو جکڑے ہوئے ہیں تا کہ وہ قائم رہ سکے۔ آج سائنس نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ اگر زمین کی سطح کا جائزہ لیا جائے تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ زمین کو مٹی اور ریت کی نرم تہہ نے ڈھانپ رکھا ہے۔ اگر زمین پر سخت اور مضبوط پہاڑ نہ ہوتے تو چاند کی کشش کے باعث زمین اپنی مضبوطی کھو بیٹھتی اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ مسلسل جھٹکے، زلزلے اور کپکپی ہوتی رہتی جو آخر کار زمین کو تہس نہس کر دیتی۔ یہ پہاڑوں کی موجودگی کے باعث ہی ممکن ہوا ہے کہ زمین اپنے اندر مائع حالت میں موجود معدنیات اور گیسوں سے پیدا شدہ زور آور لہروں کو با آسانی برداشت کر لیتی ہے ورنہ شاید اس کرہ ارض سے زندگی کا وجود مٹ چکا ہوتا۔

## 5۔ دنیا کی تمام اشیاء جوڑا جوڑا پیدا کی گئیں

اس دور میں سائنس دانوں نے یہ انکشاف کیا ہے کہ نباتات میں بھی ہر چیز جوڑا جوڑا ہے۔ ایک نر ہے اور ایک مادہ ہے۔ قرآن پاک میں یہ بات وضاحت میں بیان کر دی گئی ہے۔

سورۃ رعد، آیت نمبر 3

ترجمہ: ''اور (اسی نے) ہر طرح کے پھلوں کے دو دو جوڑے بنائے''

سورۃ یٰسین، آیت نمبر 36

ترجمہ: ''پاک ہے وہ ذات جس نے جملہ اقسام کے جوڑے پیدا کئے ان چیزوں سے جنہیں زمین اگاتی ہے اور خود ان کی اپنی جنس (نوع انسانی) کے اور ان اشیاء کے بھی جن کو جانتے تک نہیں''۔

کچھ عرصہ پہلے ہی اس بات کا پتہ چلا ہے کہ پودوں کی افزائش میں بھی نر اور مادہ کے ملاپ کا عنصر پایا جاتا ہے اور ہر جاندار کی افزائش نر اور مادہ کے ملاپ سے ہی ممکن ہوسکتی ہے۔

### 6۔ وضو اچھی صحت کا بہترین نسخہ

سورۃ المائدہ آیت نمبر 6

ترجمہ: ''اے ایمان والو جب تم اٹھو نماز (صلوٰۃ) ادا کرنے کے لئے تو دھولو اپنے چہرے اور اپنے بازو کہنیوں تک اور مسح کرو اپنے سروں پر اور دھولو اپنے پاؤں ٹخنوں تک اور اگر ہو تم جنبی (ناپاک) تو سارا (سارا بدن) پاک کرلو''۔

قرآن پاک کی اس آیت کی معرفت کو ابھی ماضی قریب ہی میں دنیا نے پہچانا ہے۔ اس سلسلے میں حقائق پر سائنس دانوں نے (علم حیات کے ماہرین) پچھلے بیس سالوں میں کئی دریافتیں کی ہیں۔ آیئے دیکھتے ہیں کہ طہارت اور وضو کس طرح انسانی جسم کو فائدہ پہنچاتے ہیں۔

### وضو کی فوائد:

1۔ خون کی شریانوں کا کام دو بڑے Biological اصولوں پر قائم ہے۔ پہلا اصول دل کا وہ کام ہے جس سے خون کا ایک ایک خلیے تک پہنچانا ہے۔

2۔ دوسرا اصول جسم میں استعمال شدہ خون کو دل تک واپس پہنچانا ہے۔ اگر ایک دفعہ یہ دوران خون درہم برہم ہوجائے تو Diostatic خون کا دباؤ بڑھ جاتا ہے۔ ڈائی سٹاٹک دل کی دھڑکن کا وہ عمل ہے جس سے دل کا پٹھا کھچاؤ کے بعد ڈھیلا پڑتا ہے جس کی وجہ سے دل شریانوں سے واپس آنے والے خون سے دوبارہ بھر جاتا ہے۔ خون کے اس دباؤ کے بڑھنے سے بڑھاپے کے عمل میں تیزی آجاتی ہے۔ اس دوطرفہ خون کا سب سے اہم پہلوان شریانوں کا صحت مند عمل ہے۔ جس سے خون کو دل سے Veins تک پہنچایا جاتا ہے۔ پھر بال سے باریک نسوں اور شریانوں سے خون کو دوبارہ دل تک لایا جاتا ہے۔ خون کی نسیں ان لچکدار ٹیوبوں سے مماثلت رکھتی ہیں جو دل سے نکل کر بدن تک پھیلتی ہیں۔ اگر یہ باریک نہیں سخت ہوکر اپنی لچک کم کردیں تو دل پر دباؤ بڑھ جاتا ہے۔ خون کی نالیوں کا غیر لچکدار ہونا یا سکڑنا کوئی اچانک عمل نہیں بلکہ یہ سلسلہ ایک لمبے عرصے پر محیط ہوتا ہے۔ اس سلسلے میں وہ نالیاں جو دل سے دوری پر یعنی دماغ اور ہاتھوں میں ہوتی ہیں زیادہ اثر قبول کرتی ہیں۔

ہماری روزمرہ زندگی میں ایک خاص چیز ہے جو ایک طرح سے خون کی نالیوں کو پھیلنے اور سکڑنے کے عمل پر اثر انداز ہوتی ہے وہ خاص چیز ہے پانی۔ جو درجہ حرارت (ٹمپریچر) کا اتار چڑھاؤ پیدا کرتا ہے۔ گرم پانی خون کی نالیوں کو جو دل سے فاصلے پر ہوتی ہیں۔ کھول کر لچک اور طاقت مہیا کرتا ہے۔ اسی طرح سرد پانی ان کو سکڑنے کے عمل سے گزارتا ہے۔ اس طرح ورزش کا یہ عمل ان غذائی چیزوں کو جو نسوں میں خون کی سست گردش کی وجہ سے جم جاتی ہیں دوبارہ خون کی گردش میں شامل کردیتا ہے۔ اس سائنسی اور طبی حقائق کو جاننے کے بعد اب یہ ممکن ہوگیا ہے کہ قرآن کی آیت وضو ہمیں کیا سکھاتی اور کیا فائدہ پہنچاتی ہے۔ جس میں کہا گیا ہے کہ وضو میں ہاتھ پاؤں اور منہ کو دھولیا کرو۔ یہ بجائے خود ایک معجزہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں خون کی گردش کا بے بہا انعام عطا کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ہم وضو کریں تاکہ ہم پر اللہ تعالیٰ کی نعمت اس طرح ہو کہ دوران خون متناسب طریقے سے قائم رہے اور ہم مکمل طور پر صحت مند رہیں۔

### 3۔ وضو کا متعدی بیماریوں سے محفوظ رکھنے کا نظام پر اثر

خون میں گردش کرتے ہوئے سرخ خلیوں کے ساتھ ساتھ سفید خلیے بھی ہوتے ہیں۔ سفید خلیوں کو گردش میں رکھنے والے نظام (Venels) اس نظام سے 10 گناہ پتلا (Thinner) ہوتا ہے جو خلیوں کو گردش میں رکھتا ہے۔ جسم کے حفاظتی نظام کی گردش کا سلسلہ عام طور پر وضو کے ذریعے محرک کرنے کے عمل سے جڑا ہوا ہوتا ہے۔ جسم کے حفاظتی نظام کو جو بیماریوں کے خلاف ڈھال کا کام دیتا ہے۔ وضو سے تقویت حاصل ہوتی ہے۔ اس طرح آیت کے آخری حصہ میں جس نعمت کا ذکر کیا گیا ہے۔ وہ پوری طرح عیاں ہوجاتی ہے۔ وضو کرنے کا عمل انسانی جسم کی حفاظت کے انتظام کو مضبوط تر بناتا ہے۔ انسانی جسم کے سب طاقتور خلیے جنہیں المغی کہتے ہیں۔ جسم کے دور دراز مقامات تک پہنچتے ہیں اور ایک دن میں جسم کے ہر مقام پر دس مرتبہ گشت کرتے ہیں۔ اس دوران اگر ان کی مڈبھیڑ کسی جرثومے یا کینسر کے خلیے سے ہوتی ہے تو اس کو فوراً تباہ کردیتے ہیں۔ کیا اللہ تبارک تعالیٰ کی طرف سے یہ انتہائی اعلیٰ درجے کی نعمت نہیں ہے؟ اگر کبھی کبھی دوران خون میں کسی قسم کا نقص پیدا ہوتا ہے اور ہم اپنی وضو کرنے کی عادت کے ذریعے اسے رد کرسکتے ہیں تو کیا یہ قدرت کی عظیم ترین مہربانی نہیں ہے؟

### 4۔ وضو اور جسم کی ساکت برق Static Electricity

جسم میں static electrcity کا ایک توازن موجود ہے اور ایک صحت مند جسم کی فعلیت ( کام ) کا اس سے گہرا رشتہ ہے۔Static Electricity کا سب سے زیادہ نقصان دہ اثر ہے جو جلد کے نیچے نزدیک ترین چھوٹے چھوٹے پٹھوں پر اس تسلسل سے پڑتا ہے کہ بالآخر یہ کام کرنا چھوڑ دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وقت سے پہلے جھریاں پڑنی شروع ہو جاتی ہیں۔ Static Electricity کے مسائل سے کئی قسم کے نفسیاتی مسائل اور نفسیاتی بیماریاں بھی پیدا ہو جاتی ہیں۔ ہم صرف خوبصورتی کے متعلق بات کرتے ہیں جو آج کل بے حد فیشن ایبل مضمون بن چکا ہے۔

جھریاں صرف چہرے ہی پر نہیں بلکہ یہ عمل تمام جسم پر اثر انداز ہوتا ہے۔ جو کوئی بھی وضو کی عادت رکھتا ہے وہ یقیناً زیادہ صحت منداور نتیجتاً زیادہ خوبصورت جلد کا مالک ہوتا ہے۔ ہمارے زمانے میں یہ ایک معجزہ ہی ہے۔ کہ جب اس خوبصورتی کے لئے کروڑں کے اخراجات کئے جا رہے ہیں۔ مگر اس سے دس گنا زیادہ خرچ بھی وضو کی برکات کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

## 7۔ وہی ہے جس نے ہر جاندار کو پانی سے بنایا

سورۃ الانبیاء، آیت نمبر 30

ترجمہ: ''اور ہم نے پانی سے ہر زندہ چیز بنائی''۔

سورۃ نور، آیت نمبر 45

ترجمہ: ''اور اللہ تعالیٰ نے زمین پر چلنے والا ہر جاندار پانی سے پیدا فرمایا''۔

دور جدید کے سائنس دان اس بات پر متفق ہیں کہ زندگی کی ابتداء پانی سے ہوئی۔ پانی تمام جاندار خلیات کا جزو اعظم ہے اور اس کے بغیر زندگی ممکن نہیں''۔

## 8۔ بلندی پر سانس کی تنگی

سورۃ انعام، آیت نمبر 125

ترجمہ: پس (یہ حقیقت ہے کہ) اللہ جسے ہدایت بخشنے کا ارادہ رکھتا ہے اس کا سینہ اسلام کے لئے کھول دیتا ہے اور جسے گمراہ کرنے کا ارادہ رکھتا ہے اس کا سینہ تنگ خوب رکا ہوا کر دیتا ہے گویا وہ آسمان پر چڑھ رہا ہے (بلندی کو جا رہا ہے)''۔

دور جدید میں جب انسان نے ہوائی جہاز ایجاد کیا اور وہ 30,40 ہزار فٹ کی بلندی پر پرواز کرنے لگا تو اسے معلوم ہوا کہ بلندی پر جاتے ہوئے نسبتاً کم آکسیجن مہیا ہوتی ہے اور سانس لینے میں بہت دشواری پیش آتی ہے۔ اس شدید گھٹن سے بچنے کے لئے ہوائی جہاز میں مصنوعی آکسیجن لے جانے کا انتظام کیا جاتا ہے۔

## 9۔ قرآن ہمیں تیل کی موجودگی کے بارے میں بتاتا ہے

سورۃ الاعلیٰ۔ آیت نمبر 5-4 میں ارشاد باری تعالیٰ ہے

ترجمہ": جس اللہ نے نباتات اگائی اور پھر ان کو سیاہ کوڑا (سیلاب) میں تبدیل کر دیا"۔

ان آیات کو پڑھنے کے بعد ایک شخص جو علم ارضیات (Geology) کا علم رکھتا ہے۔ سمجھ جائے گا کہ اس آیت میں تیل کی طرف اشارہ ہے۔ سورہ اعلیٰ کائنات کی ابتداء کی صاف انداز میں تشریح پہلی پانچ آیات میں کرتی ہے۔

ترجمہ: ''تمہارا رب جس نے پیدا کیا اور جس نے تناسب قائم رکھا اور جس نے راستہ دکھایا "۔ (آیات 2 تا 3)۔

یہ آیات کائنات کی تخلیق کے لئے بنیادی قوانین ہیں۔ ہمارے موضوع کے متعلق آیات ان آیات کے فوراً بعد آتی ہیں۔ نباتات اور بڑے بڑے جنگلات اس قدر تھے کہ اگر یہ کرہ ارض پر موجود رہتے تو فضا میں آکسیجن کی مقدار بے قابو ہو کر اس قدر بڑھ جاتی کہ کسی موقعہ پر سب کچھ جل اٹھتا۔ پہلے سے مقرر کردہ تناسب زیر زمین دفن کر دیئے گئے۔ ان کا کام مکمل ہو گیا اور یہ تیل میں تبدیل ہو گئے جو عظیم زمینی تبدیلیوں کی وجہ سے ممکن ہوا۔ یہ سائنس نے ہمارے ہی دور میں حتمی طور پر ثابت کر دیا ہے کہ تیل زیر زمین سیاہ دریاؤں کی صورت میں بہتا ہے۔ آیت کریمہ میں سیلاب کھلے طور پر تیل کے بہاؤ کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ اس بہاؤ کو پیٹرولیم کی صفت میں تیل کی ہجرت Oil Migration کہا جاتا ہے جس کی طرف قرآن پاک نے چودہ صدیاں پہلے اشارہ کر دیا تھا۔

## 10۔ وہی ہے جس نے تمہارے لئے ہرے بھرے درخت سے آگ پیدا کی

سورہ یٰسین، آیت نمبر 80

ترجمہ: ''وہی ہے جس نے تمہارے لئے ہرے بھرے درخت سے آگ پیدا کی اور تم اس سے آگ روشن کرتے ہو''۔

جدید سائنس نے ثابت کر دیا ہے کہ آکسیجن پودوں اور سبز درختوں سے وجود میں آتی ہے۔ یعنی جلنے کا سب سے اہم جوہر (آکسیجن) سبز درختوں سے پیدا ہوتا ہے۔ اور عمل تکسیر (oxidation) پر مشتمل ہے۔ جلنے کا عمل بغیر آکسیجن کے ممکن نہیں لہٰذا آگ کا ظاہر ہونا سبز درختوں سے آکسیجن کے نکلنے سے تعبیر ہے۔

## 11۔ کائنات کا وجود میں آنا

سورۃ انعام، آیت نمبر 1

ترجمہ: ''وہ آسمانوں اور زمین کا موجد ہے''

آج فلکی طبعیات کے ماہرین جس نتیجہ پر پہنچے ہیں وہ یہ کہ پوری کائنات اپنی تمام تر وسعتوں سمیت ایک بہت بڑے دھماکے کے بعد عدم سے وجود میں آئی ہے جو پلک جھپکنے میں رونما ہو گیا تھا۔ اس واقعے کو Big Bang کہتے ہیں۔ جس نے یہ ثابت کیا کہ یہ کائنات ایک اشارے سے آن واحد میں وجود میں آ گئی اور اس کے نتیجے میں کئی کہکشائیں وجود میں آئیں۔ پھر یہ کہکشائیں ستاروں، سیاروں، سورج اور چاند وغیرہ کی شکل میں تقسیم ہوتی چلی گئی یعنی کائنات کی ابتداء انتہائی منفرد انداز میں ہوئی۔

سورۃ الانبیاء، آیت نمبر 30

ترجمہ: ''کیا انکار کرنے والے دیکھتے نہیں کہ آسمان اور زمین باہم ملے ہوئے تھے پھر ہم نے انہیں جدا جدا کر دیا''۔

قرآن کی آیت اور Bing Bang میں جو حیرت انگیز یکسانیت موجود ہے اس سے انکار ممکن نہیں۔ قرآن پاک عمیق سائنسی سچائی سے بھرپور ہے۔

## 12۔ پھیلی ہوئی کائنات

سورۃ الذاریات۔ آیت 47

ترجمہ: ''ہم نے آسمان کو قوت سے بنایا اور ہم اس میں توسیع کرتے رہیں گے''۔

1925 سے 1929 میں جو مشاہداتی اعداد و شمار سامنے آئے ان سے یہ حقیقت ثابت ہو گئی تھی کہ ایڈون ہبیل نے جو ایک امریکی ماہر فلکیات تھا اپنی دوربین کی مدد سے آسمان کا مشاہدہ کرتے ہوئے دریافت کیا کہ Big Bang کے واقعے کے بعد کائنات میں تیزی سے مستقل کشادگی اور توسیع ہو رہی ہے۔

## 13۔ محفوظ چھت

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے آسمان کی ایک نہایت دلچسپ خاصیت کی جانب ہماری توجہ دلائی۔ سورہ الانبیاء۔ آیت نمبر 32 میں ارشاد باری تعالیٰ ہے

ترجمہ: ''آسمان کو محفوظ چھت بھی ہم نے ہی بنایا ہے لیکن لوگ ان قدرت کے نمونوں پر دھیان نہیں دیتے''۔

بیسویں صدی میں جو تحقیق ہوئی اس میں آسمان کی اس خاصیت کا ثبوت پیش کیا گیا ہے۔ زمین کو جس گرد و پیش نے اپنے حصار میں لے رکھا ہے وہ زندگی کے تسلسل کے لئے بڑی آفادیت لیے ہوئے ہے۔ بہت سے شہاب ثاقب کو زمین تک پہنچنے سے قبل ہی تباہ کر دیا جاتا ہے۔ خلا صرف ان کرنوں کو زمین تک جانے دیتی ہے جن کی زندگی کے لئے ضرورت ہوتی ہے۔ مزید یہ کہ خلا روشنی کی ان کرنوں کو جو زمین تک آ رہی ہوتی ہیں اور جان داروں کے لئے مضر ہوتی ہیں۔ چھان کر بھیجتا ہے۔ سورج سے خارج ہونے والی بنفشی کرنوں میں سے اکثر خلا میں موجود اوزون کی تہہ میں سے چھن کر نکلتی ہیں اور بالائے بنفشی کرنوں کا صرف کچھ حصہ زمین تک پہنچتا ہے۔ جو پودوں کی ضیائی تالیف کے لئے اور تمام جانداروں کے زندہ رہنے کے لئے ضروری ہوتی ہیں۔ خلا کا یہ حفاظتی کام یہاں ہی ختم نہیں ہوتا۔ خلا زمین کو یخ بستہ ہونے سے بھی بچاتا ہے۔ خلا میں تیرنے والے اجرام فلکی زمین کے لیے بڑے خطرے کا باعث بن سکتے ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو پوری جامعیت کے ساتھ تخلیق کیا ہے۔ اس نے خلا کو ایک محفوظ چھت بنا دیا ہے۔ اگر خلا نہ ہوتا تو کئی ملین شہاب ثاقب زمین پر گر کر اسے ناقابل رہائش بنا دیتے مگر اس محفوظ چھت کی وجہ سے زمین پر جانداروں کو حفاظت اور سلامتی کے ساتھ زندہ رہنا نصیب ہو گیا ہے۔

## 14۔ سورج روشنی کا منبع اور چاند روشن ہے

قدیم تہذیبوں میں سے یہ عقیدہ عام تھا کہ چاند سے اس کی اپنی روشنی پھوٹتی ہے۔آج ہم پر یہ حق آشکار ہو گیا ہے کہ چاند کی روشنی اپنی نہیں بلکہ منعکس شدہ ہے جبکہ یہ سچائی قرآن مجید نے چودہ سو سال پہلے بیان کر دی تھی۔مندرجہ ذیل آیتیں قابل غور ہیں

سورۃ فرقان۔آیت نمبر 61

ترجمہ:''وہ ذات بڑی برکت والی ہے جس نے آسمان میں برج بنائے اور اس میں ایک چراغ (سورج) اور ایک چمکتا ہوا چاند بھی بنایا''۔

سورج کو عربی زبان میں شمس کہتے ہیں۔اسے سراج یعنی مشعل بھی کہا جاتا ہے اور دلھاج بھی جس کے معنی جلتے ہوئے چراغ کے ہیں۔یہ عنوانات سورج کی بالکل موزوں تعبیر کرتے ہیں اس لئے کہ سورج اپنی خود افروختگی (self.inmmolation) کے ذریعے شدید حرارت اور بے پناہ روشنی پیدا کرتا ہے۔چاند کو عربی میں'' قمر'' کہا جاتا ہے اسے قرآن کریم نے منیر سے موصوف کیا ہے۔یعنی ایسا جسم کا وصف ''نور'' یا منعکس شدہ روشنی دیتا ہو۔یہاں پھر قرآن مجید نے چاند کی صحیح ماہیت کو صاف ظاہر کر کے رکھ دیا ہے کہ چاند خود روشن نہیں ہے بلکہ سورج سے روشنی لیتا اور زمین پر یہ روشنی منعکس کرتا ہے۔پورے قرآن پاک میں ایک مقام پر بھی چاند کو''سراج'' یا'' دلھاج'' نہیں کہا گیا۔اور نہ کہیں سورج کو نور یا منیر کے الفاظ سے موسوم کیا گیا ہے۔سورۃ یونس۔آیت 5

ترجمہ:''وہی ہے جس نے سورج کو اجالا بنایا اور چاند کو چمک دی''۔

سورۃ نوح آیت 16-15

ترجمہ:''کیا دیکھتے نہیں ہو کہ اللہ نے کسطرح سات آسمان تہہ در تہہ بنائے اور ان میں چاند کو نور اور سورج کو چراغ بنایا''۔

## 15۔ ہم نے لوہے کو اتارا

لوہا ایک ایسی شے ہے جس کا ذکر قرآن مجید میں نمایاں طور پر آیا ہے۔

سورہ حدید آیت نمبر 25

ترجمہ:''اور ہم نے لوہے کو اتارا جس میں سخت ہیبت اور قوت ہے اور لوگوں کے لیے اور بھی بہت سے فائدے ہیں''۔

اس آیت میں لفظ اتارا بطور خاص لوہے کے لئے استعمال ہوا ہے۔اس کے مجازی معنی لیے جائیں تو معلوم ہوتا ہے لوہا انسانوں کے فائدے کے لئے دیا گیا ہے۔مگر جب ہم اس لفظ کے لغوی معنی لیتے ہیں یعنی یہ کہ اپنی مادی شکل میں لوہے کو آسمان سے اتارا گیا تو ہم دیکھتے ہیں کہ اس آیت کا ایک بڑے سائنسی معجزے کی طرف اشارہ ملتا ہے۔یہ اس لیے ہے کہ جدید فلکیاتی دریافتوں سے پتہ چلا کہ لوہا ہماری دنیا میں خلائے بسیط میں موجود بڑے بڑے ستاروں سے آیا ہے۔یعنی لوہا زمین پر نہیں بنتا بلکہ یہ ستاروں میں دھماکوں کے بعد شہاب ثاقب کے ذریعے زمین پر بھیج دیا جاتا ہے۔بالکل اس طرح جیسے قرآن مجید کی آیت میں مذکور ہے۔

بھاری دھاتیں جو دنیا میں پائی جاتی ہیں وہ بڑے ستاروں کے مرکز میں بنتی ہیں۔تاہم ہمارے نظام شمسی کی ساخت ایسی نہیں ہے کہ وہ خود بخود لوہا پیدا کر سکے۔لوہا صرف وہ بڑے ستارے پیدا کر سکتے ہیں جو سورج سے بڑے ہوں۔جہاں درجہ حرارت چند سو ملین ڈگری تک پہنچ جاتا ہے۔ جب کسی ستارے میں لوہا ایک خاص مقدار سے بڑھ جاتا ہے تو ستارہ اسے جگہ نہیں دے سکتا اور یہ پھٹ جاتا ہے۔جسے''نوتارا'' یا''عظیم تارا'' کہتے ہیں۔اس دھماکے کے نتیجے میں ایسے شہاب ثاقب جن میں لوہا ہوتا ہے کائنات کے گرد بکھر جاتے ہیں اور یہ خلا میں اس وقت تک حرکت کرتے رہتے ہیں جب تک اجرام فلکی میں سے کوئی اسے اپنی کشش ثقل کی طاقت سے کھینچ نہ لے اور سائنس نے ثابت کر دیا ہے یعنی لوہا زمین پر نہیں بنتا بلکہ زمین پر اتارا جاتا ہے۔

## 16۔ بین النجوم مادہ

منظم فلکیاتی نظاموں سے ماورا خلا کو پہلے پہل خالی تصور کیا جاتا تھا۔بعد ازاں فلکی طبیعات کے ماہرین نے خلا میں ستاروں کے مابین ایسے پل دریافت کئے جنہیں پلازمہ سے موسوم کیا جاتا ہے۔یہ پلازمہ ایسی مکمل گیسوں پر مشتمل ہے جن میں الیکٹرون اور آئنز برابر تعداد میں شامل ہیں۔پلازمہ کو مادے کی چوتھی حالت بھی کہا جاتا ہے۔ہمیں معلوم ہے کہ مادے کی تین حالتیں ٹھوس، مائع اور گیس ہیں۔قرآن مجید ستاروں کے درمیان پائی جانے والے اس مادہ کی موجودگی کا ذکر ان الفاظ سے کرتا

ہے۔

سورۃ الفرقان۔آیت نمبر 59

ترجمہ:''وہ جس نے آسمانوں اور زمین کو بنایا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے''۔

یہ تصور بھی حیران کن ہے کہ کوئی ستاروں کے بیچ موجود مادے یعنی پلازمہ کے وجود سے چودہ سو سال پہلے آگاہ تھا۔

## 17۔ ایٹم قابل تقسیم ہے

زمانہ قدیم میں ذرہ مادہ کا سب سے چھوٹا''جوہر مادہ'' ایٹم تھا جس کی تقسیم ناممکن تھی۔ یہ ذرہ ہی آخری حد تھا۔تاہم درج ذیل آیت قرآنی اس حد کو توڑ ڈالتی ہے۔

سورہ سبا، آیت نمبر 3

ترجمہ:''کافر کہتے ہیں کہ قیامت ہم پر نہیں آرہی۔تم کہو قسم ہے میرے ربّ کی غیب کا علم رکھنے والے پروردگار کی وہ تو تم پر آکر رہے گی۔اس سے ذرہ برابر کوئی چیز نہ آسمانوں میں چھپی ہوئی ہے اور نہ زمین میں۔نہ ذرے سے بڑی اور نہ اس سے چھوٹی۔یہ سب کچھ ایک کتاب روشن میں درج ہے''۔

ایک دوسری آیت میں درج ہے

سورۃ یونس آیت نمبر 61

ترجمہ:''کوئی ذرہ برابر چیز آسمانوں اور زمین میں ایسی نہیں ہے نہ چھوٹی نہ بڑی جو تیرے رب کی نظر سے پوشیدہ ہو اور ایک کتاب مبین میں درج نہ ہو''۔

مذکورہ بالا آیات اللہ تعالیٰ کے عالم کل ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔پس آیات مذکورہ سے صاف صاف علم ہوتا ہے کہ ایٹم یا جوہر سے کوئی چھوٹی شے بھی موجود ہے جسے سائنس نے حال ہی میں دریافت کیا ہے۔

## 18۔ بارش کیسے وجود میں آتی ہے

ایک طویل عرصے تک یہ بات معمہ بنی رہی کہ بارش کیسے وجود میں آتی ہے؟ جب ریڈار ایجاد ہوا تو ان مراحل کا پتہ چلایا گیا جن سے گزر کر بارش وجود میں آتی ہے اس کے مطابق بارش تین مراحل سے گزر کر بنتی ہے۔

1۔ پہلا مرحلہ خام مواد کا ہے جن میں پانی کے بخارات ہوا کے ساتھ بلندی کی طرف جاتے ہیں۔

2۔ دوسرے مرحلے میں بادل بنتے ہیں۔

3۔ تیسرے مرحلے میں پانی کے قطرے نظر آتے ہیں۔

قرآن پاک میں بارش کے وجود میں آنے کا ذکر بالکل اسی طرح فرمایا گیا ہے۔

سورۃ روم۔آیت نمبر 48

ترجمہ:''اللہ ہی ہے جو ہواؤں کو بھیجتا ہے اور وہ بادل اٹھاتی ہیں پھر وہ ان بادلوں کو آسمان پر پھیلاتا ہے جس طرح چاہتا ہے اور انہیں ٹکڑوں میں تقسیم کرتا ہے۔پھر تم دیکھتے ہو کہ بارش کے قطرے بادل میں سے ٹپکے چلے آتے ہیں۔یہ بارش جب وہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے برساتا ہے تو یکا یک وہ خوش وخرم ہو جاتے ہیں''۔

بارش کی تشکیل کے بارے میں قرآن پاک درج ذیل معلومات بھی فراہم کرتا ہے۔

سورۃ نور، آیت 43

ترجمہ:''کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ اللہ تعالیٰ بادل کو آہستہ آہستہ چلاتا ہے پھر اس کے ٹکڑوں کو باہم جوڑتا ہے۔پھر اسے سمیٹ کر ایک کثیف ابر بنا دیتا ہے۔پھر تم دیکھتے ہو کہ اس کے خول سے قطرے ٹپکتے چلے آتے ہیں اور وہ آسمان سے ان پہاڑوں کی بدولت جو ان میں بلند ہیں اولے برساتا ہے پھر جسے چاہتا ہے ان سے نقصان پہنچاتا ہے اور جسے چاہتا ہے ان سے بچا لیتا ہے۔اس کی بجلی کی چمک آنکھوں کو خیرہ کئے دیتی ہے''۔جب چھوٹے بادل آپس میں جڑ جاتے ہیں تو عمودی شکل میں بڑے ہو کر اوپر اٹھنے کا عمل بڑھ جاتا ہے اور یوں بادل سمٹ کر گنبد نما شکل اختیار کر لیتے ہیں۔یہ عمودی بڑھاؤ پھیل کر بادل کو کرہ ہوائی کے سرد خطوں میں پھیلا دیتا ہے جہاں پانی کے قطرے اولے بنتے ہیں۔بادل بڑے ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔بادلوں کے اوپر اٹھنے کا عمل رک جاتا ہے تو یہ بارش اور ژالہ باری کی شکل میں زمین پر گرنے لگتے ہیں۔

قرآن پاک سورۃ الفرقان۔آیت نمبر 49۔ 48

ترجمہ:''اور وہی ہے جو باران رحمت سے پہلے خوشخبری دینے والی ہواؤں کو بھیجتا ہے اور وہ آسمان سے پانی اتارتا ہے تا کہ اس کے ذریعے ایک مردہ علاقے کو زندگی بخشے اور اسے ہم اپنی مخلوقات میں بہت سے چوپایوں اور انسانوں کو پلاتے ہیں''۔

## 19۔ بادلوں کو بارآور کرتی ہوئی ہوائیں :

سورہ الحجر، آیت نمبر 22 ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

ترجمہ:''اور ہم ہی ہواؤں کو بارآور بنا کر چلاتے ہیں پھر آسمان سے پانی برساتے ہیں اور اس پانی سے تمہیں سیراب کرتے ہیں''۔

سورۃ الاعراف، آیت نمبر 57

ترجمہ:''اور وہی ہے جو ہواؤں کو اپنی رحمت کے آگے آگے خوشخبری لئے ہوئے بھیجتا ہے اور پھر جب وہ پانی سے لدے ہوئے بادل اٹھا لیتی ہیں تو کسی مردہ زمین کی طرف حرکت دیتا ہے اور وہاں بارش برسا کر (اسی مردہ زمین سے) طرح طرح کے پھل نکالتا ہے''۔

آج جدید سائنس نے سب کچھ ثابت کر دیا ہے کہ یہ ایسا ہی ہے سب سے اہم بات یہ ہے کہ ہوا کا یہ اہم کردار جس سے بارش تشکیل پاتی ہے۔صدیوں پہلے اس وقت قرآن پاک میں بتا دیا گیا تھا جب لوگوں کو اس مظہر قدرت کے بارے میں کوئی علم نہ تھا۔

## 20۔ گہرے سمندروں کی تہہ میں اندھیرا

قرآن پاک سورۃ نور، آیت نمبر 40

ترجمہ:''یا پھر اس کی مثال ایسی ہے جیسے گہرے سمندر میں اندھیرا کہ اوپر ایک موج تاریک چھائی ہوئی ہے۔اس کے اوپر ایک موج اور اس کے اوپر بادل۔ تاریکی پر تاریکی مسلط ہے۔آدمی اپنا ہاتھ نکالے تو اسے بھی نہ دیکھ پائے۔اللہ جسے نور نہ بخشے اس کے لئے پھر کوئی نور نہیں''۔

آج سائنس نے یہ بات ثابت کر دی ہے۔لیکن چودہ سو سال پہلے قرآن کا یہ بات بتا دینا قرآن ہی کا معجزہ ہے۔

## 21۔ انگلیوں کے پوروں میں باہم مماثلت

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے''سورۃ القیامۃ۔آیت نمبر 3 تا 4

ترجمہ:''کیا انسان یہ سمجھ رہا ہے کہ ہم اس کی ہڈیوں کو جمع نہ کر سکیں گے کیوں نہیں، ہم تو اس کی انگلیوں کے پُور پُور ٹھیک ٹھیک بنا دینے پر قادر ہیں''۔

چودہ صدیاں قبل کسی انسان کو معلوم نہ تھا کہ ہر انسان کی انگلیوں کے نشانات مختلف ہوتے ہیں۔حتیٰ کہ جڑواں بچوں کی انگلیوں کے نشانات بھی ایک جیسے نہیں ہوتے۔آج اس وجہ سے انگلیوں کے نشانات انسانوں کی شناخت کے لئے سائنسی طریقہ کار بن گئے ہیں اور یہ شناخت اس قدر صحیح ہوتی ہے کہ اس میں کسی شک وشبہ کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی۔

## 22۔ درد کا احساس صرف جلد کو ہوتا ہے

جدید طب نے یہ دریافت کیا ہے کہ وہ اعصاب جو درد کا ادراک کرتے ہیں خواہ درد چوٹ لگنے سے ہو، جلنے، شدید گرمی یا سردی کی وجہ سے ہو۔یعنی اگر جسم میں سوئی چبھوئی جائے تو درد صرف جلد کی سطح پر ہوگا لیکن اگر سوئی جلد سے آگے گزار دی جائے تو بقیہ گوشت میں فی الواقع درد نہیں ہوگا۔یہ اگرچہ ایک جدید ترین تحقیق ہے لیکن اس کی طرف اشارہ قرآن مجید میں صدیوں پہلے سے موجود ہے۔

قرآن پاک سورۃ النساء۔آیت نمبر 56

ترجمہ:''جن لوگوں نے ہماری آیات ماننے سے انکار کر دیا۔انہیں بالیقین ہم آگ میں جھونکیں گے اور جب ان کے بدن کی کھال گل جائے گی تو اس کی جگہ دوسری کھال پیدا کر دیں گے تا کہ وہ خوب عذاب کا مزہ چکھیں۔بے شک اللہ بہت زبردست بڑی حکمت والا ہے''۔

یعنی قرآن پاک میں درد اور تکلیف کا تعلق صرف جلد سے بیان کر دیا گیا ہے اور گناہ گاروں کو مزید تکلیف پہنچانے کے لئے بار باران کی جلد ہی تبدیل کی جائے گی۔

### 23۔ ماں کا دودھ

سورۃ بقرہ۔آیت نمبر 233

ترجمہ:''مائیں اپنی اولاد کو پورے دو سال دودھ پلائیں، یہ حکم اس شخص کے لئے ہے جو دودھ پلانے کی مدت پوری کرنا چاہے۔

جدید سائنس کی روشنی میں ہر نئے روز بچے کے لئے ماں کے دودھ کا ایک نیا فائدہ دریافت ہو رہا ہے، سائنس نے ایک حقیقت یہ دریافت کی کہ پیدائش کے دو سال تک ماں کا دودھ دینا بے حد مفید ہے۔

### 24۔ شہد کی شفاء

شہد کی مکھی ادھر ادھر ہر جگہ سے طرح طرح کے پھولوں سے رس کشید کر کے اپنے جسم میں شہد تیار کرتی ہے۔ بعد ازاں وہ اس شہد کو اپنے چھتے کے مومی خانوں میں محفوظ کر چھوڑتی ہے۔

قرآن پاک سورہ النحل۔آیت نمبر 69

ترجمہ:''اس مکھی کے (پیٹ کے) اندر سے رنگ برنگ کا ایک شربت نکلتا ہے جس میں شفاء ہے۔اس میں بھی نشانی ہے ان لوگوں کے لئے جو غور و فکر کرتے ہیں''۔

موجودہ سائنس بتاتی ہے کہ شہد میں شفا بخش خصوصیت پائی جاتی ہے۔ یہ اوسط درجے کا اینٹی سپٹک ہے۔ دوسری جنگ عظیم میں روس کے سپاہی اپنے زخموں پر پٹی باندھتے ہوئے شہد کو بطور مرہم استعمال کرتے تھے۔شہد کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ یہ زخم میں کسی قدر نمی برقرار رکھتا ہے اور زخم مندمل ہونے کے بعد زخم کی جگہ کوئی بدنما داغ باقی نہیں رہتا۔شہد کے گاڑھے پن کے باعث اس میں پھپھوندی لگنے یا جراثیم کی نمو کے امکانات نہایت کم ہو جاتے ہیں۔شہد میں فرکٹوز نامی گلوکلوز اور وٹامن بھی وافر مقدار میں پائے جاتے ہیں۔

### 25۔ شہد کی مکھی۔اس کی سلیقہ مندی اور مہارت

قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے ،(سورہ النحل آیت 68 تا 69)

ترجمہ:''اور دیکھو تمہارے رب نے شہد کی مکھی پر یہ بات وحی کر دی ہے کہ پہاڑوں میں، درختوں میں اور چڑھائی ہوئی بیلوں میں اپنے چھتے بنا اور ہر طرح کے پھولوں کا رس چوس۔اور اپنے رب کی ہموار کی ہوئی راہوں میں چلتی رہ۔اس (مکھی) کے اندر سے رنگ برنگ کا ایک شربت نکلتا ہے جس میں شفا ہے''۔

لوگوں کے لئے یقیناً اس میں بھی ایک نشانی ہے ان لوگوں کے لئے جو تفکر کرتے ہیں۔شہد کی مکھیوں کے طرز زندگی اور ابلاغ باہمی پر تحقیق کرنے والے سائنس دان ''وان فرش'' کو اس بنا پر نوبل پرائز سے نوازا گیا۔وان فرش نے شہد کی مکھی پر ایک زبردست تحقیق کی ہے۔شہد کی مکھی کوئی نیا باغ یا نیا پھول دریافت کرتے ہی واپس لوٹ کر آتی ہے اور ساتھی مکھیوں کو اپنی نئی دریافت سے نہ صرف آگاہ کرتی ہے بلکہ وہاں تک پہنچنے کا صحیح راستہ اور معینہ نسخہ بھی بتاتی ہے۔اس عمل کو ''مگس رقص'' کہتے ہیں یا (Bee Dance) کیونکہ وہ اپنی جسمانی حرکات کی خاص ترتیب سے نئی دریافت شدہ شکارگاہ کی طرف نشاندہی کرتی ہے۔ یہ انکشاف فوٹو گرافر اور دیگر جدید ترین سائنسی آلات کی بدولت بالآخر ایک طویل تحقیق کے بعد ممکن ہوا۔قرآن مجید مذکورہ بالا آیت مبارکہ اس حقیقت کو نمایاں کرتی ہے کہ کیسے ایک شہد کی مکھی اپنے سلیقہ اور مہارت سے اپنے خالق اور مالک کے وسیع اور عریض راستوں میں اڑتے گھومتے اپنا رزق پا لیتی ہے۔''فَاسْلُکِی'' اور ''کُلِی'' عرب میں صیغہ ہائے مونث ہیں۔گویا۔سپاہی یا کارکن مکھی ہمیشہ مادہ مکھی ہی ہوتی ہے۔شہد کی کارکن مکھیاں مادہ ہوتی ہیں کسی بادشاہ کے بجائے ایک ''ملکہ مکھی'' کی رعایا کے طور پر منظم انداز میں کام سرانجام دیتی ہیں لیکن یہ جدید تحقیق و تفتیش پچھلے تین سو سالوں میں اس قابل ہو سکی کہ اصل حقیقت کی نقاب کشائی کرے۔

### 26۔ سننے اور دیکھنے کی حس

ارتقا پذیر جنین میں جو پہلی حس تخلیق پاتی ہے وہ ''سماعت'' سننے کی حس ہے۔دلچسپ امر یہ ہے کہ رحم مادر میں چوبیسویں ہفتے کی نشوونما تک جنین میں آوازیں سننے کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے۔اس کے بعد بصارت یا دیکھنے کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے۔اور اٹھائیسویں ہفتہ تک پردہ چشم روشنی کے حوالے سے حساس ہو جاتا ہے۔ قرآن حکیم اس عمل کی شروعات یوں بیان کرتا ہے۔

سورۃ سجدہ۔آیت نمبر 9

ترجمہ:''پھر اُسے درست کیا اور اس کے اندر روح پھونک دی اور تمہیں کان دیئے، آنکھیں دیں اور دل دیئے تم لوگ کم ہی شکر کرتے ہو''۔

سورۃ دہر۔آیت نمبر 2

ترجمہ'':ہم نے انسان کو مخلوط نطفے سے پیدا کیا پھر اسے بنایا سنتا اور دیکھتا''۔

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا''سورہ المومنون۔آیت نمبر 78

ترجمہ:''وہی تو ہے جس نے تمہیں سننے اور دیکھنے کی توفیق دیں اور دل دیئے مگر تم لوگ کم ہی شکر گزار ہوتے ہو''۔

مذکورہ بالا تمام آیات میں سماعت کا ذکر بصارت سے پہلے کیا گیا ہے اور جدید سائنس بھی یہی دریافت کر پائی ہے کہ انسانی تخلیق میں پہلے سننے کا مرحلہ آتا ہے بعد میں دیکھنے کا۔

## 27۔ چیونٹیوں کا طرز زندگی

سورہ النمل۔آیت نمبر 17 تا 18

ترجمہ:''سلیمانؑ کے لئے جن اور انسانوں اور پرندوں کے لشکر جمع کئے گئے تھے اور وہ پورے ضبط میں رکھے جاتے تھے (بوقت کوچ) یہاں تک کہ یہ سب چیونٹیوں کی وادی میں پہنچے تو ایک چونٹی کہنے لگی''اے چیونٹیوں اپنے بلوں میں داخل ہو جاؤ۔مبادا کہ سلمان علیہ السلام اور ان کا لشکر تمہیں کچل ڈالے اور انہیں خبر تک نہ ہو''

جدید سائنس نے ثابت کیا ہے کہ حشرات ارضی میں فقط چیونٹیوں کا طرز عمل انسانی سلیقہ حیات سے سب سے زیادہ مشابہہ ہے۔چیونٹیوں کے رہن سہن کو جو انسانی تمدن سے قریب تر ہے درج ذیل تحقیقی نکات واضع کرتے ہیں۔

1۔ چیونٹیاں اپنے مردہ ساتھیوں کو بالکل انسانوں کی طرح زمین میں دفن کرتی ہیں۔

2۔ ان میں بھی تقسیم محنت کا ایک باقاعدہ نظام موجود ہے۔جو منتظمین،نگہداران،افسران بالا اور کارکنوں وغیرہ پر مشتمل ہے۔یہ سب اپنے اپنے دائرہ کار میں مخصوص فرائض کی انجام دہی کرتے ہیں۔

3۔ کبھی کبھار سرراہ چلتے پھرتے وہ ایک دوسرے سے مل کر باقاعدہ بات چیت بھی کرتی ہیں۔

4۔ چیونٹیاں باقاعدگی سے ایک جائے خرید و فرخت کا اہتمام کرتی ہیں۔جہاں وہ ایک دوسرے سے مل کا باقاعدہ بات چیت بھی کرتی ہیں۔وہ ایک دوسرے سے اجناس واشیاء کا تبادلہ کرتی ہیں۔

5۔ چیونٹیاں موسم سرما کی خوراک یعنی اناج وغیرہ کا ذخیرہ کرتی ہیں اور جہاں ان کے اناج کے دانوں یا بیجوں سے پودے اگنے لگیں وہیں فوری طور پر ان کی جڑوں کو کاٹ ڈالتی ہیں تاکہ اصل خوراک گل سڑ نہ جائے۔

6۔ اگر ان کا ذخیرہ شدہ اناج بارشوں کی نذر ہو کر گیلا ہو جائے تو وہ اسے دھوپ میں سکھانے کے لئے ڈال دیتی ہیں اور جونہی دانے خشک ہو جاتے ہیں جلدی سے واپس اپنے بلوں میں لے جانے کو دوڑتی ہیں۔

## 28۔ دو عورتوں کی گواہی ایک حیران کن دریافت

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے سورۃ بقرہ۔آیت نمبر 282

ترجمہ:''اے ایمان والو جب تم آپس میں ایک مقررہ مدت کے لیے ادھار کا لین دین کرو تو اسے لکھ لیا کرو اور لکھنے والے کو چاہیے کہ تمہارے درمیان انصاف کے ساتھ تحریر کرے اور لکھنے والا لکھنے سے انکار نہ کرے۔جیسا کہ اللہ نے اسے سکھایا ہے ویسا لکھے اور وہ شخص لکھوائے جس کے ذمہ قرض ہو اور اسے اپنے رب اللہ سے ڈرنا چاہیے اور (لکھواتے وقت) وہ (مقروض) اس میں کوئی چیز کم نہ کرے،لیکن اگر وہ جس کے ذمہ قرض ہے نادان یا کمزور ہو یا لکھوا نہ سکتا ہو اس کا مختار انصاف کے ساتھ لکھوائے اور تم اپنے مسلمان مردوں میں سے دو گواہ بنالو،پھر اگر مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں جنہیں تم گواہ کے طور پر پسند کرو۔تاکہ ایک عورت اگر بھول جائے تو

ان میں سے دوسری اسے یاد دلا دے۔

اس آیت کے حوالے سے مخالفین اسلام اور بعض کم فہم مسلمان یہ پروپیگنڈا کرتے ہیں کہ قرآن کے نزدیک ایک مرد کی گواہی دو عورتوں کے برابر ہے گویا قرآن عورت کو پورا نہیں بلکہ آدھا انسان سمجھتا ہے۔

اس اعتراض کے جواب میں جناب نعیم احمد بلوچ ایک چونکا دینے والی دریافت کے زیر عنوان لکھتے ہیں ''قرآن کی اس آیت سے یہ نتیجہ نکالنا ہرگز ٹھیک نہیں۔ انسان چاہے مرد ہو یا عورت دونوں کی زندگی کا مقصد آزمائش بتایا ہے اور دونوں کے لئے ایک ہی جزا یعنی جنت اور ایک ہی سزا جہنم کی خبر دیتا ہے۔ اس لحاظ سے دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ چنانچہ اس ہدایت کا مقصد صرف یہ ہے کہ گھر میں رہنے والی خواتین جو عدالت، پنچایت، جرگہ یا اس قسم کے فورم میں بوقت گواہی گھبراہٹ میں مبتلا ہو سکتی ہیں۔ انہیں ابہام و اضطراب سے بچانے کے لئے ایک دوسری خاتون کا سہارا مل جائے۔

موجودہ زمانے میں انسانی دماغ پر بہت زیادہ ریسرچ کی گئی ہے۔ اور نئے نئے حقائق دریافت ہوئے ہیں۔ اس موضوع پر امریکی ماہرین کی ایک ٹیم کی سروے رپورٹ جس کا مقصد یہ جاننا تھا کہ جب انسان کو کچھ بتایا جائے یا پڑھایا جائے تو اس کے دماغ میں کس قسم کے اعصابی حرکات ہوتی ہیں اس ریسرچ کے ذریعے یہ معلوم ہوا کہ مرد اپنے دماغ کے صرف ایک جانب سے سنتے ہیں جبکہ عورتیں اپنے دماغ کی دونوں سمتوں کو استعمال کرتی ہیں۔ اس ریسرچ میں 10 تندرست مردوں اور 10 تندرست عورتوں پر تجربات کئے گئے۔ اس ریسرچ سے معلوم ہوا کہ مرد اور عورت کے دماغ یقینی طور پر یکساں نہیں ہیں۔ یہ ریسرچ انٹرنیٹ پر موجود ہے اور اسے لاس اینجلس ٹائمز نے 29 نومبر 2000 کو شائع کیا۔ یہ ریسرچ بتاتی ہے کہ عورت اور مرد کے اس دماغی فرق کی بنا پر دونوں کے دیکھنے اور سننے میں فرق ہے۔ مرد اپنی دماغی بناوٹ کی بناء پر آسانی سے کسی ایک چیز پر توجہ فوکس کر سکتا ہے اس کے برعکس عورت اپنے دماغ کی بناوٹ کی بنا پر ایسا نہیں کر سکتی۔ اس کا فوکس پھیل جاتا ہے اور وہ بیک وقت مختلف چیزوں کو دیکھتی اور سنتی ہے۔ گویا مرد کا مرکز توجہ ایک چیز ہوتی ہے اور عورت کا مرکز توجہ کئی چیزیں۔ عورت اور مرد کے دماغ کا یہ تخلیقی فرق بے حد اہم ہے۔ اس ریسرچ سے اس بات کا حتمی سائنٹفک جواب ملتا ہے کہ اسلام میں عورت اور مرد کی گواہی کے درمیان فرق کیوں رکھا گیا ہے۔ اس فرق کا سبب یہ ہے کہ دونوں کے دماغ کی بناوٹ میں فرق ہے۔ مرد کا دماغ یک ارتکازی (unifocal mind) اس کے مقابلے میں عورت کا دماغ پیدائشی طور پر کثیر ارتکازی (Multifocal Mind) ہے۔ اس فرق کی بنا پر ہمیشہ یہ امکان رہے گا کہ جس دستاویز کی گواہی دینی ہے۔ اس کو مرد کے دماغ نے اس کی پوری صورت میں ذہن نشین کر لیا ہوگا۔ جبکہ عورت کے مقابلے میں یہ امکان ہے کہ مختلف فطری بناوٹ کی بناء پر اس کے دماغ نے کسی بات کو تمام اجزاء کے ساتھ ذہن نشین نہ کیا ہو۔ ایسی حالت میں مرد کی جگہ دو عورتوں کو گواہ بنانے میں یہ حکمت ہے کہ اگر واقعے کا ایک پہلو ایک عورت سے چھوٹ جائے تو دوسری عورت اس کی تلافی کر دے۔ یہی وہ حقیقت ہے جس کو قرآن پاک کی مذکورہ بالا آیت میں بیان کیا گیا ہے۔ اور سائنسی تحقیق نے یہ ثابت بھی کر دیا ہے کہ قرآن کریم کا یہ حکم ایک ایسی ہستی کی ہدایت ہے جو انسان کی رگ رگ، نس نس اور خلیہ خلیہ سے واقف ہے اور جانتی ہے کہ اس کے لئے کیا مناسب ہے اور کیا نامناسب ہے۔ حوالہ جات (سورہ بقرہ 282، انڈین یونیورسٹی سکول آف میڈیسن کی پریس ریلیز، اسلام کی سچائی اور سائنس کے اعترافات)

## 29۔ کائنات دھواں دھواں تھی

ترجمہ: ''پھر وہ آسمان کی طرف متوجہ ہوا جو اس وقت محض دھواں تھا۔ اس نے آسمان اور زمین سے کہا وجود میں آجاؤ۔ خواہ تم چاہو یا نہ چاہو دونوں نے کہا ہم آگئے فرماں بردار کی طرح''۔ (سورۃ حم السجدہ۔ آیت نمبر ۱۱)

آج ڈیڑھ ہزار سال قبل کسی کے تصور میں یہ بات نہ تھی کہ کائنات ابتداء میں دھواں تھی لیکن جدید تحقیق نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ سائنس دانوں نے اس دھویں کو انتہائی طاقت ور دوربینوں سے دیکھا ہے۔

## 30۔ سورج اپنی منزل کی جانب رواں دواں ہے

قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے۔ سورہ یٰسین۔ آیت نمبر 38

ترجمہ: ''اور　　سورج اپنے ٹھکانے کی سمت دوڑتا چلا جا رہا ہے۔ یہ بہت زبردست خوب جاننے والا

متعین کردہ راستہ ہے''۔

سولہویں صدی میں پولینڈ کے ماہر نجوم نے اعلان کیا ''سورج ساکن ہے اور زمین اس کے گرد گھومتی ہے'' اٹھارویں صدی میں یہ اعلان ہوا ''سورج متحرک ہے اور خلا میں سفر کر رہا ہے۔ ان حضرات کو نظریہ اور حقیقت میں فرق محسوس ہونا چاہیے۔ نظریہ روزانہ بدل جاتا ہے اور حقیقت وہ چیز ہے جس کے غلط ہونے کا امکان نہیں اور قرآن پاک کا تو ہر بیان حقیقت ہے۔ بالکل سچی حقیقت۔

## 31۔ زمین سکڑ رہی ہے

سورہ رعد، آیت نمبر 41

ترجمہ: ''کیا وہ دیکھتے نہیں کہ ہم زمین کو اس کے اطراف سے سکیڑتے چلے جا رہے ہیں''؟

سورہ فرقان، آیت نمبر 6

ترجمہ: ''اے نبی خاتم النبیین ﷺ! کہہ دیجئے کہ اسے (کلام الٰہی کو) اُس نے نازل کیا ہے۔ جو آسمان اور زمین کے بھید جانتا ہے''۔

یہ تمام حقائق وہ ہیں جو آج سائنس نے ثابت کر دیئے ہیں اور یہ اللہ کے وجود اور نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کی رسالت پر روشن دلیل ہیں۔

## 32۔ کم سے کم مدت حمل کتنی؟

جنینسن کی پیدائش کی مدت کو ماہ شمار کی جاتی ہے مگر دور جدید نے سائنسی تحقیقات سے معلوم کیا ہے کہ بچہ ماں کے پیٹ میں چھ ماہ کی مدت گزارنے کے بعد ہی صحیح سالم پیدا ہو سکتا ہے اور اس کے بعد زندگی بسر کر سکتا ہے۔ تفسیر ابن کثیر میں ایک اہم واقعہ بیان کیا گیا ہے وہ یہ کہ ''ایک صاحب حضرت سیدنا عثمان غنیؓ کے پاس شکایت لے کر آئے کہ ان کی شادی کو صرف چھ ماہ ہوئے ہیں اور ان کی بیوی کے ہاں لڑکا پیدا ہو گیا ہے۔ بیوی اصرار کر رہی ہے کہ بچہ اسی کا ہے لیکن خاوند اور خود امیر المومنین عورت کی بات کے قائل نہ ہوئے اس عورت کو سزا سنانے ہی والے تھے کہ سیدنا حضرت علیؓ آن پہنچے اور انہوں نے از روئے قرآن فیصلہ کر دیا کہ بچہ عورت کے خاوند کا ہے اور عورت کو باعزت بری کر دینا چاہیے کیونکہ قرآن کہتا ہے

سورۃ الاحقاف، آیت نمبر 15

ترجمہ: ''اور ہم نے انسان کو اپنے والدین کے ساتھ بھلائی کرنے کا حکم دیا ہے اس کی ماں نے اس کو تکلیف سے پیٹ میں رکھا اور تکلیف ہی سے جنا اس کا پیٹ میں رہنا اور اس کا دودھ چھڑانا تیس ماہ کی مدت ہے''۔

سورۃ البقرہ، آیت نمبر 233

ترجمہ: ''مائیں اپنی اولاد کو پورے دو سال دودھ پلائیں (24 ماہ) حکم اس شخص کے لئے ہے جو دودھ پلانے کی مدت پوری کرنا چاہے''۔

پہلی آیت سے معلوم ہوا کہ حمل کی مدت اور دودھ پلانے کی مدت کا مجموعہ ڈھائی برس ہے دوسری آیت سے معلوم ہوا کہ دودھ پلانے کی مدت دو برس ہے (24 ماہ) یوں حمل کی مدت خود بخود معلوم ہو گئی۔ (30 ماہ) 24 ماہ تفریق کر دیں باقی چھ ماہ حمل کی کم سے کم مدت ہے۔ گویا قرآن مجید نے بالکل صداقت کے ساتھ حمل کی کم از کم مدت چھ ماہ ہی بتائی ہے۔

## 33۔ مکھی کے ایک پر میں شفا اور دوسرے میں بیماری

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''اگر تم میں سے کسی کے مشروب (پانی، دودھ) وغیرہ میں مکھی گر جائے تو اسے چاہیے کہ اس کو مشروب میں ڈبکی دے۔ پھر اسے نکال کر پھینکے کیونکہ اس کے ایک پر میں بیماری اور دوسرے میں شفاء ہے''۔ (صحیح بخاری 3320)

ڈاکٹر محمد محسن خان اس ضمن میں لکھتے ہیں کہ ''طبی طور پر اب یہ معروف بات ہے کہ مکھی اپنے جسم کے ساتھ ساتھ کچھ جراثیم اٹھائے پھرتی ہے۔ جیسا کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے 1400 سو سال پہلے بتایا تھا جب انسان جدید طب کے بارے میں بہت کم جانتا تھا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے کچھ (organisms) اور دیگر ذرائع پیدا کئے جو ان جراثیم کو ہلاک کر دیتے ہیں مثلاً پنسلین، پھپھوندی اور سٹیفلو کوکائی۔ حالیہ تجربات سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایک مکھی بیماری (جراثیم) کے ساتھ ساتھ ان جراثیم کا تریاق بھی اٹھائے پھرتی ہے۔ عام طور پر جب مکھی کسی مائع غذا کو چھوتی ہے تو وہ اسے اپنے بیماری والے جراثیم سے آلودہ کر دیتی

# مُصَنِّفہ کی تمام کُتُب

| | | | |
|---|---|---|---|
| خاتم النبیین<br>مِحبُوبِ ربُّ العٰلمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم | خاتم النبیین<br>مُحسنِ اِنسانیت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم | مقصدِ حیات | عبدیّت کا سفر<br>ابدیّت کے<br>حصُول تک |
| تعلُّق مع اللہ | مُختصراً<br>قُرآنِ پاک<br>کے علُوم | راہِ نجات | فلاح |
| اہلِ بیت<br>اور خاندانِ بنُو اُمَیّہ | ثواب و عتاب | تُو ہی مُجھے<br>مِل جائے<br>(جِلد۔۱) | تُو ہی مُجھے<br>مِل جائے<br>(جِلد۔۲) |
| مُختصِرتذکرۂ<br>انبیاءکرامؑ،<br>صحابہ کرامؓ و<br>آئمہ کرامؒ | اولیاءکرامؒ | کتاب الصلوٰۃ وَ<br>اوقاتُ الصّلوٰۃ | عشرہ مُبشرہؓ<br>اور آئمہ اربعہؒ |
| حیاتِ طیّبہ | آگہی | اِسلام<br>عالمگیر دِین | عقائد واِیمان |
| دِینِ اِسلام<br>(بچّوں کےلئے) | کتابِ آگاہی<br>(تصحیح العقائد) | تصوُّف یا<br>رُوحانیت<br>(جِلد۔۱) | تصوُّف یا<br>رُوحانیت<br>(جِلد۔۲) |